اللہ جل جلالہ

کے اسمائے حسنیٰ

تالیف:

أ۔ نجلاء السبیل

ترجمہ:

فضیلۃ الشیخ محمد فضل الرحمن ندوی

حافظ سیف الرحمن حفظ الرحمن تیمی

تفصیلاتِ کتاب

* کتاب : اللہ جل جلالہ کے اسمائے حسنی

* تالیف : اَ- نجلاء السبیل

* ترجمہ : فضیلۃ الشیخ محمد فضل الرحمن ندوی

حافظ سیف الرحمن حفظ الرحمن تیمی

* سن اشاعت : 1443ھ – 2021ء

* صفحات : 272

* تعداد اشاعت : 1000

* ناشر : مکتبہ ظہیر، پٹنہ

اس کتاب کے جملہ حقوق محفوظ ہیں

پیش لفظ

الحمدللہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی رسولہ الکریم وعلی آلہ وصحبہ أجمعین، اما بعد

زیر نظر کتاب علم و فضل سے آراستہ سعودی خاتون محترمہ نجلاء السبیل کی تالیف لطیف ہے۔ انہوں نے اپنی اس کتاب میں اللہ تعالیٰ کے (28) اسمائے حسنیٰ کا تعارف کرایا ہے، ان کے معانی و مفاہیم کی وضاحت کی ہے اور ان کی تہوں میں پوشیدہ علم و حکمت، بصیرت و ہدایت اور دنیا و آخرت کی کامیابی کے خزانے کا اسلاف کرام کی تحریروں اور تشریحات کی روشنی میں بڑی مہارت اور خوبصورتی کے ساتھ انکشاف کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو اسلام کی نعمت سے سرفراز کرنے کے بعد اس دین حنیف کے طفیل بے شمار بیش بہا خزانوں سے نوازا ہے۔ نعمت اسلام کے بعد اس کی جو پانچ بنیادیں ہیں وہ اپنے آپ میں بہت بڑے خزانے کی حیثیت رکھتی ہیں، شرط یہ ہے کہ ان کی اہمیت اور قیمت کا شعور ہمیں حاصل ہو جائے۔ اسی طرح امر بالمعروف، نہی عن المنکر، صدقہ و خیرات، توبہ و استغفار اور رب تعالیٰ کا خوف و خشیت اور اس کے حضور خشوع و خضوع کی کیفیت ایک مومن کے لئے اللہ پاک کے عطا کردہ بیش بہا خزانے ہیں۔ ان میں یقینی طور پر دنیا و آخرت میں کامیاب و کامران اور سرخرو ہونے کی ضمانت ہے۔ ان ہی بیش بہا خزانوں میں سے ایک قیمتی خزانہ اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ ہیں۔ یہ اسمائے حسنیٰ معانی و مفاہیم کا ایسا گہرا سمندر ہیں کہ جب بندہ اس کی تہوں میں اترتا ہے تو اسے علم و حکمت کے انمول موتی ہاتھ لگتے ہیں اور وہ حیران رہ جاتا ہے کہ رب کائنات کتنا عظیم، کیسا رحیم اور کیسی قدرت مطلقہ کا حامل ہے۔ اسمائے حسنیٰ کے ذریعہ رب تعالیٰ کی عظمت و کبریائی کا احساس ہونے کے بعد بندہ کو خود کے حقیر و ذلیل اور ذرّۂ بے مقدار ہونے کا ادراک بھی ہوتا ہے جو اپنے آپ میں ایک بہت بڑی نعمت ہے جس کا موازنہ دنیا بھر کی دولت و ثروت، جاہ و

حشمت اور سلطنت و بادشاہت سے بھی نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ یہ مادی چیزیں عرفان رب اور عرفان ذات کے سامنے کوئی معنی نہیں رکھتی ہیں۔

یہ میری بہت بڑی خوش نصیبی ہے کہ اس عمدہ و قیمتی تالیف کے کچھ اجزاء مجھے اردو میں ترجمہ کرنے کے لئے حاصل ہوئے۔ تقریبا تیس برسوں سے ترجمہ کا کچھ نہ کچھ کام کرنے کی توفیق مجھے حاصل ہوتی رہی ہے، لیکن اس کتاب کے مضامین کو پڑھنے کے بعد میں نے محسوس کیا کہ اس پایہ کا کوئی علمی و روحانی مواد آج تک میری نگاہوں سے نہیں گزرا تھا۔ میں اس کتاب کے مضامین میں بالکل کھو گیا اور پوری دلجمعی کے ساتھ اسے اردو کا قالب دینے میں لگ گیا۔ احادیث نبویہ کے ترجمے کے استثناء کے ساتھ کسی بھی علمی و فکری کتاب یا مضامین کا ترجمہ کرنے میں مجھے وہ لذت حاصل نہیں ہوئی جو اس کتاب کے کچھ اجزاء کے ترجمے کے دوران مجھے حاصل ہوئی۔ خاص طور پر اصلاح احوال اور تزکیۂ قلب کے لئے جو خوراک اس کتاب میں مجھے حاصل ہوئی وہ درجنوں پیر و مرشد کی رہنمائی سے بے نیاز کرنے والی تھی۔ مجھے یقین ہے کہ صحیح الفکر اور سلیم الفطرت قارئین اس کتاب کا سنجیدگی کے ساتھ بغور مطالعہ کرنے کے بعد میری ان باتوں کی ضرور تصدیق کریں گے۔

قارئین کو اندازہ ہو گیا ہو گا کہ یہ کتاب عربی زبان میں ہے اور اسے افادۂ عام کے لئے اردو زبان میں پیش کیا جارہا ہے۔ چونکہ اس کے مضامین عام اور سادہ نہیں ہیں بلکہ اس میں قلب و نظر کی باتیں ہیں، اس میں انسان کے قلب و روح کو مخاطب کیا گیا ہے لہذا اس کے مطالعہ کے لئے غور و فکر اور تدبر و تفکر ناگزیر ہو گا تاکہ اس کے مضامین سے کماحقہ استفادہ ممکن ہو سکے۔

مجھے اور تمام باذوق قارئین کو علم و فضل کے اعلیٰ مقام پر فائز سعودی خاتون محترمہ نجلاء السبیل کا مشکور و ممنون ہونا چاہیے کہ انہوں نے اللہ پاک کے چند اہم اسمائے حسنیٰ سے متعلق اسلاف کرام کی حکیمانہ تشریحات و اقوال کو بڑی مہارت کے ساتھ ایک لڑی میں پرو دیا ہے اور جابجا قرآنی

آیات اور صحیح احادیث نبویہ سے استدلال نے اس کی افادیت میں چار چاند لگا دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں اس کا بہترین و بے پایاں اجر عطا فرمائے۔

میں بہت مشکور ہوں اپنے باصلاحیت عزیز، ہونہار اور علم دوست شاگرد عزیزم سیف الرحمٰن تیمی (طالب جامعۃ اسلامیہ مدینہ منورہ) کا جنہوں نے اس عظیم تالیف سے میری ملاقات کرائی اور میرے لئے اس سے علمی و روحانی استفادہ کی راہ ہموار کی، اللہ پاک انہیں بھی اجر عظیم سے نوازے۔

اخیر میں پروردگار عالم رب ذو الجلال والاکرام کے سامنے دست بدعا ہوں کہ وہ ہم سب کو اس شاندار تالیف سے کما حقہ استفادہ کی توفیق عطا فرمائے، ہمارے قلب کا تزکیہ کر دے، ہمارے باطن کو پاک کر دے اور اپنی عظمت و کبریائی کا تصور ہمہ وقت دل میں بسائے رکھنے کی راہ آسان کر دے۔ آمین یارب العالمین

والصلاة والسلام على نبينا محمد وعلى آله وصحبه أجمعين

محمد فضل الرحمٰن ندوی

دہلی، الھند

21/نومبر 2021ء

مقدمہ

ہر قسم کی تعریف اور حمد و ثنا اللہ تعالیٰ کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے، درود و سلام ہو تمام نبیوں اور رسولوں میں سب سے افضل واشرف ہمارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم، آپ کے آل اور آپ کے تمام اصحاب پر۔

اے اللہ تیری ذات پاک و بے عیب ہے، تیری ہی حمد و ثناء ہے۔ میرے پاس جو بھی علم ہے وہ تیرا ہی سکھایا ہوا ہے، تو بہت علم و حکمت والا ہے۔ اے اللہ مجھے وہ علم عطا فرما جو میرے لیے نفع بخش ہو، تو نے جو علم مجھے سکھایا ہے اسے میرے لیے نفع بخش بنا اور میرے علم میں اضافہ فرما۔

محترم قارئین!

یہ کتابچہ جو آپ کے ہاتھوں میں ہے، میری تالیف نہیں ہے۔ یہ علم و حکمت پر مشتمل جمع شدہ مواد ہے جسے میں نے اہل علم کے کلام سے جمع کیا ہے۔ علم دین کی برکت کے اسباب میں سے یہ ہے کہ اہل فضل کی طرف فضل کو لوٹایا جائے، ان ہی کی طرف اس کا انتساب کیا جائے، اسی وجہ سے میں اس جمع کردہ علم و حکمت کی باتوں کو اہل علم کی طرف لوٹا رہی ہوں اور اللہ تعالی کی ذات سے برکت، نفع اور قبولیت کی امید رکھتی ہوں۔

کئی سالوں سے میری یہ تمنا و آرزو رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کے دروازہ پر دستک دوں اور اس موضوع پر کچھ خامہ فرسائی کروں، لیکن اسی کے ساتھ یہ شدید خوف بھی لاحق رہا ہے کہ کہیں میں کسی ایسے کام کا آغاز نہ کر بیٹھوں جس کے بارے میں مجھے اچھی طرح علم ہے کہ میں اس کی اہل نہیں ہوں اور اس میدان میں مجھے اپنی کم مائیگی کا پورا احساس ہے۔ یہی دونوں باتیں اس آرزو کی تکمیل میں ایک عرصہ تک رکاوٹ بنی رہیں، لیکن جب میں نے اللہ تعالیٰ کے

اسماء و صفات کے علم کے تعلق سے علماء کے اقوال اور بیانات کو سنا تو میرا خوف و اندیشہ دور ہو گیا۔ چنانچہ اللہ تعالی اور اس کے اسماء و صفات کی تعریف کے بارے میں ڈاکٹر فرید انصاری رحمہ اللہ کہتے ہیں: "اس تعلق سے میرے اوپر یہ ذمہ داری ہے کہ میں آپ لوگوں کو اس حقیقت سے باخبر کردوں کہ اللہ تعالی کی ذات اور اس کے اسماء و صفات کا علم ایک شیرینی اور مٹھاس ہے، ویسی مٹھاس اور حلاوت آپ کو کہیں نہیں ملے گی۔ اس حلاوت و مٹھاس کے ذائقے کو بیان کرنا میرے بس سے باہر ہے؛ اس لئے کہ کسی بھی حلاوت و مٹھاس کا احساس اسے چکھنے کے بعد ہی ہو سکتا ہے۔ اس باب میں جو علوم و معارف ہیں ان سے آگاہ ہونے کی کوشش کریں، اس کی جو حلاوت و مٹھاس ہے اسے آپ خود چکھیں اور اس راہ کے آپ مسافر بنیں تو ان شاءاللہ آپ ہدایت یاب ہوں گے"۔

ان سے پہلے ابن رجب رحمہ اللہ نے اس علم کی اہمیت کو اجاگر کرتے ہوئے کہا ہے کہ: "مومن کا خزانہ اس کے رب کی ذات ہے" یعنی مومن کا سب سے عظیم ترین سرمایہ اور اس کا سب سے بڑا خزانہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اپنے اسماء و صفات کے علم سے بہرہ ور کر دے، یہ علم و معرفت آپ کے دل میں جاگزیں ہو جائے، آپ کے اوپر اس کے آثار کا ظہور ہونے لگے۔ یہی در اصل خوشحالی اور فارغ البالی کی زندگی ہے اور یہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے فوری طور پر عطا ہونے والی وہ نعمت ہے جسے بندہ آخرت سے پہلے دنیا ہی میں پالیتا ہے اور یہی وہ سب سے شیریں اور لذت آفریں مقام ہے جس پر بندہ دنیا ہی میں فائز ہو جاتا ہے"۔

علماء کے ان اقوال کو سننے اور پڑھنے کے بعد مجھے یہ اشتیاق ہوا کہ اس علم و فضل میں میرا بھی کچھ حصہ ہو اور میں اس سے محروم نہ رہوں۔ میں نے اس کے لئے اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کی اور اس کے دراسہ و مطالعہ میں لگ گئی۔ میں ان سارے دروس کو نقل کرتی، ان سے متعلق

فوائد کو جمع کرتی، ان کے درمیان ربط و تعلق قائم کرتی اور انہیں اپنی آسان اور رواں و سلیس عبارت میں منتقل کرتی۔ اس عمل کو انجام دیتے ہوئے میرے ذہن پر سب سے زیادہ جو فکر سوار رہتی تھی وہ یہ تھی کہ میں اللہ تعالیٰ کے ان اسماء کو کیسے لوگوں کی حقیقی زندگی اور ان کی روز مرہ کی صورت حال سے مربوط کروں تاکہ ان اسماء کا بلا واسطہ اثر ان کی زندگیوں پر مرتب ہو اور میں بندوں کی ان کے رب کی طرف رہنمائی کرنے کا اجر پا سکوں۔ اس علم کے مطالعہ سے میں نے جو چیز محفوظ کی اور جو نتیجہ اخذ کیا وہ یہ ہے کہ بندہ جب سچے دل سے اپنے رب سے محبت کرنے لگتا ہے تو وہ دوسرے بندوں کا رب سے تعلق استوار کرنے میں مشغول ہو جاتا ہے۔ میری ہمیشہ سے یہ شدید چاہت رہی ہے کہ میں بھی ان میں سے ہو جاؤں جو پہلے تو اپنے رب سے رشتہ و تعلق استوار کرتے ہیں پھر دوسرے بندوں کو رب سے جوڑنے میں اپنی زندگی لگا دیتے ہیں۔

اس کے بعد میں نے اس جمع کردہ مواد کو جھجھکتے ہوئے اپنے محاضرات (لکچرس) میں پیش کرنا شروع کیا لیکن میں نے اس علمی مواد کو مستقل دروس کی شکل میں کبھی پیش کرنے کی کوشش نہیں کی بلکہ میں نے اسے قرآن کی بعض سورتوں کی تشریح و تفسیر کے دوران پیش کیا۔ اصل میں ہم لوگوں نے اپنے مدرسہ "دار التوحید لتحفیظ القرآن" میں قرآن مجید کی آیات اور سورتوں پر غور و فکر کے لئے ایک پروگرام ترتیب دے رکھا ہے جس میں ہم لوگ قرآن مجید کی بعض آیات اور سورتوں کا اجتماعی مطالعہ کرتے ہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ وہ اس ادارہ دار التوحید لتحفیظ القرآن، اس کے منتظمین، اس کی طالبات اور اس سے مستفید ہونے والوں کو خیر و برکت عطا فرمائے۔

علماء کی کتابوں، ان کے بیانات اور ان کی تشریحات سے جمع کردہ علمی مواد آپ کے سامنے

ہے۔ اگر اس میں نفع اور خیر وبرکت کا کوئی پہلو آپ کو نظر آئے تو یہ اللہ کی توفیق اور اس کے فضل واحسان کی وجہ سے ہے اور اگر اس میں آپ کو کوئی کوتاہی یا نقص نظر آئے تو وہ میری وجہ سے ہے، میں اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرتی ہوں اور اسی کی طرف رجوع کرتی ہوں۔ قارئین کرام سے میری یہ گزارش بھی ہے کہ اگر آپ لوگوں کے ذہن میں میرے لئے خیر خواہی اور رہنمائی کی کوئی بات آتی ہے تو اس سے مجھے مطلع کرنے میں بخالت سے کام نہ لیں۔ میں آغاز کلام ہی میں یہ واضح کر چکی ہوں کہ میں بہت جھجھکتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات سے متعلق علم کے اس دروازہ پر دستک دے رہی ہوں اور اپنے مدعا کو مزید واضح کرنے کے لئے شیخ حمد بن عتیق رحمہ اللہ کے ان اشعار کا سہارا لے رہی ہوں۔

أسير خلف ركاب النجب ذا عرج　　مؤمّلا غير ما يقضى به عرجي

و إن ظللت بقفر الأرض منقطعا　　فما على أعرج فى ذاک من حرج

(میں شرفاء کے قافلے کے پیچھے لنگڑاتے ہوئے چل رہا ہوں، اس امید کے ساتھ کہ میرے پاؤں کا عیب دور ہونے کے علاوہ بھی کوئی فائدہ مجھے حاصل ہو گا۔ اگر میں اس بے آب و گیاہ سرزمین میں قافلے سے کٹ کر اکیلے رہ گیا تو ایک لنگڑے انسان کے لئے اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔)

اس مقدمہ کے اختتام سے قبل میں یہ کہنا چاہوں گی کہ اس کتابچہ میں جو دروس پیش کیے گئے ہیں انہیں دل کی توجہ درکار ہے۔ آپ اسے سرسری طور پر پڑھنے کے بجائے دل سے متوجہ ہو کر پڑھیں تاکہ آپ اس کی روحانیت کے مدارج طے کر سکیں، اس کے ذریعہ آپ کو رب کی ایسی معرفت حاصل ہو جو آپ کو رب کی بارگاہ میں پہنچا دے اور آپ کے لئے تقرب الٰہی کا زینہ بن جائے۔ اور آپ اپنے دل میں رب کی ایسی محبت محسوس کریں کہ ویسی محبت کا دنیا میں

وجود ہی نہیں ہے۔

شاعر کے بقول:

ومن ذاک إحساس المحب لقلبہ　　　　بضرب وتحریک إلی اللہ دائما

(اس کا ایک فائدہ یہ ہے کہ محبت کرنے والے کے مضراب دل سے اللہ کی محبت کے نغمے جاری ہو جاتے ہیں اور ہمیشہ کے لئے وہ دل اللہ کی محبت کے لئے متحرک ہو جاتا ہے۔)

میں اللہ تعالیٰ سے اپنے لئے اور آپ سب کے لئے نفع بخش علم، نیک عمل اور اصلاح قلب کی دعا کرتی ہوں۔

کوئی بھی سوال یا تاثرات و تبصرے مندرجہ ذیل نمبر پر ارسال کیے جاسکتے ہیں:

0540702001　　(یہ مدرسۃ دارالتوحید کا موبائل نمبر ہے)

سبحانک اللھم وبحمدک أشھد ان لا الہ الا أنت أستغفرک و أتوب إلیک

آپ کی بہن

ام عبد الرحمٰن

نجلاء

4/3/1433ھ　　(بروز سنیچر)

اللہ تعالیٰ کا نام "الغفور" جل جلالہ

☆ اللہ تعالیٰ کے نام "الغفور" کے دو معانی ہیں:

پہلا معنی: یہ ہے کہ اللہ عزوجل گناہوں کو بخشتا ہے اور گناہوں کے ارتکاب پر فوری مواخذہ نہیں کرتا ہے۔

☆ اللہ تعالیٰ کا یہ نام "الغفور" مبالغہ کے صیغہ کے طور پر استعمال ہوا ہے، یعنی گناہوں کو بہت زیادہ معاف کرنے والا۔ وہ اپنے بندوں کو یکے بعد دیگرے اپنی مغفرت اور بخشش سے نوازتا ہے۔ ہم ہر قدم پر اس کی مغفرت اور بخشش کے محتاج ہیں، اس لئے کہ ہم سے بڑی تعداد میں گناہ سرزد ہوتے ہیں۔

کبھی ہمارے اوپر گناہوں کا غلبہ ہو جاتا ہے، کبھی گناہ ہمیں اپنی طرف کھینچتے ہیں اور کبھی ہم گناہوں کے طلبگار بن کر اس کے پیچھے دوڑتے ہیں۔ ہم جس قدر بھی گناہوں سے راہ فرار اختیار کریں بالآخر ہم اس کی طرف پلٹ کر آتے ہیں۔ یہ ایک بشری کمزوری ہے جسے ہماری جبلت و فطرت کا حصہ بنا دیا گیا ہے۔ قرآن مجید کی اس آیت میں اس کی تصویر کشی کی گئی ہے: ﴿وَخُلِقَ ٱلْإِنسَٰنُ ضَعِيفًا ﴿٢٨﴾﴾ [سورة النساء:28].

(ترجمہ: انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے۔)

بندہ اپنی ہمت و حوصلہ کے اعتبار سے کمزور ہے، وہ صبر و برداشت کے اعتبار سے کمزور ہے، وہ عزم و ارادہ کے اعتبار سے کمزور ہے اور وہ اپنی خواہشات اور چاہتوں کے سامنے بھی کمزور پڑ جاتا ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "بیشک ایک بندہ گناہ کر بیٹھتا ہے یا فرمایا: اس سے کوئی گناہ سرزد ہو جاتا ہے تو وہ کہتا ہے: اے میرے رب! میں گناہ کر بیٹھا ہوں یا کہتا

ہے: مجھ سے ایک گناہ سرزد ہو گیا ہے، تو میرے گناہ کو معاف کر دے۔ اس کا رب کہتا ہے: کیا میرے بندہ کو یہ معلوم ہے کہ اس کا ایک رب ہے جو گناہ کو معاف کرتا ہے یا اس پر مواخذہ کرتا ہے؟ میں نے اپنے بندہ کو بخش دیا۔ اللہ جب تک چاہتا ہے وہ اسی حال میں رہتا ہے پھر وہ ایک گناہ کا ارتکاب کر بیٹھتا ہے یا اس سے ایک گناہ سرزد ہو جاتا ہے تو وہ بندہ کہتا ہے: اے میرے رب! میں نے ایک گناہ کر لیا یا مجھ سے ایک دوسرا گناہ سرزد ہو گیا، تو اسے معاف کر دے، اللہ تعالیٰ کہتا ہے: کیا میرے بندہ کو یہ علم ہے کہ اس کا ایک رب ہے جو گناہ کو معاف کرتا ہے یا اس پر مواخذہ کرتا ہے؟ میں نے اپنے بندہ کو معاف کر دیا، پھر اللہ تعالیٰ جب تک چاہتا ہے بندہ اسی حال میں رہتا ہے، پھر اس سے ایک گناہ ہو جاتا ہے یا فرمایا: وہ ایک گناہ کا ارتکاب کر لیتا ہے، بندہ کہتا ہے: اے میرے رب! مجھ سے ایک گناہ ہو گیا یا کہتا ہے کہ میں ایک دوسرا گناہ کر بیٹھا ہوں تو میرے اس گناہ کو معاف کر دے، رب تعالیٰ کہتا ہے: کیا میرے بندہ کو یہ علم ہے کہ اس کا ایک رب ہے جو گناہ کو معاف کرتا ہے یا اس پر مواخذہ کرتا ہے؟ میں نے اپنے بندہ کو تیسری مرتبہ بھی معاف کر دیا، اب وہ جو چاہے کرے۔"[1]

کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ بندہ کے لئے گناہ کا دروازہ چوپٹ کھول دیا گیا ہے؟

یقیناً، نہیں!

اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ جب بھی ہم گناہ کرتے ہیں، پھر اس کے بعد توبہ کرتے ہیں... پھر رب کی طرف رجوع کرتے ہیں.... پھر اس سے مغفرت طلب کرتے ہیں تو ہم اس کی

---

[1] صحیح بخاری

مغفرت اور بخشش سے ہر گز محروم نہیں ہوتے ہیں، اس لئے کہ اس کی ذات غفور یعنی بار بار اور بکثرت گناہوں کو معاف کرنے والی ہے۔

دوسرا معنی: پردہ پوشی ہے، اس اعتبار سے غَفَرَ بمعنی سَتَرَ ہے۔

سر میں پہنے جانے والے "مِغْفَر" کو مغفر اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ سر کو چھپا دیتا ہے اور اسے ڈھک دیتا ہے۔

بڑے مجمع کو "جمع غفیر" اس لئے کہا جاتا ہے کہ لوگ ایک دوسرے کو چھپا دیتے ہیں۔

اللہ کے حق میں اس کا مفہوم

اللہ تعالیٰ "غفور" ہے وہ آپ کی پردہ پوشی کرتا ہے.... وہ آپ کے گناہوں کی پردہ پوشی کرتا ہے.... وہ آپ کے عیوب کی پردہ پوشی کرتا ہے.... وہ شرمندگی اور فضیحت سے آپ کی پردہ پوشی کرتا ہے.... وہ دشمنوں کی شماتت (خوش ہونے) سے آپ کی حفاظت کرتا ہے.... وہ ایذاء پہنچانے والوں کی ایذاء رسانی سے آپ کو بچاتا ہے...!

پردہ پوشی اللہ عزوجل کی ایک نعمت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَأَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهُۥ ظَٰهِرَةً وَبَاطِنَةً﴾ [سورة لقمان: 20].

(ترجمہ: اور تمہیں اپنی ظاہری و باطنی نعمتیں بھرپور دے رکھی ہیں۔)

ضحاک بن مزاحم کہتے ہیں: "اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ظاہری نعمت اسلام اور قرآن ہے اور اس کی باطنی نعمت یہ ہے کہ اس نے تمہارے گناہوں کی پردہ پوشی کی ہے جس کی وجہ سے کوئی تمہارے گناہوں سے واقف نہیں ہو پاتا ہے۔"

کتنے ایسے گناہ ہے جن کا ہم ارتکاب کرتے ہیں، پھر اس میں ڈوب جاتے ہیں اور اس میں لت پت ہو جاتے ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ ہمارا اس طرح گناہوں میں ملوث رہنا اللہ کے غیض وغضب کو بھڑکاتا ہے تو ہم اللہ سے پردہ پوشی کی درخواست کرتے ہیں اور وہ ہمارے گناہوں کو چھپا دیتا ہے۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اس گناہ پر سالہا سال گزر جاتے ہیں لیکن ہمارے قریب ترین شخص کو بھی اس کی بھنک نہیں لگ پاتی۔ یہ اللہ تعالیٰ کی پردہ پوشی ہے جس کے ذریعہ وہ ہمیں رسوائی و فضیحت سے بچاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے زیادہ بندوں کی پردہ پوشی کرنے والی کوئی دوسری ذات نہیں ہے...!

☆ اللہ تعالیٰ کو یہ بات پسند ہے کہ بندہ خود اپنے گناہوں اور عیوب و نقائص کی پردہ پوشی کرے، چاہے اس سے جیسی بھی خطا یا لغزش کا صدور ہو جائے، وہ لوگوں کے سامنے اسے بیان کرکے اپنی رسوائی و فضیحت کا سامان نہ کرے...!

ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور اس نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں نے مدینہ کے آخری سرے پر ایک عورت کا علاج کیا تھا، میں اس کے ساتھ گناہ میں ملوث ہو گیا، لیکن میں نے اس کے ساتھ مباشرت نہیں کی۔ اب میں آپ کے سامنے حاضر ہوا ہوں، آپ جو چاہیں میرے حق میں فیصلہ صادر فرمائیں۔ یہ سن کر عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ تعالیٰ نے تمہارے اس گناہ پر پردہ ڈال دیا تھا، اگر تم بھی اپنی پردہ پوشی کر لیتے تو یہ بہتر ہوتا۔" [1] اس موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے۔ اور آپ کی خاموشی اس بات کی دلیل تھی کہ عمر رضی اللہ عنہ کی بات درست تھی۔

---

[1] صحیح بخاری، کتاب التوبۃ، حدیث نمبر (۲۷۶۳)

☆ایک مسلمان خاتون سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئی، اس سے ایک گناہ کا صدور ہو گیا تھا جس کے بارے میں اس نے عائشہ رضی اللہ عنہا کو بتا دیا۔ عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس موقع پر کہا تھا: "اے مومنوں کی عورتو! جب تم میں سے کسی سے کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو اسے اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرنی چاہیے اور اپنے گناہ سے توبہ کرنی چاہیے۔ اسے اپنے گناہ کے بارے میں کسی کو بتانے کی کوشش نہیں کرنی چاہیے، اس لئے کہ بندے ایک دوسرے کو عار دلاتے ہیں اور شرمندہ کرتے ہیں لیکن وہ برائی کو اچھائی سے نہیں بدلتے ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ کا معاملہ یہ ہے کہ وہ بندہ کو توبہ و استغفار کی توفیق دے کر اس کی برائی کو اچھائی سے بدل دیتا ہے اور اسے شرمندہ نہیں کرتا ہے"۔ [1]

☆ماعز بن مالک رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! مجھے پاک کر دیجئے، آپ نے فرمایا: تمہارا بھلا ہو، تم واپس جاؤ اور اللہ تعالیٰ سے توبہ و استغفار کرو، راوی کہتے ہیں: وہ واپس چلے گئے اور کچھ دور جا کر پھر واپس آ گئے اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! مجھے پاک کر دیجئے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تمہارا بھلا ہو، تم واپس چلے جاؤ اور اللہ تعالیٰ سے توبہ و استغفار کرو"۔ راوی کہتے ہیں: وہ کچھ دور جا کر پھر واپس آ گئے اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! مجھے پاک کر دیجئے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تیسری مرتبہ بھی انہیں واپس جا کر توبہ و استغفار کرنے کا حکم دیا، یہاں تک کہ جب انہوں نے چوتھی مرتبہ پاک کر دینے کی درخواست کی تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: "میں کس گناہ سے تم کو پاک کروں؟" انہوں نے عرض کیا: زنا سے پاک کر دیجئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: "اسے جنون کا اثر تو نہیں ہے؟" آپ کو بتایا گیا کہ یہ

---

[1] خرائطی کی المنتقی من مکارم الاخلاق، ص۱۰۲

شخص پاگل نہیں ہے، آپ نے دریافت فرمایا: "اس نے شراب تو نہیں پی لی ہے؟" ایک شخص کھڑے ہوئے اور ان کا منہ سونگھا تو انہیں شراب کی بو محسوس نہیں ہوئی، راوی کہتے ہیں: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: "کیا تم سے زنا کا صدور ہوا ہے؟" انہوں نے کہا: ہاں، تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں سنگسار کرنے کا حکم صادر فرمایا۔ چنانچہ انہیں سنگسار کر دیا گیا۔ [1]

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلی، دوسری اور تیسری مرتبہ اعراض فرمانے سے پتہ چلتا ہے کہ بہتر یہ ہے کہ بندہ خود اپنے گناہ کی پردہ پوشی کرے اور جب تک اللہ نے اس کے گناہ پر پردہ ڈال رکھا ہے وہ کسی دوسرے کے سامنے اپنے گناہ کا پردہ فاش نہ کرے۔

ابن عبد البر کا قول ہے: "اللہ تعالیٰ اس قوم کو ہلاک نہیں کرتا جبکہ وہ اپنے گناہوں کی پردہ پوشی کرتی ہو"۔ ابن عبد البر رحمہ اللہ کے اس کلام کا مطلب گناہ کے معاملہ میں سہل پسندی اور لاپروائی نہیں ہے، بلکہ ان کا اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ گناہ کی پردہ پوشی کرنے والا بندہ اس گناہ کی وجہ سے اپنے رب سے، اپنے آپ سے اور لوگوں سے شرمندگی محسوس کرتا ہے اور یہ اس بات کی علامت ہے کہ اس کے سینہ میں ایمان اور حیا کی چنگاری ابھی موجود ہے، اسی لئے اسے علانیہ گناہ کا ارتکاب یا اللہ کے سامنے گناہ پر ڈھٹائی پسند نہیں ہے۔

وہ گناہ کرتے وقت اس سے انسیت اور لذت تو محسوس کرتا ہے، لیکن اسی کے ساتھ وہ گناہ کے ارتکاب کے بعد دل میں کڑھن بھی محسوس کرتا ہے، وہ یہ تمنا رکھتا ہے کہ اس کے دل سے گناہ کا یہ اثر زائل ہو جائے اور وہ گناہ کی خلش وچبھن سے نجات پا جائے۔ گناہ کرنے کے بعد دل میں

---

[1] صحیح مسلم، کتاب الحدود، حدیث نمبر (۱۶۹۵)

اسے برا سمجھنا اور اس سے گھن محسوس کرنا بیکار و بے حیثیت نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کی قیمت اور اہمیت ہے۔ یہ بندے کا مجاہدہ ہے، گناہ سے نبرد آزمائی اور اس پر غلبہ پانے کی کوشش ہے اور گناہ کے ساتھ کشمکش کی صورتحال میں صبر کا اظہار ہے۔ نفس کا یہ مجاہدہ ایک عبادت ہے جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہے۔ یہ دل میں صداقت اور ایمان کی رمق باقی ہونے کی علامت ہے۔ جب انسان دیر تک اس کیفیت پر باقی رہتا ہے تو اسے اللہ کی طرف سے توبہ کی توفیق حاصل ہوتی ہے۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک لمحہ کو دل میں اللہ سے حیا و شرمندگی کا احساس بندہ کے لئے ہدایت کا سبب بن جاتا ہے۔ "جب آپ تنہائی میں اللہ کی عظمت کا احساس زندہ رکھیں گے تو اللہ تعالیٰ لوگوں کی بھیڑ میں آپ کی رہنمائی کرے گا اور آپ کو راہ ہدایت پر گامزن رکھے گا۔"

گناہوں کی پردہ پوشی انسان کو اس زمرہ میں شامل کر دیتی ہے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿خَلَطُوا۟ عَمَلًا صَٰلِحًا وَءَاخَرَ سَيِّئًا عَسَى ٱللَّهُ أَن يَتُوبَ عَلَيْهِمْ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿١٠٢﴾﴾ [سورة التوبة: 102].

(ترجمہ: انہوں نے ملے جلے عمل کیے تھے، کچھ بھلے اور کچھ برے، اللہ سے امید ہے کہ ان کی توبہ قبول فرمائے، بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت والا، بڑی رحمت والا ہے۔)

ایک وہ شخص ہے جس کی کیفیت اوپر کی آیت میں بیان کی گئی ہے اور دوسرا وہ شخص ہے جو اپنے گناہوں اور جرائم کو اس طور پر چھپاتا ہے کہ اس کے اندر خباثت، عیاری و مکاری اور گناہ پر اصرار کی کیفیت پائی جاتی ہے۔ اور گناہوں کی محبت ان کے دلوں میں رچ بس گئی ہے، دونوں کے درمیان بہت فرق ہے، کیونکہ ثانی الذکر گناہ کرنے کے بعد دل میں ذرہ برابر تکلیف، خلش، شرمندگی، حیا اور ناپسندیدگی و گھن کی کیفیت محسوس نہیں کرتا ہے، بلکہ وہ ایک قسم کے نفاق

میں مبتلا رہتا ہے۔ ایسے ہی لوگوں کے بارے میں کہا گیا ہے کہ "یہ لوگ جب لوگوں کی نگاہوں سے دور خلوت میں ہوتے ہیں تو بے محابا محارم کا ارتکاب کرتے ہیں۔"

ایک شخص وہ ہے جو خلوت میں ہوتا ہے تو اللہ کی یاد میں یا اللہ کے ڈر سے اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگتا ہے اور دوسرا شخص وہ ہے جو خلوت میں حرام کردہ گناہوں کا ارتکاب کرتا ہے۔ دونوں کے درمیان بہت بڑا اور واضح فرق ہے۔

یہ خلوتیں، یہ تنہائیاں یا تو آپ کو رفعت عطا کرتی ہیں یا آپ کو ذلت و رسوائی کی گہری کھائی میں گرا دیتی ہیں۔

سب سے بڑی اور اہم پردہ پوشی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن انسانوں کے جم غفیر کے سامنے آپ کو رسوائی و فضیحت سے بچالے اور وہاں آپ کے گناہوں پر پردہ ڈال دے۔ اس دن اللہ تعالیٰ اپنے ایک مومن بندہ کو قریب بلائے گا، پھر اپنے سے قریب کرے گا اور تنہائی میں اس سے کہے گا: "اے میرے بندہ! کیا تمہیں یہ گناہ یاد ہے.... تمہیں یہ گناہ یاد ہے.... تمہیں اپنا یہ گناہ یاد ہے۔ بندہ کہے گا: ہاں، اے میرے رب! ہاں، اے میرے رب! وہ اپنے تمام گناہوں کا اقرار کرلے گا، بندہ کو ایسا لگے گا کہ اب اس کی ہلاکت یقینی ہے، تب اللہ تعالیٰ اس سے کہے گا: اے میرے بندہ! میں نے دنیا میں تمہارے ان گناہوں پر پردہ ڈال دیا تھا، میں آج بھی تمہارے ان گناہوں کو معاف کرتا ہوں۔"[1]

وهو الحيي فليس يفضح عبده ... عند التجاهر منه بالعصيان
لكنه يلقي عليه ستره ... فهو الستير وصاحب الغفران

---

[1] صحیح بخاری و صحیح مسلم

(وہ حیاوالا ہے، وہ اپنے بندہ کو اس وقت رسوا نہیں کرتا ہے جب اس سے علانیہ طور پر نافرمانی ہو جاتی ہے۔ لیکن وہ بندہ کے گناہ پر پردہ ڈال دیتا ہے، وہ بندہ کے گناہ کی بہت زیادہ پردہ پوشی کرنے والا اور مغفرت کرنے والا ہے۔)

☆ اللہ تعالیٰ کو یہ پردہ پوشی بھی پسند ہے کہ بندہ اپنے مسلمان بھائی کی غلطیوں، لغزشوں اور کمیوں پر حتی الامکان پردہ ڈالتا رہے، اس لئے کہ "جو کسی مسلمان کی غلطی ولغزش کو چھپائے گا، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی خطاؤں پر پردہ ڈال دے گا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ھزال نامی شخص کی سرزنش کی تھی جس نے ماعز رضی اللہ عنہ کو زنا کے اعتراف کا مشورہ دیا تھا۔ آپ نے ان سے فرمایا تھا: "اگر تم اپنے کپڑے سے اس کے گناہ پر پردہ ڈال دیتے تو یہ تمہارے لئے اس سے بہتر ہوتا جو تم نے کیا۔" یعنی اگر تم اسے یہ نصیحت کرتے کہ وہ اپنے اور رب کے درمیان توبہ واستغفار کو اختیار کرے اور اپنے رب سے اپنے گناہ کو معاف کرالے تو یہ اس کے لئے اعتراف گناہ سے بہتر ہوتا۔

مومن پردہ پوشی کرنے والا اور خیر خواہ ہوتا ہے جبکہ فاجر عزتیں پامال کرتا اور شرمندہ کرتا ہے، العیاذ باللہ۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے بارے میں منقول ہے کہ ان کے پاس ایک شخص کو لایا گیا اور ان کو بتایا گیا کہ یہ فلاں شخص ہے، اس کی داڑھی سے شراب ٹپک رہی ہے۔ یہ شکایت سن کر عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا: ہمیں تجسس اور ٹوہ میں پڑنے سے منع کیا گیا ہے، لیکن ہمارے سامنے کوئی چیز خود بخود ظاہر ہو جائے تو ہم مواخذہ کریں گے۔ [1]

---

[1] سنن ابی داؤد، کتاب الادب، حدیث نمبر (۴۸۹۰)

اس اثر سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ صحابہ کرام کس قدر پردہ پوشی کا خیال رکھنے والے اور ٹوہ لگا کر چھپی ہوئی چیز کو جاننے سے گریز کرنے والے تھے، یہاں تک کہ جب ان کے پاس ایک ایسے شخص کو لایا گیا جس کی داڑھی سے شراب ٹپک رہی تھی، لوگ اسے پکڑ کے لائے تھے جبکہ خود اس نے اپنے گناہ کو چھپایا تھا تو ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس کا مواخذہ نہیں کیا اور نہ اس پر شراب نوشی کی حد جاری کی۔ 1

ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اے وہ لوگ جو زبانی طور پر ایمان لائے ہو اور جن کے دلوں کے اندر ایمان ابھی داخل نہیں ہوا ہے! تم لوگ مسلمانوں کی غیبت نہ کرو اور نہ ان کی پوشیدہ باتوں کو جاننے کی کوشش کرو، جو کسی مسلمان کے پوشیدہ رازوں کے پیچھے پڑے گا، اللہ تعالیٰ اس کے پوشیدہ رازوں کے پیچھے پڑ جائے گا اور اللہ تعالیٰ جس کے رازوں کے پیچھے لگ جائے گا تو وہ اسے اس کے گھر کے اندر رسوا کر دے گا۔" 2

☆ اس حدیث نبوی سے یہ معلوم ہوا کہ مسلمانوں کی پوشیدہ باتوں کے پیچھے لگنا اور کسی ضروری سبب و محرک کے بغیر اس کے چھپے ہوئے رازوں کو جاننے کی کوشش کرنا منافقین کی صفت ہے، اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث کے ابتداء میں یہی فرمایا ہے کہ "اے ان لوگوں کی جماعت جو زبانی طور پر ایمان لائے ہو اور جن کے دل میں ابھی ایمان نہیں داخل ہوا ہے۔"

---

1 الستر على أهل المعاصي، ص۵۵

2 سنن ابی داؤد، کتاب الأدب، حدیث نمبر (۴۸۸۰)

☆ علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے: فحش بات زبان سے نکالنے والا اور جو اس فحش بات کو ادھر ادھر پھیلاتا پھرتا ہے، گناہ کے معاملے میں دونوں برابر ہیں۔ 1 حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ، اللہ تعالیٰ کے ارشاد: ﴿إِنَّ ٱلَّذِينَ يُحِبُّونَ أَن تَشِيعَ ٱلْفَٰحِشَةُ فِى ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ فِى ٱلدُّنْيَا وَٱلْءَاخِرَةِ ۚ وَٱللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿١٩﴾﴾ [سورة النور: 19].

(ترجمہ: جو لوگ مسلمانوں میں بے حیائی پھیلانے کے آرزو مند رہتے ہیں، ان کے لئے دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب ہیں، اللہ سب کچھ جانتا ہے اور تم کچھ بھی نہیں جانتے)

کی تشریح کرتے ہوئے کہتے ہیں: یہ اس شخص کے لئے تادیب ہے جو کوئی بری بات سنے تو اس کے ذہن میں کوئی بات آئے، اسے وہ زبان پر لے آئے تو وہ اسے بار بار زبان پر نہ لائے، نہ اسے پھیلائے۔ 2

☆ پردہ پوشی کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کے عیوب کو لوگوں کی نگاہوں سے چھپالیتا ہے۔

روئے زمین پر اگر کسی بندہ کی تعریف کی گئی ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے عیوب و نقائص کو لوگوں کی نگاہوں سے چھپالیا ہے۔ اللہ تعالیٰ خوبصورت پہلو کو ظاہر کرتا ہے اور ناپسندیدہ و قبیح پہلو کو چھپادیتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں یہ تعلیم دی ہے کہ ہم صبح و شام اس دعا کا اہتمام کریں: "اللهم استُر عَوراتي و آمن روعاتي" (اے اللہ! تو ہمارے عیوب کی پردہ پوشی فرما اور گھبراہٹ و خوف سے ہمیں مامون و محفوظ رکھ) اللہ تعالیٰ کی طرف سے کی

1۔ الأدب المفرد، حدیث نمبر (۳۲۴)، امام بخاری

2۔ تفسیر القرآن العظیم (۳/۳۰۳)

جانے والی اس پردہ پوشی میں بندے کے تمام عیوب و نقائص کی پردہ پوشی شامل ہے۔ سوچئے! ہم اس پردہ پوشی کے کس قدر محتاج ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمارے عیوب اور کمیوں کو لوگوں کی نگاہوں سے چھپا کر رکھے۔

☆ آپ یہ جان لیں کہ آپ کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان جو پردہ ہے، آپ خلوت اور تنہائی کے اوقات میں اس کی جتنی زیادہ حفاظت کریں گے، اللہ تعالیٰ اتنا ہی زیادہ آپ کے اور لوگوں کے درمیان کے پردہ کی حفاظت کرے گا اور آپ کے عیوب کو لوگوں کی نگاہوں سے چھپائے گا۔

☆ پردہ پوشی کی ایک شکل یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو دشمن کی شماتت اور ایذاء رسانی سے بچالیتا ہے۔ جس کی وجہ سے دشمن کو یہ موقع نہیں مل پاتا کہ وہ آپ کو تکلیف پہنچا کر خوشی محسوس کرے۔ بیہقی نے نقل کیا ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، وہاں پر ام جمیل پہنچی، اس کے ہاتھ میں لوہا تھا، اس کی قہر آلود نگاہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تلاش کر رہی تھی، وہ بڑبڑا رہی تھی: محمد نے مجھے گالی دی ہے، محمد نے میری کردار کشی کی ہے، وہ چاہتی تھی کہ اسے محمد مل جائیں تو انہیں ایذاء پہنچائے اور انہیں برا بھلا کہے۔ جب وہ قریب پہنچی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اعراض کر کے ابو بکر رضی اللہ عنہ کو دیکھنے لگی اور ان ہی کو مخاطب کرنے لگی جبکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس ہی بیٹھے ہوئے تھے لیکن اس نے آپ کو مخاطب نہیں کیا اور نہ آپ کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھ سکی۔ اس کے واپس جانے کے بعد ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا: اے اللہ کے رسول! وہ تو آپ سے مخاطب نہیں ہوئی۔ آپ نے فرمایا: "اے ابو بکر! اس نے مجھے دیکھا ہی نہیں، جب میں نے

اسے دیکھا تو یہ آیت تلاوت کی: ﴿وَإِذَا قَرَأْتَ ٱلْقُرْءَانَ جَعَلْنَا بَيْنَكَ وَبَيْنَ ٱلَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِٱلْءَاخِرَةِ حِجَابًا مَّسْتُورًا ﴿٤٥﴾﴾ [سورة الإسراء:45].

(ترجمہ: تو جب قرآن پڑھتا ہے ہم تیرے اور ان لوگوں کے درمیان جو آخرت پر یقین نہیں رکھتے ایک پوشیدہ حجاب ڈال دیتے ہیں۔)

یہ اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے کہ وہ اس دن آپ کی پردہ پوشی کر دے جس دن دشمن آپ کو سب و شتم کر کے اور ایذاء پہنچا کر خوش ہونے کا ارادہ رکھتا ہو، تو اللہ تعالیٰ آپ کی طرف سے اس کا رخ موڑ دے اور اللہ جل جلالہ کے غیبی پردہ کے پیچھے چھپ کر آپ خود کو مامون و محفوظ محسوس کریں۔

اللہ کے نام الغفور کو الودود کے ساتھ ذکر کرنے کی حکمت

قرآن میں آیا ہے: "و هو الغفور الودود" (وہ بہت معاف کرنے والا اور بہت چاہنے والا ہے۔)

مغفرت اور معافی تو گناہوں کی ہوتی ہے اور "ود" کا اطلاق محبت پر ہوتا ہے، تو یہاں مغفرت کا محبت سے کیا تعلق ہے؟ اور جہاں عذاب و تکلیف کا ذکر ہو رہا ہے وہاں پر اللہ کے ان دونوں ناموں کو ایک ساتھ ذکر کرنے کا سبب کیا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ "بہت سے گناہ ایسے ہیں جن کا نام و نشان مٹانے کے لئے سخت ترین نشتر کی ضرورت ہوتی ہے جو انسان کے بگڑے ہوئے زخم کو جب چیرتا ہے تو اس کی وجہ سے شدید تکلیف کا احساس ہوتا ہے، لیکن اس کے بعد زخم ٹھیک ہو جاتا ہے اور انسان راحت محسوس کرتا ہے۔"

اس کا مطلب یہ ہے کہ بہت سے گناہ بذات خود بڑے اور خطرناک زخموں کے مانند ہیں، جن کے اندمال کے لئے جراحی کی ضرورت ہوتی ہے، وہاں ضرورت ہوتی ہے کہ فاسد مادہ کو کاٹ کر الگ کر دیا جائے، وہاں جسم پر چیر الگانے کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ زخم مندمل ہو جائے اور مکمل طور پر شفایابی حاصل ہو جائے۔

بنی اسرائیل کے کچھ لوگوں نے جب بچھڑے کی پرستش کر کے ایک سنگین گناہ کا ارتکاب کیا تھا تو ان کے اس خطرناک جرم کے کفارہ کی کیا شکل بنی تھی؟ اللہ نے انہیں اس گناہ عظیم سے کس طرح پاک کیا تھا؟ سورۃ البقرۃ کی اس آیت میں اس کی پوری وضاحت موجود ہے: ﴿وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِۦ يَٰقَوْمِ إِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ أَنفُسَكُم بِٱتِّخَاذِكُمُ ٱلْعِجْلَ فَتُوبُوٓا۟ إِلَىٰ بَارِئِكُمْ فَٱقْتُلُوٓا۟ أَنفُسَكُمْ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِندَ بَارِئِكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ ۚ إِنَّهُۥ هُوَ ٱلتَّوَّابُ ٱلرَّحِيمُ ﴿٥٤﴾﴾ [سورۃ البقرۃ:54].

(ترجمہ: جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا کہ اے میری قوم! بچھڑے و معبود بنا کر تم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے، اب تم اپنے پیدا کرنے والے کی طرف رجوع کرو، اپنے کو آپس میں قتل کرو، تمہاری بہتری اللہ تعالیٰ کے نزدیک اسی میں ہے، تو اس نے تمہاری توبہ قبول کی، وہ توبہ قبول کرنے والا اور رحم و کرم کرنے والا ہے۔)

عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے اس گناہ عظیم سے پاک کیے جانے کی کاروائی اور ایک دوسرے کو بطور سزا قتل کرنے کے واقعہ کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے: موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کے لوگوں کو بتایا کہ اللہ نے انہیں اپنے آپ کو قتل کرنے کا حکم دیا ہے، یعنی تم لوگوں کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ اس گناہ عظیم کے کفارہ کے لئے تم اپنے بھائیوں کو قتل کرو۔ اس کے بعد بچھڑے کی پرستش کرنے والے قتل ہونے کے لئے بیٹھ گئے اور جن لوگوں نے بچھڑے کی

پرستش نہیں کی تھی وہ اپنے ہاتھوں میں خنجر لے کر گنہگاروں کو قتل کرنے کے لئے تیار ہو گئے، پھر وہ ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگے یہاں تک کہ اس دن ستر ہزار لوگوں کا خون بہہ گیا۔

موسیٰ علیہ السلام نے جب قتل وخونریزی کے اس خوفناک منظر کو دیکھا جبکہ ہر طرف خون کے دھارے بہہ رہے تھے، انسانی اعضاء کٹنے کے بعد ادھر ادھر بکھرے ہوئے تھے اور مقتولین کے مردہ جسموں کا انبار لگا ہوا تھا، تو وہ رونے لگے اور گناہ کو معاف کرنے کے لئے اپنے رب کے سامنے گریہ وزاری کرنے لگے، تب اللہ تعالیٰ نے قتل کی اس سزا کو اٹھایا اور ان لوگوں کی توبہ قبول کی۔

☆ معصیت کا ارتکاب ایک گناہ ہے اور اس معصیت سے محبت دوہرا گناہ ہے۔ بنی اسرائیل کے لوگوں نے بچھڑے کی پرستش کر کے صرف شرک کرنے پر اکتفا نہیں کیا تھا، بلکہ بچھڑے کی محبت ان کے دلوں میں پیوست ہو گئی تھی تو اس گناہ عظیم کے کفارہ کی ایسی صورت سامنے آئی جس میں درد والم بدرجہ اتم موجود تھا۔

بہت سے ایسے گناہ ہیں جو درد والم سے گزرنے کے بعد ہی مٹتے ہیں۔ جب بھی گناہ بڑا ہو گا تو اس کے کفارہ کے لئے سخت ترین درد والم اور شدید ترین آزمائش سے گزرنا ہو گا۔

☆ کعب بن مالک رضی اللہ عنہ ایک مشہور صحابی ہیں، ان سے ایک بڑا گناہ سرزد ہو گیا تھا، لہذا ان کی توبہ کے مراحل بھی تکلیف دہ اور المناک تھے۔

ان کا جرم وگناہ کیا تھا؟

دراصل ہوا یہ تھا کہ وہ غزوۂ تبوک کے موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوہ میں شرکت سے پیچھے رہ گئے تھے جبکہ جہاد کے تعلق سے مومنوں کو اللہ کا یہ حکم ہے کہ ﴿ٱنفِرُواْ خِفَافًا وَثِقَالًا﴾ [سورة التوبة:41].

(ترجمہ: نکل کھڑے ہو جاؤ ہلکے پھلکے ہو تو بھی اور بھاری بھر کم ہو تو بھی)

انہوں نے غزوہ میں شریک نہ ہو کر اللہ اور اس کے رسول کی حکم عدولی کی تھی۔ وہ معذور بھی نہیں تھے کہ ان کا عذر قبول کر لیا جاتا، وہ تو طاقتور نوجوان تھے، ان کے پاس مال و اسباب، سواری اور گھوڑے وغیرہ سب تھے، لیکن اس موقع پر نفسانیت ان پر غالب آگئی تھی، لہذا وہ مدینہ میں بیٹھے رہ گئے اور غزوہ میں شریک نہیں ہو سکے۔

پھر ان کے اس گناہ کا کفارہ کس طرح ادا ہوا؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کے تمام مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے قطع تعلق کر لیں، لہذا صحابہ کرام نے ان کا بائیکاٹ کر دیا۔ مدینہ میں مکمل طور پر ان کا بائیکاٹ ہو گیا۔ کعب رضی اللہ عنہ دل میں یہ تمنا لئے گھومتے تھے کہ کوئی انہیں سلام کرے یا کوئی ان کے سلام کا جواب ہی دے دے، لیکن انہیں مایوسی ہی ہاتھ لگتی۔

لوگوں کی بے رخی سے ہونے والی تکلیف جب حد سے سوا ہو گئی تو وہ ایک دن اپنے چچازاد بھائی ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کی تلاش میں نکلے جو ان کے دل کے بیحد قریب تھے اور حد درجہ ان سے محبت تھی۔ ان کے پاس پہنچے تو ان سے کہا: اے ابو قتادہ! میں اللہ کا واسطہ دے کر تم سے پوچھ رہا ہوں کہ تم تو جانتے ہو نا کہ میں اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہوں؟ ابو قتادہ خاموش رہے، کعب رضی اللہ عنہ نے اپنا سوال دوسری بار دہرایا: اے ابو قتادہ! میں اللہ کا واسطہ دے کر

آپ سے سوال کر رہا ہوں کہ آپ کو تو معلوم ہے کہ میں اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہوں؟ ابو قتادہ دوسری بار بھی خاموش رہے اور کوئی جواب نہیں دیا۔ کعب رضی اللہ عنہ نے تیسری مرتبہ بھی ان کے سامنے یہی سوال دہرایا تو ابو قتادہ رضی اللہ عنہ نے صرف اتنا کہا: اللہ اور اس کے رسول ہی کو اس کا زیادہ علم ہے۔

بھائی کا یہ ٹکا سا جواب کرب و الم سے جوجھ رہے کعب رضی اللہ عنہ کی کمر ہمت کو توڑنے والا تھا کہ کوئی شخص اللہ اور اس کے رسول کے لئے ان کی محبت میں شک کر رہا ہے جبکہ اس لغزش و نافرمانی کے باوجود اللہ اور اس کے رسول کی محبت ان کے دل میں پہلے ہی کی طرح موجود تھی۔ وہ دلجوئی کے یہ کلمات اپنے چچازاد بھائی کی زبان سے سننے کے منتظر تھے، لیکن انہیں یہاں بھی مایوسی ہی ہاتھ لگی۔

کرب و الم کا سلسلہ یہیں ختم نہیں ہوا۔ تکلیف و آزمائش کا تیسرا دور اس طرح شروع ہوا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے عوامی قطع تعلقی کے چالیس دن گزار لینے کے بعد اب اپنی بیوی سے علاحدگی اختیار کرنے کا حکم دیا۔ اب گھر سے باہر اور گھر کے اندر ہر جگہ بائیکاٹ اور بے رخی کا سامنا تھا۔ انہوں نے اپنی اہلیہ سے کہا: تم میکے چلی جاؤ، اور وہیں رہو، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ میرے اس معاملے میں کوئی فیصلہ صادر فرمادے۔

اس کے بعد ابتلاء و آزمائش و آلام کا چوتھا دور بھی آیا جو زیادہ سخت اور ایمان و عقیدہ کی آزمائش کے اعتبار سے بہت نازک مرحلہ تھا۔ وہ آزمائش یہ تھی کہ غسان کے نصرانی بادشاہ نے ان کے پاس ایک مکتوب بھیج کر ان کے ایمان و عقیدہ کا سودا کرنے کی کوشش کی، اس خط میں لکھا تھا: ہمیں پتہ چلا ہے کہ تمہارے دوست نے تمہارے ساتھ زیادتی و بے رخی کا سلوک روا رکھا ہے، تم ہمارے پاس آجاؤ، ہم تمہاری آؤ بھگت کریں گے۔ اس مکتوب میں ایک کافر کی طرف سے

کھلی دعوت تھی کہ تم اس شخص کو ہمیشہ کے لئے خدا حافظ کہہ دو جس کی تم اتباع کرتے ہو اور جس کے ایک اشارے پر اپنی جان قربان کرنے کے لئے تیار رہتے ہو۔ تم اس دین کو خیر باد کہہ دو جس کی اتباع میں تمہیں دنیا و آخرت کی سر فرازی نظر آتی ہے۔ تم میرے پاس آجاؤ، جہاں تمہاری قدر و منزلت ہو گی اور رتبہ و وجاہت سب حاصل ہو گا۔ کعب رضی اللہ عنہ کے لئے ایمان و عقیدہ کی یہ بہت بڑی آزمائش تھی، لیکن توفیق الٰہی ان کے شامل حال تھی، لہذا وہ اس سخت امتحان میں بھی کامیاب ہو گئے اور دعوت ارتداد پر مشتمل اس خط کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے نذر آتش کر دیا۔

اس سخت ترین آزمائش سے گزرتے ہوئے پچاس دن بیت گئے۔ وہ اندرونی طور پر تکلیف اور الم سے چور چور تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی ناگفتہ بہ حالت اور اس غزوہ سے پیچھے رہ جانے والے ان کے دو دیگر مومن ساتھیوں کی کیفیت کو اس آیت کریمہ میں بیان کر دیا ہے: ﴿وَعَلَى ٱلثَّلَٰثَةِ ٱلَّذِينَ خُلِّفُوا۟ حَتَّىٰٓ إِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ ٱلْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ أَنفُسُهُمْ وَظَنُّوٓا۟ أَن لَّا مَلْجَأَ مِنَ ٱللَّهِ إِلَّآ إِلَيْهِ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوبُوٓا۟ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ هُوَ ٱلتَّوَّابُ ٱلرَّحِيمُ ﴿١١٨﴾﴾ [سورۃ التوبۃ:118].

(ترجمہ: اور تین شخصوں کے حال پر بھی جن کا معاملہ ملتوی چھوڑ دیا گیا تھا، یہاں تک کہ جب زمین باوجود اپنی فراخی کے ان پر تنگ ہونے لگی اور وہ خود اپنی جان سے تنگ آ گئے اور انہوں نے سمجھ لیا کہ اللہ سے کہیں پناہ نہیں مل سکتی بجز اس کے کہ اسی کی طرف رجوع کیا جائے، پھر ان کے حال پر توجہ فرمائی تاکہ وہ آئندہ بھی توبہ کر سکیں، بیشک اللہ تعالیٰ بہت توبہ قبول کرنے والا بڑا رحم والا ہے۔)

دنیا کی ہر چیز ان پر تنگ ہو گئی تھی، ان کی زندگی کی ہر چیز ان کے لئے بدل گئی تھی، ہر چیز ان کے لئے تلخی کے رنگ میں رنگ گئی تھی۔ پھر پچاس دنوں کی سخت آزمائش سے گزرنے کے بعد ان کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے کشادگی آ گئی۔ ایک اعلان کرنے والی آواز کعب رضی اللہ عنہ کے پردۂ سماعت سے ٹکرائی: اے کعب بن مالک! آپ کے لئے خوشخبری ہے۔ اس عظیم بشارت کو سننے کے بعد کعب رضی اللہ عنہ سجدہ میں گر گئے، انہیں یقین ہو گیا کہ واقعی کشادگی کے اچھے دن آ گئے ہیں۔ پھر انہوں نے زبان رسالت سے خوشخبری کے یہ دلآویز کلمات سنے: "اے کعب! تمہارے لئے بشارت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری توبہ قبول کر لی ہے۔" یہ عبرتناک سچا واقعہ اس بات کی دلیل ہے کہ تکلیف والم سے گزرنے کے بعد ہی گناہوں کا کفارہ ادا ہو پاتا ہے۔

بندہ رب کی مغفرت و بخشش کو پانے کے لئے تکلیف والم کی تلخی کا مزہ جب چکھ رہا ہوتا ہے تو اس تلخی پر بھی اللہ عزوجل کی محبت کا غلاف چڑھا ہوتا ہے، یعنی بندہ کو آزمائش کی بھٹی میں تپانے کے پس پردہ بھی رب تعالیٰ کی محبت و عنایت کارفرما ہوتی ہے تاکہ وہ کندن بن کر نکلے۔

آزمائش تکلیف دہ ضرور ہوتی ہے لیکن یہ انسان کی روح کو آلائش سے پاک کر دیتی ہے، اس الم اور تکلیف میں روحانی تزکیہ و تطہیر اور درجات کی بلندی کا سامان ہوتا ہے۔ یہ تکلیف محبت و مودت کے غلاف میں لپٹی ہوتی ہے۔

ابتلاء و آزمائش کے دوران یہ عقیدہ انسان کے لئے سامان راحت بنتا ہے کہ یہ دراصل اللہ پاک کی محبت ہے اور اس نے گناہوں کی آلائش و گندگی سے پاک کرنے کے لئے یہ آزمائش بھیجی ہے۔ اللہ پاک کے دو اسمائے حسنیٰ الغفور اور الودود کو ایک ساتھ ذکر کرنے کی یہی حکمت ہے۔

اللہ کا نام "العلیم" جل جلالہ

و هو العليم أحاط علما بالذي — في الكون من سر و إعلان
و بكل شيء علمه سبحانه — فهو المحيط و ليس ذا نسيان
و هو العليم بما يوسوس عبده — في نفسه من غير نطق لسان
بل يستوي في علمه الداني مع — القاصي و ذو الإسرار و الإعلان
و كذاک يعلم ما يكون غدا — و ما قد كان و الموجود في ذا الآن
و كذاک أمر لم يكن لو كان — كيف يكون ذاک الأمر ذا إمكان

(اللہ پاک کی ذات علیم یعنی ہر چیز کو جاننے والی ہے، کائنات کی ہر عیاں و پوشیدہ چیز کو اس کا علم احاطہ کیے ہوئے ہے۔ اس کے پاس ہر چیز کا علم ہے، وہ اپنے علم کے ذریعہ ہر چیز کا احاطہ کرنے والا ہے، اس سے بھول چوک بھی نہیں ہوتی ہے۔ بندہ کے دل میں نطق و تکلم کے بغیر جو خیال اور وسوسہ پیدا ہوتا ہے، اللہ پاک اس کی بھی خبر رکھتا ہے۔ قریب و بعید اور پوشیدہ و عیاں، اس کے دائرہ علم میں سب برابر ہے۔ کل کیا ہوگا، ماضی میں کیا ہوا اور ابھی کیا چل رہا ہے، وہ ہر چیز سے باخبر ہے۔ اسی طرح کوئی بات جو ابھی پیش نہیں آئی، اگر پیش آتی تو ممکنہ طور پر اس کی کیا شکل و ھیئت ہوتی، ساری تفصیل اس کے علم و حکمت کے خزانے میں موجود ہے۔

2۔ ☆ اللہ تعالیٰ کا نام "العلیم" قرآن مجید میں تقریباً ایک سو پچھتر مرتبہ آیا ہے۔ اللہ پاک نے اپنے علم کی وسعت کا تذکرہ کرکے اپنی تعریف کی ہے۔ وہ آسمانوں و زمین اور خشکی و تری کے ایک ایک ذرہ کا علم رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ وَعِندَهُۥ مَفَاتِحُ ٱلۡغَيۡبِ لَا يَعۡلَمُهَآ إِلَّا هُوَۚ وَيَعۡلَمُ مَا فِي ٱلۡبَرِّ وَٱلۡبَحۡرِۚ وَمَا تَسۡقُطُ مِن وَرَقَةٍ إِلَّا يَعۡلَمُهَا وَلَا حَبَّةٖ فِي ظُلُمَٰتِ ٱلۡأَرۡضِ وَلَا رَطۡبٖ وَلَا يَابِسٍ إِلَّا فِي كِتَٰبٖ مُّبِينٖ ٥٩ ﴾ [سورة الأنعام:59].

(ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ ہی کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں، ان کو بجز اللہ کے کوئی نہیں جانتا ہے۔ اور وہ تمام چیزوں کو جانتا ہے جو کچھ خشکی میں ہیں اور جو کچھ دریاؤں میں ہیں اور کوئی پتا نہیں گرتا مگر

وہ اس کو بھی جانتا ہے اور کوئی دانہ زمین کے تاریک حصوں میں نہیں پڑتا اور نہ کوئی تر اور نہ کوئی خشک چیز گرتی ہے مگر یہ سب کتاب مبین میں ہیں۔)

زمین اور آسمانوں کا ایک ایک ذرہ، سمندروں اور پہاڑوں کی تہوں میں موجود ایک ایک پوشیدہ چیز اس کے دائرہ علم میں ہے، وہ درختوں کی شاخوں سے ایک ایک پتا کے جدا ہونے کی خبر رکھتا ہے، ایک ذرہ بھی اس کی اجازت کے بغیر ادھر سے ادھر نہیں ہوتا ہے۔ دلوں کے پردے پر نہایت خاموشی سے ابھرنے والے خیالات و افکار سے بھی وہ واقف ہوتا ہے، پوشیدہ ترین باتیں بھی اس کے دائرۂ علم سے باہر نہیں ہیں، وہ ماضی کے احوال سے بھی واقف ہے اور مستقبل کے رازہائے سربستہ کو بھی جانتا ہے، زمین کی تاریکیوں میں موجود دانہ، خشک و تر اور ساکن و متحرک ایک ایک چیز کی حقیقت حال سے وہ آگاہ ہے۔

ابتداء آفرینش سے لے کر قیامت تک کے علوم انسانی کو اگر جمع کر دیا جائے اور اللہ پاک کے علم سے اس کا موازنہ کیا جائے تو اللہ کے بے پناہ اور اتھاہ علم کے سامنے سارے انسانوں کے علوم و آگہی اپنی حیثیت و حقیقت کھو کر ایسا ذرۂ بے مقدار و بے قیمت نظر آئیں گے کہ جیسے ان کا کوئی وجود ہی نہیں ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد بھی ہے: ﴿وَمَآ أُوتِيتُم مِّنَ ٱلْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا﴾ [سورة الإسراء:85].

(ترجمہ: اور تمہیں بہت ہی کم علم دیا گیا ہے۔)

قصۂ موسیٰ و خضر (علیہما السلام) کے ضمن میں عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث بھی اسی حقیقت کی طرف اشارہ کر رہی ہے: "جب موسیٰ و خضر علیہما السلام ایک کشتی میں سوار ہوئے اور کشتی سمندر میں چلنے لگی تو ایک چڑیا کشتی کے کنارہ آکر بیٹھی اور اس نے سمندر کے پانی میں ایک یا دو مرتبہ چونچ مارا، اس منظر کو دیکھ کر خضر نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا: اے موسیٰ! میرے

پاس اور تمہارے پاس جو علم ہے اس سے اللہ پاک کے علم میں صرف اتنی سی کمی ہوئی جتنی اس گوریا کے سمندر کے اتھاہ پانی میں چونچ مارنے سے سمندر کے اندر کمی ہوئی ہے۔"

3۔ ☆ اللہ تعالیٰ کے علم کا دائرہ اس قدر وسیع ہے اور اس کی تخلیق و کاریگری کے عجائبات اور اس کی عظمت و جلالت شان کے مظاہر اتنے بے شمار ہیں کہ اگر ان کو لکھنے کے لئے سات سمندروں کے پانی کو بطور روشنائی اور روئے زمین کے تمام درختوں کو بطور قلم استعمال کیا جائے تو اللہ کے کلمات کے ختم ہونے سے پہلے ہی یہ سارے ذخائر ختم ہو جائیں گے اور اس کے علم و حکمت کو حیطۂ تحریر میں لانے کے لئے ناکافی ثابت ہوں گے۔ 1

4۔ اللہ تعالیٰ کے نام "العلیم" کے اثرات بندہ کی زندگی پر

1۔ اللہ پاک کے نام "العلیم" کی حقیقت سے ضروری واقفیت کے بعد بندہ کے اندر اللہ کے لئے تواضع اختیار کرنے کی صفت پیدا ہونی چاہیے اور اسے کبر و خود پسندی کے پودے کو اپنی ذات سے اکھاڑ پھینکنا چاہیے۔

انسان علم کے چاہے جس معیار پر پہنچ جائے، وہ علم و فن کے نام پر چاہے جو کچھ بھی حاصل کر لے، اللہ پاک کے علم کے سامنے اس کا علم ایک حقیر ذرہ کے برابر بھی نہیں ہے اور وہ اللہ کے اس فرمان کے دائرہ سے بھی باہر نہیں نکل سکتا ہے: ﴿وَمَآ أُوتِيتُم مِّنَ ٱلْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا ﴿٨٥﴾﴾ [سورة الإسراء:85].

(ترجمہ: اور تمہیں بہت ہی کم علم دیا گیا ہے۔)

---

1 المرتبع الأسنی، ص۴۰۷

انسان کے پاس جو کچھ بھی علم ہے وہ اللہ کا عطیہ اور اس کی نوازش ہے۔ اللہ چاہے تو کسی انسان کو علم سے محروم کر دے اور وہ حصول علم پر قادر ہی نہ ہو سکے اور نہ سیکھنے سکھانے کے قابل رہ جائے جیسا کہ اللہ عزوجل نے بنی اسرائیل کے ایک عالم کے ساتھ کیا تھا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَٱتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ ٱلَّذِىٓ ءَاتَيْنَٰهُ ءَايَٰتِنَا فَٱنسَلَخَ مِنْهَا فَأَتْبَعَهُ ٱلشَّيْطَٰنُ فَكَانَ مِنَ ٱلْغَاوِينَ ﴿١٧٥﴾﴾ [سورة الأعراف:175].

(ترجمہ: اور ان لوگوں کو اس شخص کا حال پڑھ کر سنایئے جسے ہم نے اپنی آیتیں دیں، پھر وہ ان سے بالکل ہی نکل گیا، پھر شیطان اس کے پیچھے لگ گیا سو وہ گمراہ لوگوں میں شامل ہو گیا۔)

اگر بندہ کو اس آیت کی فہم حاصل ہو جائے تو وہ ہر لمحہ خود کو اللہ کے سامنے مجبور و محتاج بنا کر پیش کرے اور ہمیشہ اللہ کے سامنے علم نافع کے لئے اپنا دست سوال دراز رکھے جیسا کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا حال تھا کہ وہ لوگوں کی نگاہوں سے دور سنسان جگہوں پر چلے جاتے تھے اور وہاں ایک مجبور و محتاج کی طرح رب کے سامنے خود کو ڈال دیتے تھے اور الحاح و اصرار کے ساتھ دعا کرتے رہتے تھے "اللهم يا معلّمَ إبراهيمَ و آدمَ علِّمني و يا مُفَهِّمَ سليمانَ فَهِّمني" (اے ابراہیم و آدم کو علم سکھانے والے تو مجھے بھی علم عطا کر دے، اے سلیمان کو فہم و فراست سے نوازنے والے مجھے بھی فہم و فراست عطا کر دے۔) فرشتے جو انسانوں سے علم و فہم میں بہر حال بہت آگے ہیں، وہ جو کائنات کے بہت سے ایسے رازوں سے واقف ہیں جہاں تک ابھی انسان کی رسائی نہیں ہو سکی ہے، وہ فرشتے اللہ پاک کے علم کی عظمت کا ان الفاظ میں اقرار کرتے ہیں:

﴿قَالُوا۟ سُبْحَٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ إِلَّا مَا عَلَّمْتَنَآ ۖ إِنَّكَ أَنتَ ٱلْعَلِيمُ ٱلْحَكِيمُ ﴿٣٢﴾﴾ [سورة البقرة:32].

(ترجمہ: فرشتوں نے کہا: اے اللہ! تیری ذات پاک ہے، ہمیں تو صرف اتنا ہی علم ہے جتنا تو نے ہمیں سکھا رکھا ہے، پورے علم و حکمت والا تو تو ہی ہے۔)

ہر گز علم تک آپ کی رسائی نہیں ہو سکتی ہے مگر جب اللہ پاک آپ کو اس نعمت سے نواز دے۔

2۔ اللہ پاک کے نام "العلیم" کے دل میں استحضار کی وجہ سے اللہ تعالیٰ سے حیا پیدا ہوتی ہے۔ جب بندہ کو معلوم ہو جاتا ہے کہ دل کے اندر کی باتوں اور دل کے پردہ پر ابھرنے والے خیالات کو بھی اللہ جانتا ہے اور جب اسے یہ احساس ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے دل کے رازوں، بھیدوں اور ان برے خیالات سے بھی واقف ہو جاتا ہے جسے وہ اپنے قریب ترین لوگوں سے بھی چھپا کر رکھتا ہے جیسا کہ اللہ پاک کا ارشاد ہے: ﴿وَٱعْلَمُوٓاْ أَنَّ ٱللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِيٓ أَنفُسِكُمْ فَٱحْذَرُوهُ﴾ [سورة البقرة:235].

(ترجمہ: جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ کو تمہارے دلوں کی باتوں کا بھی علم ہے، تم اس سے خوف کھاتے رہا کرو۔)

☆ جب بندہ کو ان باتوں کا استحضار رہتا ہے تو اسے اللہ کے سامنے اس بات سے شرمندگی محسوس ہوتی ہے کہ جب وہ اس کے دل پر نگاہ ڈالے تو اسے حرام میں مشغول پائے یا اسے ایسے بیکار خیالات میں مشغول پائے جس کا کوئی فائدہ نہ ہو۔ اس سے علم، بصیرت، عقل اور وقت کی برکت مٹ جاتی ہے۔

☆ پھر اسے اس بات سے شرمندگی محسوس ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ جب اس کے دل کی طرف نظر اٹھا کر دیکھے تو اسے آفات اور بیماریوں کی آماجگاہ پائے۔ کچھ انسانی قلوب تاریک غاروں کی

طرح ہوتے ہیں جن میں بھیڑیوں کی چیخ و پکار گونجتی رہتی ہے، کیونکہ وہ ہر قسم کی آلائش، گندگی، بغض و کینے اور تکبر و خود پسندی سے بھرے ہوتے ہیں۔

☆ پھر اسے تنہائیوں میں اللہ کی نافرمانی کرنے سے شرمندگی محسوس ہوتی ہے، اس لئے کہ اگر وہ تنہائی میں برے خیالات سے نہیں بچتا ہے تو اس کا شمار ان لوگوں میں ہوگا جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ يَسْتَخْفُونَ مِنَ ٱلنَّاسِ وَلَا يَسْتَخْفُونَ مِنَ ٱللَّهِ وَهُوَ مَعَهُمْ إِذْ يُبَيِّتُونَ مَا لَا يَرْضَىٰ مِنَ ٱلْقَوْلِ ۚ وَكَانَ ٱللَّهُ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطًا ﴿١٠٨﴾﴾ [سورة النساء:108].

(ترجمہ: وہ لوگوں سے تو چھپ جاتے ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ سے نہیں چھپ سکتے، وہ راتوں کے وقت جبکہ اللہ کی ناپسندیدہ باتوں کے خفیہ مشورے کرتے ہیں اس وقت بھی اللہ ان کے پاس ہوتا ہے، ان کے تمام اعمال کو وہ گھیرے ہوئے ہے۔)

پھر وہ اللہ کی اس ہمہ وقت کی نگرانی کو اپنی زندگی میں اہمیت دیتا ہے اور اس کا لحاظ کرتا ہے۔ پھر وہ پوری کوشش کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے ایسی جگہ یا ایسی حالت وھیئت میں نہ دیکھے جو اس کی ناخوشی کا باعث ہو اور اس کی وجہ سے وہ اللہ کی نظر سے گر جائے۔ تنہائی میں کیے گئے گناہ بندہ کو اللہ کی نظر میں حقیر و بے وقعت بنا دیتے ہیں۔ ابن الجوزی کہتے ہیں: میں نے علم سے انتساب رکھنے والے بہت سے لوگوں کو دیکھا ہے جنہوں نے اس بات کو نظر انداز کر دیا کہ وہ خلوتوں میں جو کچھ کرتے ہیں اس پر بھی اللہ کی نظر ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے بیچ اچھے اور بھلے انداز میں ان کا ذکر خیر ہونے سے انہیں محروم کر دیا، وہ لوگوں کے بیچ موجود بھی ہوتے ہیں تو ایسا لگتا ہے کہ ان کا کوئی وجود ہی نہیں ہے۔ انہیں دیکھ کر کوئی حلاوت محسوس نہیں ہوتی، ان کو پڑھنے والے کے دلوں میں کوئی اشتیاق پیدا نہیں ہوتا، لہذا اللہ پاک سے اس بات کے لئے ڈرنا بہت ضروری ہے کہ وہ ہماری ہر نقل و حرکت کی نگرانی کر رہا ہے۔ اس کے میزان عدل میں

ایک ذرہ کی بھی حیثیت ہے اور خطا کار کے لئے اس کی سزا متعین ہے، اگرچہ کچھ وقت گزرنے کے بعد ہی اس کا سامنا کرنا پڑے، بسا اوقات غافل و فریب خوردہ انسان یہ سمجھ رہا ہوتا ہے کہ اللہ پاک نے اس کی طرف سے چشم پوشی اختیار کر رکھی ہے، لیکن حقیقت میں ایسا نہیں ہوتا، بلکہ اس کو مہلت اور ڈھیل دے رکھی ہوتی ہے۔

3۔ اللہ تعالیٰ کے اس نام کی وجہ سے بندہ کو اللہ پاک کی طرف سے اطمینان قلب حاصل ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَعَسَىٰٓ أَن تَكْرَهُوا۟ شَيْـًٔا وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۖ وَعَسَىٰٓ أَن تُحِبُّوا۟ شَيْـًٔا وَهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ۗ وَٱللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿٢١٦﴾﴾ [سورة البقرة:216].

(ترجمہ: ممکن ہے تم کسی چیز کو برا جانو اور دراصل وہی تمہارے لئے بھلی ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو اچھی سمجھو حالانکہ وہ تمہارے لئے بری ہو، حقیقی علم اللہ ہی کو ہے، تم محض بے خبر ہو۔)

صرف اللہ پاک ہی نتائج کا علم رکھتا ہے۔ بندہ کے لئے کیا نفع بخش اور کیا نقصاندہ ہے صرف اللہ پاک ہی جانتا ہے۔ صرف اللہ تعالیٰ ہی بندہ کی کمزوری اور ضرورت سے واقف ہے اور جس چیز سے اس کی کمزوری دور ہوگی اور اس کی کمی پوری ہوگی اس سے باخبر ہے، اللہ تعالیٰ بندہ کے لئے صرف خیر ہی کو مقدر کرتا ہے اور اس کے حق میں صرف خیر ہی کو چاہتا ہے، لہذا بندہ کے لئے رب کی طرف سے اطمینان رکھنا اس سے بہتر ہے کہ وہ اپنے لئے خود سے کسی چیز کو پسند کرے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "مومن کا معاملہ بھی عجیب ہے، اس کا ہر معاملہ خیر ہی خیر ہے، مومن کے علاوہ کسی کو یہ اعزاز حاصل نہیں ہے، اگر اسے خوشی حاصل ہوتی

ہے تو وہ اللہ کا شکر ادا کرتا ہے تو یہ اس کے لئے بہتر ہوتا ہے اور جب اسے کوئی مصیبت پیش آتی ہے تو صبر کرتا ہے تو یہ بھی اس کے لئے بہتر ہوتا ہے۔"[1]

4۔ اللہ پاک کے اس نام کے استحضار کی وجہ سے اللہ کا رعب اور اس کا خوف دل کے اندر پیدا ہوتا ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "جہنم خواہشات سے بھر دی گئی ہے"[2] اور بندہ کو اس بے لگام خواہش سے روکنے والی کوئی چیز ہے تو وہ اللہ کا خوف، اس کی نگرانی کا احساس اور اس کی خشیت ہے۔ یہ خواہشات ہی انسان کو گناہوں کی طرف دھکیلتی ہیں، خواہشات بھی کئی طرح کی ہیں: کچھ لوگ اپنے پیٹ کی خواہش کے ہاتھوں مجبور ہوتے ہیں، کچھ شرمگاہ کی خواہش کے غلام ہوتے ہیں، کچھ زبان کی خواہش پوری کرنے کی فکر میں رہتے ہیں، کچھ لوگ آنکھ اور کان کی خواہش کی تکمیل میں مگن ہوتے ہیں۔ ان تمام خواہشات میں قدر مشترک یہ ہے کہ انسان کو ان کی تکمیل بھلی معلوم ہوتی ہے اور ان وقتی لذتوں کا حصول اسے بہت پسند ہوتا ہے۔ ہر خواہش یہ کہہ کر اسے اپنی طرف بلا رہی ہوتی ہے کہ آؤ زندگی کا کچھ مزہ لوٹ لو۔ بندہ جب بھی ان خواہشات کی طرف بڑھتا ہے اور اس کی تکمیل کر گزرتا ہے تو وہ جہنم کی آگ میں گر پڑتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿إِنَّ ٱلَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَٰلَ ٱلْيَتَٰمَىٰ ظُلْمًا إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِى بُطُونِهِمْ نَارًا ۖ وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيرًا ﴿١٠﴾﴾ [سورة النساء:10].

(ترجمہ: جو لوگ ناحق ظلم سے یتیموں کا مال کھا جاتے ہیں وہ اپنے پیٹ میں آگ ہی بھر رہے ہیں اور عنقریب وہ دوزخ میں جائیں گے۔)

1۔ صحیح مسلم

2۔ صحیح مسلم

یہ بھی ایک طرح کی شہوت و خواہش ہی ہے جس کا تذکرہ اس آیت مبارکہ میں آیا ہے۔ یہ مال کی محبت اور زیادہ سے زیادہ مال جمع کرنے کی بے لگام خواہش ہے جو ناحق و ظلماً یتیموں کا مال کھانے پر اسے مجبور کرتی ہے.... اور اس کا نتیجہ کیا ہوتا ہے؟ ایسے لوگ جہنم کی آگ سے اپنا پیٹ بھرتے ہیں۔

ایسی خواہش کی تکمیل کے لئے انسان کا اٹھنے والا ہر قدم اسے جہنم کی آگ سے قریب کرتا ہے۔ دنیا کی آگ جہنم کی آگ سے بالکل مختلف ہے، ہم اس آگ کو آخرت کی آگ پر قیاس نہیں کر سکتے۔

آخرت کی آگ ایک بھڑکتی ہوئی شعلہ زن آگ ہے، وہ شقی و بدبخت انسان کا ٹھکانہ ہے۔ ہماری مشکل یہ ہے کہ ہم نے آخرت کی اس بھیانک آگ کا مشاہدہ نہیں کیا ہے، ابھی وہ آگ ہماری نگاہ اور تصورات سے پرے ہے، اس لئے ہم گناہوں کے ارتکاب میں تساہلی کرتے ہیں، گناہ کے دلدل میں دھنستے چلے جاتے ہیں، گناہ پر مصر نظر آتے ہیں، ایک کے بعد ایک گناہ صادر ہوتا چلا جاتا ہے، یہاں تک ہمارے نامہ اعمال میں گناہوں کا انبار لگ جاتا ہے اور ہمیں دنیا کی وقتی لذت کی وجہ سے احساس تک نہیں ہوتا العیاذ باللہ۔

اس طرح ہمارا دل آخرت کی آگ سے گھر جاتا ہے، پھر دل برباد ہو جاتا ہے، بگڑ جاتا ہے، ہلاکت کے گڑھے میں گر جاتا ہے، اس میں وحشت، تاریکی اور تنگی کا مستقل ڈیرہ بن جاتا ہے، پھر وہ اللہ کی رحمت و نعمت سے محروم ہو جاتا ہے۔ اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں باخبر کر دیا ہے کہ "جہنم خواہشات یعنی لذتوں اور دلفریبیوں سے بھری ہوئی ہے"۔

☆اپنی معافی اور گناہوں کی آگ کو بجھانے کے لئے ہم کیا کریں؟

1۔ استغفار کی کثرت

آپ یہ بات جان لیں کہ اگر آپ استغفار کی کثرت کے ذریعہ اپنے گناہوں کے ارد گرد حصار قائم نہیں کریں گے تو گناہوں کی یہ آگ آپ کے اندرون کو جلا کر خاکستر کر دے گی، یہ گناہ بڑھتا جائے گا اور پھر آپ کو ہر چہار جانب سے گھیر لے گا جس کے بعد آپ کے لئے راہ نجات نہیں بچے گی۔

ایک حدیث قدسی میں اس شخص کا حال بیان ہوا ہے جو ایک گناہ کرنے کے بعد اپنے رب کی طرف پلٹتا ہے اور اپنے نفس کی شکایت کرتے ہوئے کہتا ہے: "اے میرے رب! مجھ سے ایک گناہ سرزد ہو گیا ہے، تو میرے اس گناہ کو معاف کر دے، رب کریم کہتا ہے: میرے بندہ کو معلوم ہے کہ اس کا ایک رب ہے جو گناہ کو معاف کرتا ہے اور اس پر مواخذہ بھی کرتا ہے، پھر رب تعالیٰ اس کے گناہ کو معاف کر دیتا ہے۔ پھر جب تک اللہ کی مشیئت ہوتی ہے وہ شخص بغیر گناہ کے باقی رہتا ہے، پھر وہ ایک دوسرے گناہ کا ارتکاب کر بیٹھتا ہے، پھر وہ کہتا ہے: اے میرے رب! مجھ سے ایک دوسرا گناہ سرزد ہو گیا ہے، تو میرے اس گناہ کو بخش دے۔ رب کریم کہتا ہے: میرے بندہ کو علم ہے کہ اس کا ایک رب ہے جو گناہ کو بخشتا ہے اور کبھی اس پر پکڑ بھی کرتا ہے، پھر رب تعالیٰ اس کے گناہ کو بخش دیتا ہے۔ پھر جب تک اللہ تعالیٰ چاہتا ہے وہ بندہ گناہ سے دور رہتا ہے، پھر ایک تیسرا گناہ اس سے سرزد ہو جاتا ہے تو وہ اپنے رب سے مغفرت طلب کرتے ہوئے کہتا ہے: اے میرے رب! مجھ سے ایک تیسرا گناہ سرزد ہو گیا ہے، تو میرے اس گناہ پر بھی قلم عفو پھیر دے، رب کریم کہتا ہے: میرے بندہ کو اس کی خبر ہے کہ اس کا ایک

رب ہے جو گناہ کو معاف کرتا ہے اور کبھی اس پر مواخذہ بھی کرتا ہے، میں نے اپنے بندہ کو معاف کر دیا، اب وہ جو چاہے کرے۔"[1]

اس حدیث کا مطلب و مفہوم یہ ہے کہ بندہ جب تک توبہ و استغفار کی طرف راغب رہتا ہے، اللہ تعالیٰ بھی اس کے گناہوں کو یکے بعد دیگرے معاف کرتا رہتا ہے۔ یہ بندہ سے اللہ پاک کا وعدہ ہے۔ اور یہاں پر استغفار کے ذریعہ گناہوں کی آگ کو بجھانے کی جو بات ہم کر رہے ہیں اس کا یہی مطلب ہے کہ بندہ گناہوں سے دور رہنے کی کوشش بھی کرے اور ساتھ ہی گناہ کرنے کے بعد غفلت کی زندگی نہ گزارے بلکہ احساس ندامت کے ساتھ رب کے سامنے فوراً توبہ و استغفار کرے اور توبہ، رجوع و انابت کے ذریعہ اپنے گناہوں کے ارد گرد حصار قائم رکھے۔ اس حدیث سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ انسان قصداً گناہ کی طرف آمادہ ہو، اس کے لئے منصوبے بنائے، ایک گناہ سے فارغ ہونے کے بعد دوسرے گناہ میں ملوث ہوتا رہے اور اس کی حالت ایسی ہو جائے جیسے کہ وہ گناہوں کا پٹارہ ہو اور گناہ پر گناہ کرتا چلا جائے۔ اس حدیث سے یہ بتانا مقصود ہے کہ ایک بندہ سچے دل سے اللہ کے سامنے توبہ کرتا ہے، پھر اس کا نفس اس پر غالب آجاتا ہے اور وہ دوبارہ کسی گناہ میں پڑ جاتا ہے، لیکن حسرت و ندامت پھر اس کے دامن گیر ہوتی ہے اور اسے توبہ و استغفار کی توفیق حاصل ہو جاتی ہے، پھر وہ کسی وجہ سے گناہ میں مبتلا ہوتا ہے اور پھر وہ رب کے سامنے عفو و مغفرت کا طالب ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ احساس ندامت سے بوجھل دل کو اپنی مغفرت سے نوازتا رہتا ہے۔

2۔ گناہ کے بعد نیکی کرنا

---

[1] صحیح بخاری

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ وَأَقِمِ ٱلصَّلَوٰةَ طَرَفَيِ ٱلنَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ ٱلَّيْلِ ۚ إِنَّ ٱلْحَسَنَٰتِ يُذْهِبْنَ ٱلسَّيِّـَٔاتِ ۚ ذَٰلِكَ ذِكْرَىٰ لِلذَّٰكِرِينَ ﴿١١٤﴾﴾ [سورۃ ھود:114].

(ترجمہ: دن کے دونوں سروں میں نماز برپا رکھو اور رات کی کئی ساعتوں میں بھی، یقیناً نیکیاں برائیوں کو دور کر دیتی ہیں۔)

ہم لوگوں سے جو خطائیں سرزد ہوتی ہیں ان کا یہ ربانی علاج ہے۔ جتنی بھی لغزش ہو جائے اللہ پاک سے رشتہ کٹنا نہیں چاہیے، جب بھی کوئی گناہ سرزد ہو جائے، یا کوئی لغزش ہو جائے تو بندہ کو کوئی نیک عمل کرنے کی طرف متوجہ ہونا چاہیے، چاہے وہ کوئی چھوٹی سی نیکی ہی کیوں نہ ہو، ساتھ ہی اس گناہ کے تعلق سے ندامت کا احساس اور رب سے توبہ و استغفار کا سلسلہ بھی جاری رہنا چاہیے۔ سچی ندامت رب کے نزدیک بہت قیمتی ہے، عین ممکن ہے کہ اللہ اس لمحہ بھر کی ندامت کو آپ کی نجات کا ذریعہ بنادے۔

نماز گناہ کو مٹانے والی سب سے بڑی نیکی اور گناہ کی آگ کو بجھانے کے لئے سب سے کارگر ہتھیار ہے۔

☆ نماز کی مثال اس بہتی ہوئی نہر کی طرح ہے جس میں انسان پانچ مرتبہ غسل کرتا ہے تو اس کے جسم کے سارے میل کچیل اور داغ دھبے صاف ہو جاتے ہیں۔ یہ انسان کو گناہوں سے پاک کرنے کا سب سے بڑا ہتھیار ہے اور گناہوں کو مٹانے والی سب سے بڑی نیکی ہے۔

☆ اگر آپ کی نیت اچھی ہے تو اللہ تعالیٰ اسی کے بدلہ آپ کو نجات عطا کر دے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ لَن يَنَالَ ٱللَّهَ لُحُومُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلَٰكِن يَنَالُهُ ٱلتَّقْوَىٰ مِنكُمْ ۚ ﴾ [سورۃ الحج:37].

(ترجمہ: اللہ تعالیٰ کو قربانیوں کے گوشت نہیں پہنچتے نہ ان کے خون بلکہ اسے تو تمہارے دل کی پرہیز گاری پہنچتی ہے۔)

ایک دوسری جگہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿إِن يَعْلَمِ ٱللَّهُ فِى قُلُوبِكُمْ خَيْرًا يُؤْتِكُمْ خَيْرًا مِّمَّآ أُخِذَ مِنكُمْ﴾ [سورة الأنفال:70].

(ترجمہ: اگر اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں میں نیک نیتی دیکھے گا تو جو کچھ تم سے لیا گیا ہے اس سے بہتر تمہیں دے گا۔)

معاملات کی اصلاح میں بھی نیک نیتی ضروری ہے تبھی اس کے فوائد و برکات حاصل ہونے کی امید کی جا سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿إِن يُرِيدَآ إِصْلَٰحًا يُوَفِّقِ ٱللَّهُ بَيْنَهُمَآ﴾ [سورة النساء:35].

(ترجمہ: اگر یہ دونوں صلح کرانا چاہیں گے تو اللہ دونوں میں ملاپ کرا دے گا۔)

یہ نیک نیتی خطاؤں کو مٹانے کی ضامن ہو گی اور اصلاح احوال میں معاون ہو گی۔

3۔ برائی کی جگہوں سے دور رہنا

آپ برائی کے قریب بھی نہ پھٹکیں، برائی کی جگہوں اور برے کام کرنے والوں سے دور رہیں۔ ہر وہ چیز جس سے دل میں معصیت کا ارادہ پیدا ہو سکتا ہے، اس سے دور ہی رہیں۔ جو شخص اپنے دین کی حفاظت کے لئے برے ماحول سے راہ فرار اختیار کرتا ہے اس کی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے دلکش انداز میں تصویر کشی کی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "عنقریب ایک ایسا زمانہ آئے گا جب ایک مسلمان کا بہترین مال وہ بکریاں ہوں گی، جن کے پیچھے چلتے

ہوئے وہ پہاڑ کی بلندی اور بارش ہونے کی جگہوں پر چلا جائے گا، وہ فتنے سے اپنے دین کی خاطر راہِ فرار اختیار کرے گا۔" [1]

اس حدیث نبوی میں اس شخص کی صورت حال کا بیان ہے جس نے تمام تر مشقت و پریشانی کے باوجود پہاڑ پر زندگی گزارنے کو ترجیح دی اور لوگوں سے کنارہ کشی اختیار کرلی، وہ اپنے دین کی حفاظت کے لئے اور اپنے ایمان، استقامت اور ہدایت کے تعلق سے آزمائش میں مبتلا ہونے کے خوف سے، اپنی بکریوں کے ساتھ پہاڑ پر چلا گیا۔ یہ حدیث نبوی ایک نہایت اہم پہلو کی طرف اشارہ کررہی ہے، یعنی جہاں تک ممکن ہو تم معصیت سے دور بھاگو۔

ہمارے اس دور میں تو معاصی اور گناہ تک رسائی بہت ہی آسان ہو گئی ہے۔

لیکن ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ آسانی سے گناہ تک رسائی بھی ایک امتحان ہے جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ بندوں کو آزماتا ہے۔ آپ غور کریں کہ اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام کو کس طرح آزمایا تھا جب حالت احرام میں ان کے لئے شکار کو حرام کردیا تھا، پھر یہ ہوا کہ جنگلی جانور جن کا شکار کیا جاتا ہے ان کے خیموں کے آس پاس آکر منڈلاتے تھے، وہاں شکار کے لئے باہر نکلنے اور تلاش و جستجو کرنے کی ضرورت نہیں تھی، بلکہ شکار کے جانور خود بخود ان کے خیموں کے آس پاس بآسانی دستیاب تھے، وہاں اللہ کی طرف سے صحابہ کرام کے ایمان کی سچائی کو آزمانا مقصود تھا تو شکاری جانوروں کو حرام کردینے کے بعد ان کے دسترس میں کردیا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ لَيَبْلُوَنَّكُمُ ٱللَّهُ بِشَيْءٍ مِّنَ ٱلصَّيْدِ تَنَالُهُۥٓ أَيْدِيكُمْ وَرِمَاحُكُمْ ﴾ [سورة المائدة: 94].

---

1. صحیح بخاری

(ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ قدرے شکار سے تمہارا امتحان کرے گا جن تک تمہارے ہاتھ اور تمہارے نیزے پہنچ سکیں گے۔)

اور اس امتحان کا سبب کیا تھا؟ ﴿لِيَعْلَمَ ٱللَّهُ مَن يَخَافُهُۥ بِٱلْغَيْبِ﴾ [سورة المائدة:94].

(ترجمہ: تاکہ اللہ تعالیٰ معلوم کرلے کہ کون شخص اس سے بن دیکھے ڈرتا ہے۔)

"اس شخص کی طرح جسے اپنی چچازاد بہن سے بہت زیادہ محبت تھی، ایسی شدید محبت جو مردوں کو عورتوں سے ہوتی ہے۔ اس شخص نے اپنی اس چچازاد بہن کو گناہ کے لئے ورغلایا، لیکن اس کی بہن تیار نہ ہوئی۔ پھر اس عورت کو شدید محتاجی و افلاس کا سامنا ہوا، وہ اپنے چچازاد بھائی کے پاس آئی اور اپنے آپ کو اس کے حوالہ کر دیا، جب اس کا چچازاد بھائی مباشرت کے لئے پوری طرح تیار ہو گیا اور اس طرح بیٹھ گیا جیسے شوہر اپنی بیوی کے ساتھ بیٹھتا ہے اور وہ جب گناہ پر پوری طرح قادر ہو گیا تو اس عورت نے اسے اللہ کا خوف دلاتے ہوئے کہا کہ تم اللہ سے ڈرو اور مہر عصمت کو ناحق پامال نہ کرو۔"[1]

وہ شخص گناہ کیے بغیر اللہ تعالیٰ کے احترام، تعظیم اور اس کے خوف کی وجہ سے وہاں سے اٹھ گیا۔

اللہ تعالیٰ کا یہی خوف اس کی مصیبت کو دور کرنے کا اس وقت سبب بنا جب غار سے نکلنے کے راستہ کو ایک بھاری چٹان نے بند کر دیا تھا۔

---

[1] متفق علیہ

ان باتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ اللہ کے سامنے اپنی ذات کے اندر خیر کے پہلو کو نمایاں کیجئے، آپ اپنی نیت اور عمل سے یہ ثابت کیجئے کہ آپ خیر کے متلاشی ہیں، آپ اپنے دین اور ایمان کے ساتھ معصیت کی جگہوں اور معصیت میں ملوث اشخاص سے راہ فرار اختیار کیجئے اور یہ بات ہمیشہ آپ کے پیش نظر رہے کہ آپ کی ہر نقل و حرکت اللہ کے علم میں ہے اور آپ کی تمام حرکات وسکنات اس کے زیر نگرانی ہے۔

4۔ بکثرت اللہ عزوجل کا ذکر

جب اللہ تعالیٰ کا ذکر میدان جہاد میں مومن کے دل کو ثبات عطا کرتا ہے اور اسے جنگ کے ہولناک ماحول کی دہشت سے محفوظ رکھتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ إِذَا لَقِيتُمْ فِئَةً فَٱثْبُتُواْ وَٱذْكُرُواْ ٱللَّهَ كَثِيرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿٤٥﴾﴾ [سورة الأنفال: 45].

(ترجمہ: اے ایمان والو! جب تم کسی مخالف فوج سے بھڑ جاؤ تو ثابت قدم رہو اور بکثرت اللہ کو یاد کرو تاکہ تمہیں کامیابی حاصل ہو)

تو اللہ پاک کا یہ ذکر انسان کو خواہشات کی آندھیوں اور معاصی کے جھکڑوں اور زلزلوں میں بھی ثابت قدم رکھے گا۔

اللہ پاک کا بکثرت ذکر گناہ اور معصیت کی بھڑکتی ہوئی آگ کو بجھا دیتا ہے جیسا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے کہ آپ نے ایک مرتبہ درخت کی ایک ٹہنی لی اور اس کی پتیوں کو تین مرتبہ جھاڑا پھر فرمایا: "بے شک سبحان الله و الحمد الله و لا إله إلا الله خطاؤں

کو اس طرح جھاڑ دیتے ہیں جس طرح درخت اپنے پتوں کو جھاڑ دیتا ہے۔"[1] اس سے یہ معلوم ہوا کہ اللہ پاک کا ذکر گناہوں کو مٹانے کا طاقتور ترین ذریعہ اور انسان کو گناہوں سے پاک کرنے کا نہایت مؤثر وسیلہ ہے۔

ان مذکورہ بالا چاروں اسباب و وسائل کو اختیار کر کے انسان اپنے گناہوں کا محاصرہ کر سکتا ہے اور ان کے ذریعہ شہوتوں، خطاؤں اور گناہوں کی آگ کو بجھا سکتا ہے۔

---

[1] الأدب المفرد، امام بخاری

اللہ کا نام "القریب" جل جلالہ

☆ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ قُلْ إِن ضَلَلْتُ فَإِنَّمَآ أَضِلُّ عَلَىٰ نَفْسِى ۖ وَإِنِ ٱهْتَدَيْتُ فَبِمَا يُوحِىٓ إِلَىَّ رَبِّىٓ ۚ إِنَّهُۥ سَمِيعٌ قَرِيبٌ ﴿٥٠﴾﴾ [سورة سبأ:50].

(ترجمہ: کہہ دیجئے کہ اگر میں بہک جاؤں تو میرے بہکنے کا وبال مجھ پر ہی ہے اور اگر میں راہ ہدایت پر ہوں تو بہ سبب اس وحی کے جو میرا پروردگار مجھے کرتا ہے، وہ بڑا ہی سننے والا اور بہت ہی قریب ہے۔)

اللہ پاک اپنے بندہ سے قریب ہے اور اس کی قربت اسے پکارنے والے اور حالت ایمان میں اس کی عبادت کرنے والے کے ساتھ خاص ہے۔

☆ اللہ پاک کی یہ بہت خاص قسم کی قربت ہے جو اس کے عبادت گزاروں، اس سے مانگنے والوں اور اس سے محبت کرنے والوں کو حاصل ہوتی ہے۔ یہ قربت الٰہی کچھ خاص قسم کے لوگوں کو حاصل ہوتی ہے۔ حقیقت کی آنکھوں سے اس قربت الٰہی کا مشاہدہ ممکن نہیں ہے، لیکن اس قربت کی لذت و حلاوت اور اس کے فیوض و برکات اور اثرات بندہ کے اوپر ظاہر ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ باوجود یکہ اپنی مخلوق سے اوپر بہت بلندی پر ہے، وہ سات آسمانوں کے اوپر اپنے عرش پر مستوی ہے، اس کے باوجود وہ اپنے بندوں سے قریب ہے، وہ ان سے ان کی جانوں سے زیادہ قریب ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ ٱلْوَرِيدِ﴾ [سورة ق:16].

(ترجمہ: اور ہم اس کی رگ جاں سے بھی زیادہ اس کے قریب ہیں۔)

اللہ سبحانہ وتعالیٰ بلندی پر ہونے کے باوجود بندے سے قریب ہے اور حالت قربت میں بھی بلند وبالا ہے۔ 1 اللہ پاک کی قربت کسی دوسرے کی قربت جیسی نہیں ہے۔

1۔ اللہ پاک اس بندہ سے قریب ہے جو اسے مدد کے لئے پکارتا ہے اور اس کے سامنے اپنے دامن کو پھیلاتا ہے۔ اس کا ارشاد ہے: ﴿وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ﴾ [سورۃ البقرۃ:186]

(ترجمہ: جب میرے بندے میرے بارے میں آپ سے سوال کریں تو آپ کہہ دیں کہ میں بہت ہی قریب ہوں۔)

اسی طرح ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں آیا ہے کہ ہم لوگ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھے تو تکبیر کہتے ہوئے ہماری آواز بلند ہو گئی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ٹھہرو، تم لوگ کسی بہرے اور غیر موجود کو نہیں پکار رہے ہو، تم جس ذات کو پکار رہے ہو وہ سننے والا اور قریب ہے، وہ تم سے تمہاری سواری کے جانور کی گردن سے بھی زیادہ قریب ہے۔"

2۔ یوم عرفہ کی شام اللہ تعالیٰ عرفات میں وقوف کرنے والوں کے قریب ہوتا ہے۔ یوم عرفہ کی شام وہ آسمان دنیا پر اترتا ہے اور اپنے بندوں سے قریب ہو جاتا ہے، وہ عرفات میں وقوف کرنے والوں سے قریب ہو جاتا ہے اور ان وقوف کرنے والوں پر فخر کرتے ہوئے فرشتوں سے کہتا ہے: اے میرے فرشتو! میرے یہ بندے کیا چاہتے ہیں؟

---

1 أسماء الله الحسنى جلالها و لطائف اقترانها، ص87

3۔ اللہ پاک سجدہ کرنے والوں کے بھی قریب ہوتا ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "بندہ اپنے رب سے سب سے زیادہ قریب تب ہوتا ہے جب وہ سجدہ میں ہوتا ہے، لہذا تم لوگ سجدہ میں بکثرت دعا کیا کرو۔" 1

4۔ اللہ پاک قیام اللیل کرنے والوں (تہجد گزاروں) کے بھی قریب ہوتا ہے۔ عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: "رات کے آخری حصہ میں رب تعالیٰ بندہ سے سب سے زیادہ قریب ہوتا ہے۔ اگر یہ تمہارے لئے ممکن ہو کہ اس وقت اللہ کے ذکر میں مشغول رہو تو ایسا کرو۔" 2

خلاصۂ کلام یہ کہ اللہ تعالیٰ اس بندہ کے قریب ہوتا ہے جو اس سے قریب ہونے کی کوشش کرتا ہے۔ جب بھی آپ کو اللہ سے بہت زیادہ قریب ہونے کی خواہش ہو تو آپ اس کی عبادت میں اضافہ کر دیں، اپنے روزے، صدقات اور نیک کاموں میں اضافہ کریں، اپنے نوافل کی ادائیگی میں اضافہ کریں، اپنے نوافل کا اہتمام کریں، ان نوافل کی تکمیل کے لئے کوشش کریں۔ آپ جتنا زیادہ نوافل کے ذریعہ اللہ کا قرب حاصل کرنے کی کوشش کریں گے اتنی ہی زیادہ اللہ کی محبت اور توجہ اور اس کی قربت آپ کو حاصل ہوگی۔ اور اسی کے حساب سے اللہ کی قربت میں اضافہ ہوتا چلا جائے گا۔

☆ یہ قرب الٰہی محبت الٰہی کے لوازمات میں سے ہے۔ جتنی زیادہ محبت ہوگی اتنی ہی زیادہ قربت حاصل ہوگی۔ اللہ پاک اپنے بندہ سے محبت کرتا ہے اور اسے اپنی قربت سے نوازنا چاہتا ہے، لہذا آپ اس محبت الٰہی کی حفاظت کیجئے، آپ اس بات کا خاص خیال رکھئے کہ آپ کے اور رب کے

1۔ صحیح مسلم

2۔ سنن ترمذی

درمیان محبت و مودت کا جو رشتہ قائم ہے وہ بگڑنے نہ پائے۔ ایسا نہ ہو کہ وہ آپ سے محبت کرے اور آپ غلط کاموں میں پڑ کر اس کی نگاہ میں مبغوض ہو جائیں۔ ایسا نہ ہو کہ رب آپ کو اپنی قربت عطا کرنا چاہے اور آپ اس سے بدک کر دور بھاگیں۔ آپ کو ایمان کی وجہ سے آخرت سے پہلے دنیا ہی میں قربت و محبت الٰہی کی نعمت حاصل ہو گئی ہے، آپ اس کی قدر کیجئے۔

☆ بندہ سے اللہ پاک کی قربت کی علامت یہ ہے کہ اس کی پکار کو سنتا ہے اور اس کی دعا کو قبول کرتا ہے۔ وہ رب جو قریب ہے اور دعاؤں کو شرف قبولیت عطا کرتا ہے، ایسا ہو ہی نہیں سکتا کہ بندہ اس کے سامنے دست سوال دراز کرے اور نامراد ہو جائے۔

جب بندہ اپنی حاجت کے لئے رب سے دعا کرتا ہے اور قبولیت میں بظاہر تاخیر ہو جاتی ہے تو اس کا یہ مطلب ہر گز نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ بندہ سے دور ہے یا اس نے اس کی دعا نہیں سنی یا اس کی دعا قبول نہیں کی.... نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے، اللہ پاک بندے کی دعا کو قبول کرے گا، یہ اس کا وعدہ ہے۔ دعا کرنے والے کی حاجت پوری ہو گی اور اسے اس کی مراد حاصل ہو گی ہی، لیکن قبولیت دعا کی متعدد شکلیں ہیں:

یا تو اللہ تعالیٰ دعا کرنے والے کو وہی چیز عطا کر دیتا ہے جو اس نے طلب کی ہے،

یا پھر کسی حکمت کی وجہ سے دعا کی قبولیت کو موخر کر دیتا ہے، پھر اسے مانگی ہوئی چیز عطا کرتا ہے،

یا پھر دعا کی نعمت کے بقدر آزمائش اور شرور و فتن کو اس سے دور کر دیتا ہے۔ یا پھر اس کی دعا سے حاصل ہونے والی نعمت کے بقدر اجر و ثواب اس کے لئے جمع کر دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنی "الأوّل و الآخر و الظّاھر والباطن" جل جلالہ

اللہ تعالیٰ کا نام الأول

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ پاک کے اس نام کے مفہوم کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا: "الأول" سے مراد وہ ذات ہے جس سے پہلے کسی بھی چیز کا وجود نہیں تھا۔

یعنی اللہ پاک موجود تھا لیکن اس سے پہلے کسی بھی چیز کا وجود نہیں تھا۔ اس نے کسی وسیلہ وسبب کے بغیر بہت عمدگی کے ساتھ بندہ کو وجود میں لانے کا آغاز کیا۔ وجود میں لانے اور وسائل زندگی فراہم کرنے کے اعتبار سے اسی نے آپ کا آغاز کیا، یعنی اسی نے آپ کو پیدا کیا، دنیا میں زندگی گزارنے کے لائق بنایا اور وسائل زندگی سے لیس کیا۔

اسی نے آپ کے لئے اسباب کو پیدا کیا، انہیں آپ کے لئے مہیا کیا، انہیں آپ تک پہنچایا، انہیں آپ کے لئے مسخر کیا اور ان سے مستفید ہونے میں آپ کی مدد کی، لہذا آپ اسے اس طور پر دیکھیں کہ اسے اولیت کے اعتبار سے سبقت حاصل ہے یعنی اللہ تعالیٰ تمام اسباب ووسائل کے وجود میں آنے سے پہلے سے موجود ہے، اسی لئے اس کا نام اول ہے۔

اللہ تعالیٰ کا نام "الآخر"

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے نام "الآخر" کے معنی ومفہوم کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ اس سے مراد وہ ذات ہے جس کے بعد کچھ بھی نہیں ہے۔

ایک دن آئے گا جب دنیا کی ہر چیز ہلاک، فنا اور ختم ہو کر اپنا وجود کھو دے گی اور صرف اللہ واحد وقہار کی ذات باقی رہ جائے گی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُۥ﴾ [سورة القصص:88].

(ترجمہ: ہر چیز فنا ہونے والی ہے سوائے اس کی ذات کے)

یعنی اللہ پاک کی ذات آخر ہے، جس کے سامنے سارے اسباب ختم ہو جاتے ہیں اور وہ تمام اسباب کے بعد بھی باقی رہنے والا ہے۔ اگر سارے اسباب معدوم ہو کر اپنے وجود سے محروم ہو جائیں تب بھی اللہ تعالیٰ کی عطا و بخشش باقی رہتی ہے اور سب سے آخر میں اللہ تعالیٰ کی ذات ہی بچتی ہے جو بغیر اسباب کے لطف و کرم اور نوازش کا فیضان جاری رکھتی ہے۔

☆ میں اللہ کے نام "الاَول و الآخر" پر کیسے ایمان لاؤں اور میں ان دونوں ناموں کے ذریعہ کیسے اللہ کی عبادت کروں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ مومن اسباب پر نظر رکھتا ضرور ہے لیکن اسے اس کا پختہ یقین ہوتا ہے کہ یہ اسباب بذات خود مؤثر اور دخیل نہیں ہیں، بلکہ جب اللہ تعالیٰ کی مشیئت ہوتی ہے تو وہ انہیں اثر انداز ہونے کا حکم دیتا ہے تب وہ اثر انداز ہوتے ہیں اور نفع دیتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ جب چاہتا ہے ان اسباب کو معطل کر دیتا ہے تو وہی اسباب ناکارہ اور غیر نفع بخش ہو جاتے ہیں۔

اہل توحید کی آزمائش اسباب کے تحت ہوتی ہے۔ ہمیں اسباب کو اختیار کرنے کا حکم ہے لیکن ہم اسباب ہی کو سب کچھ نہیں سمجھتے ہیں۔ رزق تک پہنچانے والے اسباب، چاہے وہ دلوں کا رزق ہو مثلاً محبت، رحمت، خوف، امید، توکل، رجوع اور حکمت وغیرہ یا وہ اعضاء و جوارح کا رزق ہو مثلاً کام، مال، بیوی، اولاد اور گھر، یہ تمام قسم کے رزق اللہ پاک کے ذریعہ حاصل ہوتے ہیں، ان سب کا خالق اللہ تعالیٰ ہی ہے اور ان سب کو بندوں تک پہنچانے والا اللہ پاک ہی ہے۔

عز بن سلام کا قول ہے: اللہ کی قسم، اللہ پاک کے بغیر لوگ کسی بھی چیز تک نہیں پہنچ سکتے ہیں۔

اللہ سبحانہ و تعالیٰ اسباب کو پیدا کرنے والا بھی ہے اور انہیں بندوں تک پہنچانے والا بھی ہے۔ لوگ صرف اپنی حکمت و دانائی اور طاقت و حرکت سے نہ اسباب تیار کر سکتے ہیں اور نہ اسے دوسروں تک پہنچا سکتے ہیں۔

چنانچہ جب آپ کے دل میں کسی کام کو کرنے کا یا کسی مطلوب یا فائدہ کو حاصل کرنے کا ارادہ پیدا ہو تو آپ کی کوشش یہ ہونی چاہیے کہ اس کے لئے آپ کے دل کی اولین توجہ اسباب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی طرف ہو اور آپ یہ جان لیں کہ جب بھی دل کی توجہ رب تعالیٰ کی طرف ہو گی بندہ کا فعل اور اس کی نقل و حرکت صحیح سمت میں ہو گی۔

خلاصہ:

اپنے مطلوب کو پانے کے لئے آپ خوب جد وجہد کریں، اپنی منزل کو پانے کے لئے آپ خوب تگ و دو کریں اور اس کے لئے اسباب کو بھی اختیار کریں، لیکن آپ اپنی صلاحیت اور اسباب پر بھروسہ نہ کریں اور نہ ان ظاہری اسباب کا سہارا لینے کو کافی سمجھیں، بلکہ ہر کام کے لئے آپ سب سے پہلے اپنے دل کو مسبب الاسباب اور خالق اسباب جل جلالہ سے وابستہ کریں۔ دنیا کی ہر کامیابی کا آغاز و انجام وہی ذات باری تعالیٰ ہے۔ یہ کوئی فکری و نظریاتی بات نہیں ہے، بلکہ یہی دین اسلام ہے، یہی اسلامی عقیدہ ہے اور یہی وہ توحید ہے جس کا عقیدہ ہم اللہ تعالیٰ کی ذات کے تعلق سے رکھتے ہیں۔

اس عقیدہ کو عملی طور پر برتنا آسان نہیں ہے۔ دل کو اس عقیدہ پر مطمئن اور مائل کرنا زیادہ مشکل کام ہے بہ نسبت اعضاء و جوارح کو اس کی طرف مائل کرنے کے۔ اس کے لئے ہمارے پاس ایک ایسا دل ہونا ضروری ہے جو بیدار اور زندہ ہو، جو چھوٹے بڑے تمام امور میں رب تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتا ہو۔ جیسے ہی انسان اسباب پر بھروسہ کرنا ترک کرتا ہے اور اللہ پاک کی

مشیئت و قدرت پر بھروسہ کرنے لگتا ہے اور اس ذات عالی صفات سے اپنا رشتہ مضبوط کر لیتا ہے، وہ ان لوگوں کی فہرست میں شامل ہو جاتا ہے جنہیں اللہ کی طرف سے اس طرح رزق عطا کیا جاتا ہے کہ انہیں اس کا وہم و گمان بھی نہیں ہوتا۔

اللہ پر جن کا توکل و بھروسہ اتنا راسخ ہوتا ہے، اللہ خود بڑھ کے اس کی کفایت کرتا ہے اور جس کے لئے اللہ تعالیٰ کی ذات کافی ہو جائے اسے اور کیا چاہیے، ایسے نفوس قدسیہ کے پاس دنیا ناک رگڑتے ہوئے آتی ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو توکل کی منزل پر قدم رکھتے ہیں۔ عقیدۂ توحید پر عمل کرنے والے کے لئے یہ سب سے اعلیٰ مقام اور سب سے بلند ترین منزل ہے۔

سوال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے وہ ستر ہزار بندے جو بغیر حساب اور سزا کے جنت میں داخل ہوں گے، ان کی امتیازی خصوصیت کیا ہے؟ ان کی امتیازی صفت یہی توکل، اپنے کو رب کے فیصلہ کے حوالہ کر دینا اور اللہ مسبب الاسباب سے اپنے دل کا رشتہ استوار کرنا ہے۔ یہ لوگ اسباب کو محض ذریعہ و وسیلہ کی حد تک اہمیت دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم لوگوں کو بھی ان متوکلین کے زمرہ میں شامل کر دے۔

اللہ تعالیٰ کا نام "الظاہر" جل جلالہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ پاک کے نام "الظاہر" کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ اس سے مراد وہ ذات ہے جس کے اوپر کوئی چیز نہیں ہے۔

اللہ پاک کے اس نام میں بلندی کا جو پہلو پایا جاتا ہے، ہم اس کے اعتبار سے آگے اس کی تشریح کر رہے ہیں۔

ایک اللہ کی ذات کی بلندی ہے، یعنی اس کی ذات مخلوق سے بہت زیادہ بلند و بالا ہے۔ وہ ہر چیز سے اوپر اور بلند ہے اور اپنے عرش پر مستوی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿إِلَيْهِ يَصْعَدُ ٱلْكَلِمُ ٱلطَّيِّبُ وَٱلْعَمَلُ ٱلصَّٰلِحُ يَرْفَعُهُۥ﴾ [سورة فاطر: 10].

(ترجمہ: تمام ترستھرے کلمات اسی کی طرف چڑھتے ہیں اور نیک عمل اُن کو بلند کرتا ہے۔)

دوسری اللہ کی صفات کی بلندی ہے۔ صفات کے معاملہ میں اللہ پاک مطلق طور پر کامل ہے۔ اس کے کمال صفات سے اوپر کوئی کمال ہی نہیں ہے۔ اس صفت کمال کی وجہ سے وہ اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتا، انہیں ہلاک نہیں کرتا اور انہیں ضائع نہیں کرتا ہے۔ وہ عدل و انصاف کرنے والا حکیم و دانا ہے۔ جب انسان کے دل میں رب تعالیٰ کی اس صفت کمال کا تصور پوری طرح قائم ہو جاتا ہے تو وہ رب کی ذات کو اپنا مرکز توجہ بنالیتا ہے، وہ اللہ کو اپنی امیدوں کا مرکز مان لیتا ہے، وہ اللہ پاک کو صمد بنالیتا ہے جس کی طرف ہر معاملہ میں بار بار رجوع کرتا ہے، وہ اللہ کو اپنا ملجا و ماوی بنالیتا ہے جس کے دامن عفو و رحمت میں پناہ لیتا ہے اور ہر وقت اسی کی طرف قدم بڑھاتا ہے۔

جب یہ چیز آپ کے ایمان کا جزء بن جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی ہر صفت میں کامل و مکمل ہے تو اس کے بعد یہ ضروری ہو جاتا ہے کہ آپ کا اس پر بھی ایمان ہو کہ اللہ پاک اپنے بندہ کے ساتھ اپنی کامل صفات کے ساتھ معاملہ کرتا ہے۔ اس کو مثال سے اس طرح سمجھئے کہ بندہ جب کسی گناہ کا

ارتکاب کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ حلم کا معاملہ کرتا ہے۔ اسے گناہ کے بعد پہلی مرتبہ ہی میں رسوا نہیں کر دیتا ہے، نہ فوراً ہی اسے سزا دیتا ہے اور نہ جلدی ہی اس کے راز کو فاش کرتا ہے۔ بلکہ گناہ کے بعد بھی بندہ پر اللہ کا رحم و کرم جاری رہتا ہے، گناہ کے بعد بھی اس کے جسم کے تمام قیمتی اعضاء بدستور کام کرتے رہتے ہیں اور اس کی زندگی کے دیگر معاملات، اس کے کام کاج، اس کی بیوی بچے سب بدستور خیریت کے ساتھ ہی رہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ حلم و رحم، پردہ پوشی اور لطف و کرم کا معاملہ کرتا ہے تاکہ وہ اپنے گناہ سے تائب ہو جائے اور راہ راست پر واپس آ جائے۔ اللہ تعالیٰ اس کے لئے نیک عمل کو آسان کر دیتا ہے، اس کے لئے صدقہ، درس، حج اور عمرہ جیسے نیکی کے کاموں کو آسان کر دیتا ہے، اس کے لئے حق کی طرف واپسی کا راستہ کھول دیتا ہے، اس کے لئے اطاعت الٰہی کے دروازے کھول دیتا ہے جس کی وجہ سے اس کے لئے رب کی طرف واپسی کی راہ آسان ہو جاتی ہے۔ اس طرح جب اس کے لئے نیکی کے دروازے یکے بعد دیگرے کھلنے لگتے ہیں تو اس کی وجہ سے اس کے اطاعت کے کاموں میں اضافہ ہو جاتا ہے۔

جب اس کی نیکی اور اطاعت کے کاموں میں اضافہ ہوتا ہے تو بندہ کو اپنے گناہوں کی کثرت کا احساس ہونے لگتا ہے، اس کا دل گناہوں سے پاک اور صالحیت کی طرف مائل ہونے لگتا ہے، پھر وہ اپنے رب سے بہت زیادہ قریب ہونے لگتا ہے، اسے اپنے رب سے بہت زیادہ شرم و حیا آنے لگتی ہے، اس نعمت کو پاکر اور رب کے سامنے توبہ و انابت کی وجہ سے اس کے اندر انکساری پیدا ہونے لگتی ہے، پھر اس کا یہ یقین مستحکم ہونے لگتا ہے کہ اس کے لئے رزق کی فراوانی اور نعمتوں کی بہتات اس کے اوپر اللہ کے حلم و کرم اور رب تعالیٰ کی طرف سے اس کے گناہوں کی پردہ پوشی کی وجہ سے ہے، اس کی وجہ سے بندہ کو رب کے سامنے سچی توبہ کرنے کی توفیق حاصل ہوتی ہے، وہ بار بار رب

کے سامنے اپنے گناہوں سے تائب ہوتا ہے اور توبہ وانابت کی تلاش میں رہنے لگتا ہے، یہاں ایمان اس کے دل میں راسخ ہو جاتا ہے۔

غلبہ اور بالادستی کی بلندی: یعنی اللہ تعالیٰ جب کسی کام کو کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو وہ ہو ہی جاتا ہے۔ اس کا ارشاد ہے: ﴿ وَٱللَّهُ غَالِبٌ عَلَىٰٓ أَمْرِهِۦ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ ٱلنَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴾ [سورۃ یوسف: 21]. (ترجمہ: اللہ اپنے ارادہ پر غالب ہے لیکن اکثر لوگ بے علم ہوتے ہیں۔)

کچھ لوگ سوال کرتے ہیں کہ فلاں مقام پر مسلمانوں پر بہت زیادہ ظلم ہوا لیکن اللہ نے ان کی مدد نہیں کی۔ کچھ جگہوں پر دشمنان دین حنیف نے کھلم کھلا سرکشی اختیار کی، ظلم وستم کا بازار گرم کیا اور روئے زمین میں خوب فساد برپا کیا پھر بھی اللہ تعالیٰ نے ان کے شر وفساد کو نہیں روکا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر حال میں اپنے حکم اور منصوبہ کو نافذ کرنے پر قادر ہے، لیکن اس کی حکمت کی وجہ سے اس کا حکم اور فیصلہ ایک خاص وقت میں نافذ ہوتا ہے اور وہ جیسے چاہتا ہے، اس صورت میں نافذ ہوتا ہے۔

مخلوقات کے تعلق سے اللہ تعالیٰ کی ایک سنت یہ ہے کہ وہ مہلت اور ڈھیل دیتا ہے تاکہ بندہ کو سدھرنے اور اپنی اصلاح کرنے کا موقع مل جائے۔ وہ بندہ کو پہلے مہلت اور ڈھیل دیتا ہے، پھر جب اس کا مواخذہ کرتا ہے تو پھر اسے سنبھلنے کی مہلت نہیں ملتی اور وہ مواخذہ غالب اور قدرت رکھنے والا کا مواخذہ ہوتا ہے۔

عقیدہ توحید سے سرفراز بندہ کو اس بات کا مکمل یقین وبھروسہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو پلک جھپکتے فنا کرنے پر قادر ہے، لیکن اس کی مشیئت حکمت کے ساتھ مربوط ہے، وہ کسی بندہ کی عجلت پسندی کی وجہ سے عجلت میں کسی چیز کا فیصلہ نہیں کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا نام "الباطن" جل جلالہ

یعنی وہ ذات جس سے قریب تر کوئی چیز نہیں ہے، وہ اپنی مخلوق سے سب سے زیادہ قریب ہے اور وہ اپنے بندوں سے ان کی جانوں سے بھی زیادہ قریب ہے۔ ہم اللہ پاک کے اس نام پر قربت کے معنی و مفہوم کے سیاق میں روشنی ڈالیں گے۔

ابن قیم رحمہ اللہ کہتے ہیں: اللہ پاک کے نام "الباطن" کے ذریعہ اس کا تعبد ایک ایسا امر ہے جس کی حقیقت بیان کرنے کے لئے الفاظ ناکافی ہیں اور اس کی وضاحت کرنے سے انسان کی زبان قاصر ہے۔ [1]

اللہ پاک کے قرب کو سمجھنے کے لئے اللہ تعالیٰ کی معیت کو سمجھنا ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ کی معیت دو طرح کی ہے:

ایک عام معیت: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنتُمْ﴾ [سورة الحديد:4]

(ترجمہ: تم جہاں بھی رہو، اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ہے۔)

اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے تمام بندوں کے ساتھ ہے، چاہے وہ مومن ہو یا کافر، نیک ہو یا بد۔ اور یہ معیت علم اور بندے کے معاملات زندگی کی تدبیر کے اعتبار سے ہے۔

دوسری خاص معیت: یہ معیت صرف مومنوں کے ساتھ خاص ہے۔ اور اس معیت سے مراد اللہ تعالیٰ کی سرپرستی، نصرت و تائید، محبت، توفیق اور حفاظت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿إِنَّ ٱللَّهَ مَعَ ٱلصَّٰبِرِينَ﴾ (اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے) دوسری جگہ

---

[1] طريق الهجرتين

ارشاد ہے:﴿وَإِنَّ ٱللَّهَ لَمَعَ ٱلْمُحْسِنِينَ﴾ (اللہ تعالیٰ نیکی کرنے والوں کے ساتھ ہے۔)ایک اور جگہ ارشاد ہے:﴿وَٱعْلَمُوٓاْ أَنَّ ٱللَّهَ مَعَ ٱلْمُتَّقِينَ﴾ (تم یہ جان لو کہ اللہ تعالیٰ پرہیز گاروں کے ساتھ ہے۔)

اہل ایمان اس خاص معیت کے معاملہ میں اپنی ایمانی قوت اور ان اوصاف کو اپنے اندر پیدا کرنے کے اعتبار سے ایک دوسرے سے متفاوت ہوتے ہیں۔

بندہ کے ایمان میں جتنا زیادہ اضافہ ہوتا ہے اور جس قدر بندہ اپنے اندر اچھے اوصاف کو پیدا کرتا ہے اتنی زیادہ اسے اللہ کی معیت اور اس کا قرب حاصل ہوتا ہے۔ اس کی مثال یہ آیت کریمہ ہے:﴿إِنَّ ٱللَّهَ مَعَ ٱلصَّٰبِرِينَ﴾ [سورة البقرة:153]. اس آیت کی رو سے اللہ کی معیت کو حاصل کرنے کے لئے بندہ کے اندر صبر کی صفت کا ہونا ضروی ہے۔

کیا صبر کرنے کے معاملہ میں ہم سب برابر ہیں؟ نہیں، تین اعتبار سے ہم اس معاملہ میں ایک دوسرے سے متفاوت ہیں:

1۔ صبر کی طاقت اور کمزوری کے اعتبار سے

2۔ جلدی یا دیر سے صبر کا دامن تھامنے کے اعتبار سے۔ کچھ لوگوں کو مصیبت کے پہلے ہی مرحلہ میں صبر آجاتا ہے جبکہ کچھ لوگوں کو چند دنوں کے بعد صبر آتا ہے۔ اسے اپنی پراگندہ و منتشر ذات کو سمیٹنے میں کچھ وقت لگتا ہے تب جاکر اسے صبر و قرار آتا ہے۔ دونوں کے درمیان فرق ہے۔

3۔ رب کے فیصلہ سے بندہ کے راضی ہونے کے اعتبار سے۔ ایک بندہ وہ ہے جس کا نفس آزمائش کے پہلے ہی مرحلہ میں رب کے فیصلہ سے راضی ہو جاتا ہے اور کچھ لوگ ابتلاء و آزمائش کے آگے خود سپردگی کر کے جینے کی عادت ڈال لیتے ہیں۔ دونوں کے درمیان فرق ہے۔

انسانوں کے درمیان یہ فرق، اللہ کی معیت اور اس کے قرب کے احساس پر اثر انداز ہوتا ہے۔ بندہ کے اندر صبر کرنے کی طاقت جتنی زیادہ ہوتی ہے، جتنی جلدی اسے صبر و قرار آجاتا ہے اور اللہ کے فیصلہ کے آگے سر تسلیم خم کرنے کا مادہ جس کے اندر جتنا زیادہ ہوتا ہے اتنی زیادہ اسے اللہ کی معیت اور اس کا قرب حاصل ہوتا ہے۔

اللہ کی معیت کا خصوصی ثمرہ اس کی محبت ہے۔ اللہ اپنے اس صابر بندہ کو اپنی خصوصی محبت سے نوازتا ہے اور جسے اللہ محبوب رکھے اسے وہ مبتلائے عذاب نہیں کرتا ہے۔

اے ابتلاء و آزمائش میں جینے والو! اے مصائب و تکالیف کا سامنا کرنے والو! اے آنسوؤں اور غموں کو سینے سے لگانے والو! اگر تم نے صبر کا دامن مضبوطی سے تھامے رکھا تو اللہ کی محبت تمہیں حاصل ہو گی۔

جب آپ اللہ پاک کے اس قرب کو محسوس کریں گے، آپ کے دل پر جب قرب الٰہی کا احساس غالب ہو جائے گا اور جب آپ اللہ ہی کو اپنا مقصود حیات بنالیں گے جس سے بڑھ کر ایک مومن کے لئے کوئی اور آرزوں اور امیدوں کا مرکز نہیں ہو سکتا ہے تب آپ کو پتہ چلے گا کہ اللہ کے نام "الباطن" کے تعبد کا مطلب کیا ہے۔ اس کے بعد اللہ کے قرب سے زیادہ کسی اور کے قرب کی خواہش باقی نہیں رہے گی۔ تب آپ کو اس بات کا مکمل یقین حاصل ہو گا کہ کوئی مخلوق یا انسان آپ سے چاہے جتنا بھی قریب ہو ایک دن ایسا آئے گا جب وہ قریب ترین انسان باقی نہیں رہے گا لیکن اللہ تعالیٰ کی ذات باقی رہے گی۔

اللہ پاک کے نام "الظاھر والباطن" کے بارے میں ایک مومن وموحد کا یہی عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام مخلوق سے بلند اور سب سے اوپر ہے۔ اس بلندی کے باوجود وہ اپنے بندوں کے قریب ہے۔ اس کا ارشاد ہے: ﴿وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ أُجِيبُ دَعْوَةَ ٱلدَّاعِ إِذَا دَعَانِ﴾ [سورة البقرة:186].

(ترجمہ: جب میرے بندے میرے بارے میں آپ سے سوال کریں تو آپ کہہ دیں کہ میں بہت ہی قریب ہوں، ہر پکارنے والے کی پکار کو جب کبھی وہ مجھے پکارے، قبول کرتا ہوں۔)

وہ ہر قسم کی آواز کو سنتا ہے، چاہے وہ بلند ہو یا پست، وہ بندوں کی دعا و مناجات کو سنتا ہے، وہ پوشیدہ ترین باتوں کو جانتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "بندہ اپنے رب سے سب سے زیادہ قریب سجدہ کی حالت میں ہوتا ہے، لہذا تم لوگ سجدہ کی حالت میں بکثرت دعا کیا کرو۔"[1]

ایک موقع پر جب صحابہ کرام سفر میں بلند آواز سے تکبیر کہنے لگے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: "اے لوگو! ٹھہرو، تم لوگ کسی بہرے وغیر موجود کو نہیں پکار رہے ہو، تم جس ذات کو پکار رہے ہو وہ ہر قسم کی پکار کو سننے والا اور قریب ہے، وہ تمہاری سواری کے جانور کی گردن سے بھی زیادہ تم سے قریب ہے۔"[2]

---

1. صحیح مسلم (482)
2. صحیح بخاری (6384)

سورۃ الحج میں دو اسمائے حسنیٰ کا ایک ساتھ تذکرہ

1۔ پہلی جگہ دو اسمائے حسنیٰ ایک ساتھ:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَٱلَّذِينَ هَاجَرُوا۟ فِى سَبِيلِ ٱللَّهِ ثُمَّ قُتِلُوٓا۟ أَوْ مَاتُوا۟ لَيَرْزُقَنَّهُمُ ٱللَّهُ رِزْقًا حَسَنًا ۚ وَإِنَّ ٱللَّهَ لَهُوَ خَيْرُ ٱلرَّٰزِقِينَ ﴿٥٨﴾ لَيُدْخِلَنَّهُم مُّدْخَلًا يَرْضَوْنَهُۥ ۗ وَإِنَّ ٱللَّهَ لَعَلِيمٌ حَلِيمٌ ﴿٥٩﴾﴾ [سورۃ الحج:59-58].

(ترجمہ: اور جن لوگوں نے راہ خدا میں ترک وطن کیا، پھر وہ شہید کر دیئے گئے یا اپنی موت مر گئے، اللہ تعالیٰ انہیں بہترین رزق عطا فرمائے گا اور بیشک اللہ تعالیٰ روزی دینے والوں میں سب سے بہتر ہے۔ انہیں اللہ تعالیٰ ایسی جگہ پہنچائے گا کہ وہ اس سے راضی ہو جائیں گے، بیشک اللہ تعالیٰ علم اور بردباری والا ہے۔)

یہاں پر اللہ تعالیٰ کے دو اسمائے حسنیٰ "علیم اور حلیم" ہجرت، جہاد اور اللہ کی راہ میں شہادت پانے کے سیاق میں آئے ہیں۔ یہ سارے اعمال نہایت مہتم بالشان اور بڑی عبادات کے زمرے میں آتے ہیں۔ اسی آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدوں اور اس ثواب عظیم کا بھی تذکرہ کیا ہے جو ان اعمال صالحہ کو انجام دینے والوں کے منتظر ہیں، یعنی بہترین رزق جن سے اللہ تعالیٰ انہیں نوازے گا۔ اللہ پاک کا عطا کردہ یہ رزق کبھی ختم بھی نہیں ہو گا۔ اس کے خاص بندوں کو یہ رزق دنیا، برزخ اور آخرت ہر جگہ میسر رہے گا۔ اللہ عزوجل کے دیئے ہوئے رزق کی جسامت و مقدار کا عقل انسانی تصور بھی نہیں کر سکتی ہے۔ ان آیات میں بندوں کو ایک دوسری بشارت یہ دی گئی ہے کہ اللہ پاک انہیں ایسی جنت میں داخل کرے گا جسے پا کر وہ خوش ہو جائیں گے۔ (اللہ پاک ہمیں ایسی جنت سے نوازے) ان تمام عظیم عبادتوں اور بڑے بڑے وعدوں اور بشارتوں کے ساتھ آیت کا اختتام "و إن الله لعليم حليم" پر ہوتا ہے، یعنی اللہ جاننے والا اور بردباری اختیار کرنے والا ہے۔ یہ بات

سب کو معلوم ہے کہ حلم و بردباری کی ضرورت وہاں ہوتی ہے جب بندے نے گناہ کیا ہو اور اسے معاف کرنے کا موقع ہو تب اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ حلم و بردباری کا مظاہرہ کرتے ہوئے اسے معافی عطا کرتا ہے اور فوراً اسے سزا نہیں دیتا ہے، لیکن یہاں تو مجاہدین، مہاجرین اور شہداء کا تذکرہ ہے، ان سے کون سے گناہ سرزد ہوئے جو اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ حلم و بردباری کا معاملہ کر رہا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ بندوں کے دلوں میں کیا چل رہا ہوتا ہے اور ان کے سینوں میں کیا چھپا ہوتا ہے۔ بڑی بڑی عبادات و نیکیوں کو انجام دینے کے بعد بھی انسان سے تقصیر، بھول چوک اور لغزشیں ہو جاتی ہیں۔ ان کے دلوں میں کبھی ناپسندیدہ خیالات و وسوسے جنم لیتے ہیں، کبھی وہ خود پسندی و ریاکاری میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اور اللہ پاک کو بندے کے ان تمام پوشیدہ گناہوں کا علم ہوتا ہے تو وہ بندے کے ساتھ عفو و درگزر کا معاملہ کرتا ہے، وہ بندے کو فوراً سزا نہیں دیتا ہے بلکہ اس کے ساتھ حلم و بردباری کا معاملہ کرتا ہے۔ یہ بندے پر اللہ کی رحمت ہی ہے کہ وہ اسے اس کے برے خیالات اور وسوسے کے حوالے نہیں کرتا ہے، بلکہ اس کی کمزوری اور اس کے دلوں کی بدلتی حالت کی رعایت کرتے ہوئے اسے معاف کر دیتا ہے۔ اس پر اللہ پاک کی جتنی حمد و ثناء کی جائے کم ہے۔

2۔ دوسری جگہ دو اسمائے حسنیٰ ایک ساتھ:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿۞ ذَٰلِكَ وَمَنْ عَاقَبَ بِمِثْلِ مَا عُوقِبَ بِهِۦ ثُمَّ بُغِيَ عَلَيْهِ لَيَنصُرَنَّهُ ٱللَّهُ ۗ إِنَّ ٱللَّهَ لَعَفُوٌّ غَفُورٌ ﴿٦٠﴾﴾ [سورة الحج:60].

(ترجمہ: اور جس نے بدلہ لیا اسی کے برابر جو اس کے ساتھ کیا گیا تھا، پھر اگر اسی سے زیادتی کی جائے تو یقیناً اللہ تعالیٰ خود اس کی مدد فرمائے گا، بیشک اللہ درگزر کرنے والا بخشنے والا ہے۔)

اللہ پاک کے یہ دو نام "عفو غفور" ظلم و زیادتی اور اذیت و تکلیف کے سیاق میں آئے ہیں۔

جس نے آپ پر ظلم کیا، آپ پر غلبہ پا کر آپ کو مشق ستم بنایا اور تکلیف پہنچائی تو آپ اس سے اپنا حق واپس لے سکتے ہیں۔ اس سے اپنا بدلہ وصول کر سکتے ہیں، لیکن اس معاملہ میں آپ کو یہ خیال رکھنا ہو گا کہ آپ کی طرف سے زیادتی نہ ہو، لیکن اس سے بھی زیادہ اعلی وارفع درجہ اور بہتر و مکمل انسانی رویہ وہ ہے جو اللہ پاک کے ان دونوں ناموں "إن الله لعفو عفور" سے معلوم ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت مبارکہ میں اپنے ان دو ناموں کے ذریعہ اپنے عفو و درگزر، پردہ پوشی اور مغفرت کی یاد دہانی کرائی ہے کہ آپ اس بات کو ہر گز نہ بھولیں کہ آپ کی طرف سے اس کے احکام ونواہی کی خلاف ورزیوں اور آپ کے گناہوں وخطاؤں کی کثرت کے باوجود وہ آپ کے ساتھ عفو ودرگزر کا معاملہ کرتا ہے، لہذا آپ بھی اس کے بندوں کے ساتھ وہی سلوک کریں جو آپ اپنے لئے پسند کرتے ہیں، اگر آپ چاہتے ہیں کہ آپ کا رب آپ کو معاف کرتا رہے تو آپ کو بھی اس کے بندوں کے ساتھ یہی رویہ و سلوک اختیار کرنا ہو گا۔ آپ لوگوں کے ساتھ جیسا معاملہ کریں گے، اللہ آپ کے ساتھ ویسا ہی معاملہ کرے گا۔ اللہ پاک کے ان دو ناموں کا امتزاج آپ کو بہت ہی بلند مقام تک پہنچانے والا ہے۔ جو بندوں کے معاملہ میں اس طرح عفو ودرگزر پر قادر ہو اس کے لئے بڑی خوشخبری ہے۔

3۔ تیسری جگہ دو اسمائے حسنیٰ ایک ساتھ:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ذَٰلِكَ بِأَنَّ ٱللَّهَ يُولِجُ ٱلَّيْلَ فِى ٱلنَّهَارِ وَيُولِجُ ٱلنَّهَارَ فِى ٱلَّيْلِ وَأَنَّ ٱللَّهَ سَمِيعٌۢ بَصِيرٌ ﴿٦١﴾﴾ [سورة الحج:61].

(ترجمہ: یہ اس لئے کہ اللہ رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے اور بیشک اللہ سننے والا دیکھنے والا ہے۔)

اللہ کی قدرت کے بیان کے سیاق میں آئے ہیں۔ اس آیت میں اللہ کی اس قدرت کا تذکرہ ہوا ہے کہ وہ رات کو دن میں اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے، اس کے بعد آیت کا اختتام "و أن الله سميع بصير" پر ہوا ہے۔

اس میں بندوں کے لئے یہ تنبیہ ہے کہ تم یہ مت سمجھو کہ تم رات کی تاریکی یا دن کے اجالے میں اللہ کی نظر سے پوشیدہ رہ سکتے ہو، تم یہ مت سمجھو کہ رات کی تاریکی تمہیں اللہ کی سماعت و بصارت سے دور رکھے گی۔ اللہ پاک ہر طرح کی آواز کو سننے پر قادر ہے، چاہے وہ بلند آواز ہو یا کانا پھوسی ہو یا کراہنے کی دھیمی آواز ہو یا رینگنے کی ہلکی چاپ ہو یا قریب کی آواز ہو یا دور کی، چاہے وہ عرب کی آواز ہو یا عجم کی وہ سب کو سننے اور سمجھنے پر قادر ہے۔ اللہ کی ذات پاک ہے جس کی قوت سماعت ان تمام قسم کی آواز کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔

اللہ تعالیٰ آپ کو جس طرح دن کی روشنی میں دیکھتا ہے اسی طرح وہ رات کی تاریکی میں بھی دیکھنے پر قادر ہے۔ وہ آپ کو تب بھی دیکھتا ہے جب آپ نے اپنے اوپر ہر طرف سے دروازے بند کر رکھے ہوں، کوئی چیز آپ کو اس کے علم و نظر سے چھپا نہیں سکتی ہے، نہ دیواریں، نہ دروازے، نہ تالے۔ وہ آپ کو بھی دیکھتا ہے اور وہ رات کی تاریکی میں ایک سیاہ چٹان کے اوپر رینگتی ہوئی سیاہ چیونٹی کو بھی دیکھتا ہے، آپ اس سے بھاگ کر کہاں جائیں گے؟

اللہ پاک کے ان ناموں کا جب آپ صحیح طور پر ادراک کرتے ہیں تو آپ اپنے رب کی نگرانی کو ہر دم اپنے ذہن میں تازہ رکھتے ہیں، آپ کے دل میں اللہ تعالیٰ سے حیا پیدا ہوتی ہے، پھر اللہ عزوجل کے ساتھ آپ کا ادب و احترام بڑھ جاتا ہے، پھر آپ آسانی کے ساتھ گناہ کی طرف قدم بڑھانے کی جرأت نہیں کرتے۔

یہاں سے آپ کے نفس کا تزکیہ شروع ہو جاتا ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا: بندہ اپنے نفس کا تزکیہ کیسے کرتا ہے؟ آپ نے فرمایا: وہ جانتا ہے کہ وہ جہاں پر بھی ہو، اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ موجود ہے۔

حسن بن علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے: بندہ کو جتنا زیادہ اس بات کا استحضار ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے دیکھ رہا ہے اتنا ہی زیادہ اسے اللہ کا قرب حاصل ہوتا ہے۔

بندے کا رب کے تعلق سے یہ استحضار جتنا زیادہ قوی ہوگا اس کی حکمت و فراست اتنی ہی زیادہ بلند ہوگی جیسا کہ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے بارے میں کہا تھا: "مجھے لگتا ہے کہ جیسے ان کی آنکھوں کے سامنے کوئی فرشتہ ہے جو انہیں صحیح رائے دینے میں مدد کرتا ہے اور صحیح سمت میں ان کی رہنمائی کرتا ہے"۔ ایسا انہوں نے عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ بہت زیادہ توفیق الٰہی کے شامل حال ہونے کی وجہ سے کہا۔ عمر رضی اللہ عنہ کے اس مقام تک پہنچنے کا راز یہی تھا کہ ہر معاملے میں ان کے پیش نظر یہ بات ہوتی تھی کہ اللہ پاک دیکھ رہا ہے۔

اللہ پاک بندے کے دلوں سے اتنا ہی قریب ہوتا ہے جتنا بندوں کے دل اس سے قریب ہوتے ہیں۔

4۔ چوتھی جگہ دو اسمائے حسنیٰ ایک ساتھ:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ذَٰلِكَ بِأَنَّ ٱللَّهَ هُوَ ٱلْحَقُّ وَأَنَّ مَا يَدْعُونَ مِن دُونِهِۦ هُوَ ٱلْبَٰطِلُ وَأَنَّ ٱللَّهَ هُوَ ٱلْعَلِيُّ ٱلْكَبِيرُ ﴿٦٢﴾﴾ [سورة الحج: 62].

(ترجمہ: یہ سب اس لئے کہ اللہ ہی حق ہے اور اس کے سوا جسے یہ پکارتے ہیں وہ باطل ہے اور بیشک اللہ تعالیٰ ہی بلندی والا کبریائی والا ہے۔)

یہاں اس آیت مبارکہ میں اللہ پاک کے دو اسمائے حسنیٰ "العلی الکبیر" کا ذکر بیان توحید کے سیاق میں آیا ہے۔ اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ اللہ ہی حق ہے، وہی معبود ہے، تنہا اسی کی ذات اس کی مستحق ہے کہ صرف اسی کی عبادت کی جائے، اس کے اوپر کوئی چیز نہیں ہے، وہ ہر چیز سے اوپر ہے، اس کی ذات ہر چیز سے بڑی ہے، لہذا اے بندۂ محتاج! تمہارا رجوع و انابت، تمہارا تعلق، تمہارا سہارا صرف اللہ علی و کبیر کی ذات کی طرف ہونا چاہیے۔

اللہ پاک کی ذات کی بلندی کا مطلب یہ ہے کہ آپ کا یہ عقیدہ ہو کہ اللہ اپنی ذات کے اعتبار سے اپنی مخلوقات پر بلندی و فوقیت رکھتا ہے، وہ تمام مخلوقات اور ہر چیز سے بلند تر ہے اور اپنے عرش پر مستوی ہے، اس کی بلندی مطلق ہے۔ عمل بلند ہو کر اس کے پاس پہنچتا ہے جیسا کہ اس کا ارشاد ہے: ﴿إِلَيْهِ يَصْعَدُ ٱلْكَلِمُ ٱلطَّيِّبُ وَٱلْعَمَلُ ٱلصَّٰلِحُ يَرْفَعُهُۥ﴾ [سورة فاطر: 10].

(ترجمہ: تمام ترستھرے کلمات اسی کی طرف چڑھتے ہیں اور نیک عمل ان کو بلند کرتا ہے۔)

اللہ پاک کی صفات کی بلندی کا مطلب یہ ہے کہ آپ کا یہ عقیدہ ہونا چاہیے کہ آپ کا رب کامل الصفات ہے، تمام صفات میں اسے مطلق طور پر کمال حاصل ہے، اس کے کمال سے اوپر کوئی کمال نہیں ہے۔ جیسا کہ اس کا ارشاد ہے: ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِۦ شَىْءٌ ۖ وَهُوَ ٱلسَّمِيعُ ٱلْبَصِيرُ ﴿١١﴾﴾ [سورة الشوری: 11]. (ترجمہ: اس کے مثل کوئی چیز نہیں ہے، وہ سننے والا دیکھنے والا ہے۔)

آپ کے دل کو اس بات کا مکمل اطمینان ہونا چاہیے کہ وہ اپنے بندوں کے ساتھ اسی کمال صفت کے ساتھ معاملہ کرتا ہے۔ اسی کمال صفت کی وجہ سے وہ اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتا، اپنے بندوں کو بلاوجہ ہلاک نہیں کرتا، کسی کو بدبختی و محرومی میں مبتلا نہیں کرتا اور نہ کسی کو ضائع کرتا ہے۔

اس کو سمجھنے کے لئے آپ اس پر غور کیجئے کہ اللہ تعالیٰ اپنے گنہگار بندہ کے ساتھ کس طرح معاملہ کرتا ہے؟

☆ وہ بندے سے کمال حلم کے ساتھ معاملہ کرتا ہے، نہ اسے رسوا کرتا ہے، نہ پہلی ہی مرتبہ میں اس کا راز فاش کر دیتا ہے، نہ بہت جلدی اسے سزا دیتا ہے، بلکہ اسے ڈھیل اور مہلت دیتا ہے، وہ اسے بار بار موقع دیتا ہے کہ وہ اپنے گناہ سے تائب ہو جائے۔

☆ وہ بندہ کے ساتھ کمال رحمت کا معاملہ کرتا ہے۔ گناہ ہو جانے کے بعد وہ بندہ سے فوراً ہی اپنی عطا ونوازش کو روک نہیں لیتا ہے۔ بلکہ گناہ کے صدور کے بعد بھی بندہ کے ساتھ اللہ کا رحم وکرم جاری رہتا ہے، گناہ کے بعد بھی اس کے تمام جسمانی اعضاء بدستور کام کرتے رہتے ہیں، اس کا گردہ، پھیپھڑا اور جگر سب اپنی جگہ سلامت ہی رہتا ہے، اس کی زندگی کے کام کاج، گھریلو امور اور آل و اولاد سب پہلے ہی جیسے باقی رہتے ہیں، ان میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی ہے۔

☆ گناہ ہو جانے کے بعد بھی اللہ تعالیٰ بندہ کے ساتھ کمال حکمت وعلم واحسان اور لطف وکرم کا معاملہ جاری رکھتا ہے۔ گناہ کے بعد یا تو اسے نیک عمل کی توفیق دیتا ہے جو رشد وہدایت کی طرف اس کی واپسی کا سبب بنتا ہے، یا کوئی ایسی بات اس کے کانوں تک پہنچا دیتا ہے جو اس کے دل کو بیدار کر دیتی ہے تو وہ اپنے گناہ سے تائب ہو جاتا ہے، یا اس کے لئے کوئی آزمائش مقدر کر دیتا ہے جو اللہ کی طرف اس کی واپسی اور اس کے سامنے خود کو ڈال دینے کا سبب بن جاتا ہے، یا اس کے لئے اطاعت کے دروازے کھول دیتا ہے جس سے توبہ کرنے کا خیال اس کے دل میں پیدا ہو جاتا ہے، پھر وہ اس کے لئے توبہ کی راہ کو آسان کر دیتا ہے، اس کے لئے اس کی مدد کرتا ہے اور توبہ کرنے پر اس سے خوش ہوتا ہے، اسے اجر وثواب سے نوازتا ہے، اس کے گناہوں کو نیکیوں سے بدل دیتا ہے اور اس گناہ کو اس کے نامۂ اعمال سے اس طرح مٹا دیتا ہے جیسے کہ اس کا کوئی وجود ہی نہیں تھا۔

ان تمام معاملات کو انجام دینے پر صرف اللہ پاک کی ذات ہی قادر ہے اور یہ اس کی صفات کے کمال کا مظہر ہے۔ بندہ کی زبان سے اللہ پاک نے سچ کہا کہ ﴿إِنَّ رَبِّي عَلَىٰ صِرَٰطٍ مُّسْتَقِيمٍ ﴿٥٦﴾﴾

(بے شک میرا رب سیدھے راستہ پر ہے۔)

غلبہ و مشیئت کی بلندی:

اس سے مراد یہ ہے کہ آپ کا یہ عقیدہ ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کا معاملہ یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کر لیتا ہے تو کہتا ہے ہو جا اور وہ چیز ہو جاتی ہے، اللہ تعالیٰ اپنے معاملہ اور حکم پر غلبہ رکھنے والا ہے۔ جب اللہ پاک کسی چیز کا ارادہ کر لیتا ہے تو وہ واقع ہو کر رہتی ہے، اگرچہ رکاوٹ کے کتنے ہی اسباب کیوں نہ جمع ہو جائیں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ بند راستہ سے بھی کشادگی پیدا کر دیتا ہے۔

اے بندے!

کوئی چاہے کتنا ہی اثر و رسوخ والا اور صاحب اقتدار و قوت اور اعوان و انصار کا مالک کیوں نہ ہو، وہ چاہے تو آپ کو قید تنہائی میں ڈال دے، سزا سے دوچار کرے، دھتکار دے اور تکلیف و اذیت پہنچانے کا کام کرے۔ اللہ تعالیٰ اس سے بہت بڑا ہے، لہٰذا آپ صرف اللہ ہی سے ڈریں، صرف اسی سے امید باندھیں، صرف اسی سے فریاد کریں، صرف اسی سے مدد مانگیں اور صرف اسی ذات واحد کا سہارا لیں۔

یوسف علیہ السلام اپنے والدین کے محبوب نظر تھے، والدین کی نگاہ میں ان کی قدر و منزلت زیادہ ہونے کی وجہ سے ان کے بھائیوں کو ان سے حسد و جلن ہو گیا، پھر ان کے بھائیوں نے ان سے چھٹکارا پانے کی کوشش کی۔ اس کے لئے انہوں نے تدبیر اور پلاننگ کی اور مکر و فریب کا سہارا لیا تاکہ والدین کی نگاہ میں ان کی قدر و منزلت ہمیشہ بلند نہ رہے۔ بھائیوں نے یوسف علیہ السلام کے خلاف جو مکر جال استعمال کیا وہی ان کے مصر پہنچنے کا سبب بنا جہاں انہیں تخت و تاج بھی حاصل ہوا۔ یوسف علیہ السلام

کے ساتھ جب مکر و فریب کیا گیا تو اس کے نتیجہ میں ان کی قدر و منزلت صرف والدین کی نگاہ ہی میں بلند نہیں ہوئی بلکہ عوام الناس کے درمیان انہیں عزت و سربلندی حاصل ہوئی۔ یہ ہے غلبہ و اقتدار کی بلندی۔ اللہ کی تدبیر پر نہ کوئی غالب آسکتا ہے، نہ کوئی اس کی راہ میں رکاوٹ بن سکتا ہے، نہ کوئی اس کی معارضت و مخالفت کر سکتا ہے، نہ کوئی اس کی مشیئت کی راہ میں حائل ہونے کی کوشش کر سکتا ہے۔

5۔ پانچویں جگہ دو اسمائے حسنیٰ ایک ساتھ:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿أَلَمْ تَرَ أَنَّ ٱللَّهَ أَنزَلَ مِنَ ٱلسَّمَآءِ مَآءً فَتُصْبِحُ ٱلْأَرْضُ مُخْضَرَّةً ۗ إِنَّ ٱللَّهَ لَطِيفٌ خَبِيرٌ ﴿٦٣﴾﴾ [سورة الحج:63].

(ترجمہ: کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ آسمان سے پانی برساتا ہے، پس زمین سرسبز ہو جاتی ہے، بے شک اللہ تعالیٰ مہربان اور باخبر ہے۔)

یہاں اس آیت میں اللہ تعالیٰ کے دو اسمائے حسنیٰ "اللطیف الخبیر" کا ذکر کھیتی اور پودے کو نکالنے کے سیاق میں آیا ہے۔ اس کو اچھی طرح سمجھنے کے لئے ہم اس پر غور کریں کہ ایک بیج کو زمین کے اندر ڈالا جاتا ہے، پھر اسے پانی سے سیر اب کیا جاتا ہے، جب پانی اس کی جڑ تک پہنچتا ہے تو وہ بیج نرم ہو جاتی ہے اور پھر زمین کو چیر کر اس بیج کے اندر سے دھاگہ کی طرح باریک انکھوا نکلتا ہے، وہ شروع میں اتنا باریک ہوتا ہے کہ بمشکل ہی نظر آتا ہے، اگر غلطی سے بھی آپ کا ہاتھ یا پاؤں اس کے اوپر پڑ جائے تو وہ ایک دم سے چور چور ہو جاتا ہے۔ اتنی نرمی اور لطافت کے باوجود بیج سے نکلنے والا وہ باریک پودا زمین کو پھاڑ دیتا ہے، پھر بتدریج بڑا ہوتے ہوئے وہ ایک تناور درخت بن جاتا ہے، جس کی جڑیں، تنا، ٹہنیاں، پتیاں اور پھل بھی ظاہر ہوتے ہیں۔

اگر ہم ایک معمولی بیج کے تناور درخت بننے کے مرحلہ کو سمجھ لیں تو ہم سمجھ سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کس قدر لطافت و نرمی کے ساتھ چیزوں کو وجود میں لاتا ہے۔ اور وہ انسان کے لئے اس کے

معاملات زندگی کو بہت نرمی اور لطافت کے ساتھ آسان بنا کے پیش کرتا ہے۔ اللہ عزوجل آپ کی ذات، آپ کے حالات اور آپ کے تفکرات و غم سب سے باخبر ہے۔ وہ آپ کے دل کے احوال اور آپ کی چھوٹی چھوٹی کمزوریوں سے بھی واقف ہے۔ وہ آپ کے مفادات و منافع کو بہت لطیف طریقہ سے آپ تک پہنچاتا ہے کہ آپ کو اس کا احساس تک نہیں ہو پاتا جس طرح غیر محسوس طور پر بیج کا نرم و باریک پودا زمین کے سینہ کو چیر کر باہر نکل آتا ہے۔

اللہ تعالیٰ آپ کے اوپر آپ کی تقدیر کو جاری کرتا ہے، بعض مرتبہ ان تقدیروں کا سامنا کرنا تکلیف دہ اور پر مشقت ہوتا ہے، آپ اس تقدیر کے نرغے میں پھنس کر غم و اندوہ میں ڈوب جاتے ہیں، روتے ہیں، آنسو بہاتے ہیں لیکن اس تکلیف دہ تقدیر کے اندر بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کے لئے فوائد و منافع کا انتظام ہوتا ہے۔

بندہ کے لئے جاری کی گئی اللہ کی ہر تقدیر میں اس کے لئے لطف و کرم کا سامان ہوتا ہے۔ تقدیر اور اللہ کا لطف و کرم لازم ملزوم چیز ہے۔ جب اللہ کی لطیف و مہربان ذات آپ سے تکلیف و مصیبت کو دور کرنے کا ارادہ کر لیتی ہے تو آپ کی دکھ مصیبت سے ملاقات ہی نہیں ہوتی، پھر تو مصائب و آلام آپ کی ذات کا پتہ ہی بھول جاتے ہیں یا اگر کبھی ان سے آمنا سامنا ہوتا بھی ہے تو آپ اور وہ دونوں ایک دوسرے سے منہ موڑ کر دوسری سمت چل دیتے ہیں اور آپ کو کوئی گزند نہیں پہنچتا۔

اللہ تعالیٰ کے لطف و کرم کا ایک انداز یہ بھی ہے کہ جب وہ آپ کی مدد کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو عام طور پر جو سبب و وسیلہ کوئی اہمیت نہیں رکھتا وہ آپ کی مدد کا سب سے بڑا سبب اور وسیلہ بن جاتا ہے۔

جب یوسف علیہ السلام کو بلا قصور قید خانہ میں ڈال دیا گیا تھا اور اللہ تعالیٰ نے ان کو قید و بند کی زندگی سے نجات دینے کا ارادہ کیا تو اس نے قید خانہ کی در و دیوار کو تہس نہس ہو جانے کا حکم نہیں دیا اور نہ

انہیں قید میں ڈالنے والوں کی موت کا فیصلہ کیا، نہ ہی ان پر اپنا عذاب نازل کیا، بلکہ اس نے ایک خواب کو یوسف علیہ السلام کی جیل سے رہائی کا سبب بنادیا۔

وہ صرف ایک خواب تھا جو دھیرے سے شاہ مصر کے ذہن و دماغ تک پہنچا اور اسے بے چین کر کے رکھ دیا۔ وہ ایک معمولی اور لطیف سا سبب تھا جس کو ذریعہ بنا کر اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کو جیل کی اسیری سے نجات عطا کر دی۔ اللہ پاک کی ذات لطیف و خبیر ہے جو بہت آہستگی اور نرمی کے ساتھ اپنے احسان کو آپ تک پہنچا دیتی ہے۔

6۔ چھٹی جگہ دو اسمائے حسنیٰ ایک ساتھ:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿لَّهُۥ مَا فِى ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَمَا فِى ٱلْأَرْضِ ۗ وَإِنَّ ٱللَّهَ لَهُوَ ٱلْغَنِىُّ ٱلْحَمِيدُ ﴿٦٤﴾﴾ [سورة الحج:64].

(ترجمہ: آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے اسی کا ہے اور یقیناً اللہ وہی ہے بے نیاز تعریفوں والا۔)

یہاں اس آیت کریمہ میں اللہ پاک کے نام "الغنی الحمید" آسمانوں اور زمین کی ملکیت کے سیاق میں آئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں آسمانوں اور زمین اور ان دونوں کے اندر موجود تمام چیزوں کی ملکیت کا تذکرہ کیا ہے نیز اس نے یہ بھی بتایا ہے کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے ان سے وہ بے نیاز ہے۔ اس کے ذریعہ اس نے یہ بتایا ہے کہ اس نے ہمیں پیدا کیا ہے، لیکن وہ ہماری طرف سے بے نیاز ہے، اسے ہماری حاجت و ضرورت نہیں ہے، ہاں البتہ ہم اس کے محتاج ہیں۔

اس نے ہمیں اس لئے پیدا نہیں کیا ہے کہ ہماری کثرت تعداد کے ذریعہ وہ اپنی طاقت و قوت میں اضافہ کرے یا اس لئے کہ اسے ہماری حاجت و ضرورت ہے، بلکہ اس نے ہمیں اس لئے پیدا کیا ہے تاکہ ہماری ہر سانس اسی کے لئے ہو، ہماری حرکات و سکنات اسی کے لئے ہو، ہماری زندگی و موت اسی کے لئے ہو۔ اسی لئے اس نے اپنے نبی کی زبان سے یہ کہلوایا ہے: "قل إنَّ صلاتي و نسكي و محياي و

مماتي لله رب العالمين" (الأنعام/162)(ترجمہ: آپ فرما دیجئے کہ بالیقین میری نماز اور میری ساری عبادت اور میرا جینا اور میرا مرنا یہ سب خالص اللہ ہی کا ہے جو سارے جہاں کا مالک ہے۔)

اس استغناء اور بے نیازی کے باوجود وہ قابل تعریف ہے، ہر زبان پر اس کی تعریف کے کلمات ہیں۔ خوشی ہو یا غمی، آسانی ہو یا سختی ہر حالت میں اس کی تعریف ہے۔ اس کے کسی فعل میں خطا و غلطی کی گنجائش نہیں ہے، وہ محمود ہے اور دائمی حمد و ثناء کا مستحق ہے۔ اگر ان دونوں اسمائے حسنیٰ کا یہ مفہوم ہمارے ذہنوں میں مستحضر رہے تو ہمارے دلوں میں اس کی عظمت اور زیادہ جاگزیں ہو گی۔

7۔ ساتویں جگہ دو اسمائے حسنیٰ ایک ساتھ:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿أَلَمْ تَرَ أَنَّ ٱللَّهَ سَخَّرَ لَكُم مَّا فِى ٱلْأَرْضِ وَٱلْفُلْكَ تَجْرِى فِى ٱلْبَحْرِ بِأَمْرِهِۦ وَيُمْسِكُ ٱلسَّمَآءَ أَن تَقَعَ عَلَى ٱلْأَرْضِ إِلَّا بِإِذْنِهِۦٓ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ بِٱلنَّاسِ لَرَءُوفٌ رَّحِيمٌ ﴿٦٥﴾﴾ [سورة الحج:65].

(ترجمہ: کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اللہ ہی نے زمین کی تمام چیزیں تمہارے لئے مسخر کر دی ہیں اور اس کے فرمان سے پانی میں چلتی ہوئی کشتیاں بھی۔ وہی آسمان کو تھامے ہوئے ہے کہ زمین پر اس کی اجازت کے بغیر گر نہ پڑے، بیشک اللہ تعالیٰ لوگوں پر شفقت و نرمی کرنے والا اور مہربان ہے۔)

اس آیت میں اللہ پاک کے دو ناموں "رؤف رحیم" کا ایک ساتھ تذکرہ تسخیر کائنات کے سیاق میں ہوا ہے۔ اس میں یہ وضاحت کی گئی ہے کہ یہ اللہ کی رحمت و رافت اور شفقت و مہربانی ہے کہ اس نے اس کائنات کو انسان کے لئے مسخر کر دیا ہے اور آسمانوں و زمین کی چیزوں سے انسان کے لئے مستفید ہونا آسان کر دیا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو انسان بہت زیادہ مشقت اور زحمت میں مبتلا ہو جاتا، لیکن چونکہ وہ شفیق و مہربان رب ہے اور اس کی رحمت ہر رحمت سے بڑی اور وسیع ہے لہذا اس

نے انسان کی ضرورت کا لحاظ کر کے اس کائنات میں اس کے لئے زندگی گزارنا آسان کر دیا اور زمین و آسمان کی بہت سی چیزوں کو اس کے لئے مسخر کر دیا۔

ان باتوں کے فہم و شعور کی وجہ سے ہم اپنے رب سے بہت ساری امیدیں وابستہ کر پاتے ہیں، اس کی رحمت پر بھروسہ کرتے ہیں، اس سے حسن ظن رکھتے ہیں اور اپنے دلوں کے اندر اللہ پاک سے امید ہر چیز سے بڑھ کر محسوس کرتے ہیں، ہمارے گناہوں سے زیادہ اس کی رحمت اور عفو و کرم کی امید ہمارے دلوں میں موجود رہتی ہے، چاہے ہمارے گناہ جتنے بھی زیادہ ہو جائیں، اس لئے کہ ہمارے رب کی ذات انسان کے وہم و گمان سے بھی زیادہ احسان کرنے والی اور شفقت و رحمت کا معاملہ کرنے والی ہے۔

اللہ کے وہ اسمائے حسنی جو سورہ حشر کے اواخر میں وارد ہوئے ہیں:

(هُوَ اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ هُوَ الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ هُوَ اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْمَلِكُ الْقُدُّوسُ السَّلَامُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ سُبْحَانَ اللَّهِ عَمَّا يُشْرِكُونَ هُوَ اللَّهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَى يُسَبِّحُ لَهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ)

ترجمہ:وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں چھپے کھلے کا جاننے والا مہربان اور رحم کرنے والا ہے، وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں،بادشاہ،نہایت پاک،سب عیبوں سے صاف،امن دینے والا،نگہبان،غالب زور آور اور بڑائی والا،پاک ہےاللہ ان چیزوں سے جنہیں یہ اس کا شریک بناتے ہیں،وہی ہے اللہ پیدا کرنے والا وجود بخشنے والاصورت بنانے والا،اسی کے لئے اچھے نام ہیں۔ ہر چیز خواہ وہ آسمانوں میں ہو خواہ زمین میں ہو اس کی پاکی بیان کرتی ہے اور وہی غالب حکمت والا ہے۔

- آیتوں کی ابتداء لفظ جلالہ "اللہ"سے ہوئی ہے..

یہ جو ذات الٰہی کا نام ہے،یہ(تمام)ناموں میں سب سے زیادہ عام اور سب سے زیادہ عظیم الشان ہے،اسی سے تمام اسماء وصفات جانے جاتے ہیں،اور سب کے سب لفظِ جلالہ "اللہ"میں داخل ہیں۔

اسمِ "اللہ" کے معنی ومفہوم:اس کے معنی(جس کی عبادت کی جائے)یعنی معبود کے ہیں،اللہ تعالی فرماتا ہے: (وَهُوَ اللَّهُ فِي السَّمَاوَاتِ وَفِي الْأَرْضِ)

ترجمہ:وہی اللہ ہے جو آسمانوں اور زمین میں ہے۔

اللہ کا فرمان ہے:(وَهُوَ الَّذِي فِي السَّمَاءِ إِلَهٌ وَفِي الْأَرْضِ إِلَهٌ)

ترجمہ:وہی آسمانوں میں معبود ہے اور زمین میں بھی وہی قابل عبادت ہے۔

یعنی اللہ ہی ایسا معبود ہے جس کی عبادت آسمان وزمین والے کرتے ہیں...تمام مخلوقات،انس وجن،پہاڑ،درخت اور ہوائیں،سب کے سب اللہ کی بندگی کرتے ہیں،اس پاک ذات کی عبادت کرتے اور اس کے لئے سر نگوں ہوتے ہیں..

جب سورج غروب ہوگیا تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے سورج کے بارے میں سوال کرتے ہوئے ان سے کہا:

اے ابوذر! تمہیں معلوم ہے یہ آفتاب کہاں غروب ہوتا ہے؟ میں نے عرض کیا: اللہ اور اس کے رسول کو زیادہ علم ہے۔آپ ﷺ نے فرمایا کہ:" یہ سورج جاکر عرش کے نیچے سجدہ کرتا ہے"[1]۔

یہ آفتاب...جو ایک بڑی مخلوق اور نشانی و معجزہ ہے،وہ بھی مخلوق ہے جسے مسخر کیا گیا ہے اور وہ پابندِ حکم ہے...جب غروب ہوتا ہے تو عرش کے نیچے عاجزی و بے بسی اور اللہ کی عظمت و کبریائی کا اعتراف کرتے ہوئے سجدہ ریز ہوجاتا ہے..!

[1] اس حدیث کو امام بخاری نے روایت کیا ہے۔

فرشتے جو کہ تمام مخلوقات میں سب سے عظیم اور اللہ سے سب سے قریب ہیں،اللہ کے حکم کی خلاف ورزی نہیں کرتے ہیں... اللہ نے انہیں صرف اپنی اطاعت کے لئے پیدا کیا ہے...

ان کی اس عظمت شان کے باوجود اللہ جب وحی کے ذریعے گفتگو کرتا اور کوئی حکم نافذ کرتا ہے... تو اس وقت آسمان کے فرشتوں کی کیا حالت ہوتی ہے...؟

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ سے نقل کیا کہ آپ ﷺ نے فرمایا:"جب اللہ تعالیٰ آسمان میں کوئی فیصلہ کرتا ہے تو فرشتے اس کے فرمان کے آگے عاجزی کا اظہار کرنے کے لیے اپنے بازو مارتے ہیں (اور ان سے ایسی آواز نکلتی ہے) جیسے پتھر پر زنجیر ماری گئی ہو۔اللہ ان فرشتوں پر اس حکم کو نافذ کرتا ہے"[1]۔

یہ فرشتے اپنے پروں کو اللہ کی تعظیم میں جھکا دیتے اور خود پست وعاجز ہوجاتے ہیں.. گویا کہ یہ آواز پتھر پر پڑنے والی زنجیر کی آواز سی ہو...یعنی لوہے کی زنجیر ہو جسے چکنے پتھر پر مارا گیا ہو....اللہ ان فرشتوں پر اس حکم کو نافذ کرتا ہے..اس سے ان کے دلوں میں خوف پیدا ہوجاتا ہے،پھر ان کے اوپر غشی طاری ہوجاتی ہے اور انہیں یہ علم نہیں رہتا کہ اللہ نے کس وحی کے ذریعے گفتگو کیا...!

جب اللہ وحی کے ذریعے گفتگو کرتا ہے تو اللہ کے خوف سے آسمانوں میں کپکپی یا بھونچال پیدا ہوجاتا ہے،جب آسمانوں کے فرشتے یہ گفتگو سن لیتے ہیں تو وہ بے ہوش

---

[1] اس حدیث کو امام بخاری نے روایت کیا ہے۔

ہوکر سجدہ ریز ہوجاتے ہیں...پھران سے یہ بے ہوشی ختم ہوجاتی ہے،جب ان کی بے ہوشی ختم ہوتی ہے وہ ایک دوسرے سے پوچھنے لگتے ہیں...فرشتے کہتے ہیں: (قَالُوا مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ قَالُوا الْحَقَّ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيرُ)

ترجمہ: وہ پوچھتے ہیں تمہارے پروردگار نے کیا فرمایا؟جواب دیتے ہیں کہ حق فرمایا،اور وہ بلند وبالا اور بہت بڑا ہے۔

سب سے پہلے جن سے یہ خوف ختم ہوتا ہے وہ جبریل علیہ السلام ہیں،وہ وحی لے کر باقی فرشتوں کے پاس گزرتے ہیں یہاں تک کہ وحی کا سلسلہ وہاں ختم ہوتاہے جہاں اللہ کاارادہ ہوتاہے....یہ فرشتوں کی حالت ہے...!اسی لئے اللہ نے انسانوں کی مذمت بیان کی ہے:(مَا لَكُمْ لَا تَرْجُونَ لِلَّهِ وَقَارًا)

ترجمہ:تمہیں کیا ہوگیا ہے کہ تم اللہ کی برتری کا عقیدہ نہیں رکھتے۔

تمہیں کس چیز نے آفت میں ڈال دیا...! اور تمہیں کیا ہوگیا کہ تمہارے دلوں میں اللہ کی عظمت کم ہوگئی۔۔!

- اللہ تعالی فرماتاہے: (وَلَوْ أَنَّمَا فِي الْأَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ أَقْلَامٌ وَالْبَحْرُ يَمُدُّهُ مِنْ بَعْدِهِ سَبْعَةُ أَبْحُرٍ مَا نَفِدَتْ كَلِمَاتُ اللَّهِ)

ترجمہ: روئے زمین کے(تمام)درختوں کے اگر قلمیں ہوجائیں اور تمام سمندروں کی سیاہی ہو اور ان کے بعد سات سمندر اور ہوں تاہم اللہ کے کلمات ختم نہیں ہوسکتے۔

یہ(اللہ کی)عظمت کی مضبوط ترین نشانیوں میں سے ایک ہے...!

اگر کرہ ارضی کے ہر درخت کو قلم بنادیا جائے..اور روئے زمین کے تمام سمندروں اور اس کے ساتھ مزید سات سمندروں کو سیاہی بنادیا جائے جس سے قلمیں لکھیں، تو قلمیں ٹکڑے ٹکڑے ہوجاتے،لیکن اللہ کے کلمات ختم نہیں ہوتے....!

اسی لئے رسول اللہ ﷺ دیہاتی سے غصہ ہوگئے،آپ نے اس سے فرمایا:تمہاری بربادی ہو،کیا تم جانتے ہو اللہ(کی عظمت شان)کیا ہے...!!

اللہ کی قسم! ہم نے اللہ کی اتنی قدر نہیں کی جتنی قدر کا وہ حق دار ہے...اور ہم نے اسے وہ عظمت نہیں دیا جتنی عظمت کا وہ حق رکھتا ہے....اس لئے کہ ہم کما حقہ اس کی معرفت نہیں رکھتے..

بندہ کے لئے یہ ممکن نہیں کہ وہ اپنے دل کو تعظیم کے مقام پر لاکھڑا کرے...اور یہ مقام "ایاک نعبد وایاک نستعین" کی منزلوں میں سے ایک منزل ہے..الا یہ کہ اس کے پاس اللہ کی معرفت ہو...

اگر ہم(اللہ کی)تعظیم بجالانا چاہتے ہیں تو معرفت الٰہی سے لیس ہونا ہمارے لئے ضروری ہے۔

- وہ چھپے،کھلے کا جاننے والا ہے:

یعنی وہ پوشیدہ اور ظاہر سب کو جانتا ہے..اس کا علم ہر چیز کو محیط ہے...تما م ظاہر وباطن،عالم علوی وسفلی، خشکی وسمندر،پہاڑ وگھاٹی،اور ماضی ومستقبل اس کے علم کے احاطے میں ہے...

مخلوق کی باریک سے باریک چیزیں اس کے علم میں ہیں: (وَعِنْدَهُ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَرَقَةٍ إِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِي ظُلُمَاتِ الْأَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَلَا يَابِسٍ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُبِينٍ)

ترجمہ: اللہ تعالی ہی کے پاس ہیں غیب کی کنجیاں(خزانے)۔ ان کو کوئی نہیں جانتا بجز اللہ تعالی کے اور وہ تمام چیزوں کو جانتا ہے جو کچھ خشکی میں ہےاور جو کچھ دریاؤں میں ہے اور کوئی پتا نہیں گرتا مگر وہ اس کو بھی جانتا ہے اور کوئی دانا زمین کے تاریک حصوں میں پڑتا اور نہ کوئی خشک چیز گرتی ہے مگر یہ سب کتاب مبین میں ہیں۔

رائی کا ایک دانا بھی اس سے اوجھل نہیں: خواہ وہ ذرہ چھوٹی چیونٹی کے برابر ہو یا کے ذرات کے بقدر.. وہ بھی اللہ سے مخفی اور پوشیدہ نہیں۔

کوئی پتا...ہر پتا...کہاں گرتا ہے؟کیسے گرتا ہے؟کس زمین پر گرتا ہے..؟اور کون سی ہوا اسے اڑاتی ہے..!!

اللہ پاک اپنی مخلوق کی تفاصیل،سمندر کے قطرات،بحر احمر،بحر متوسط ، سمندروں...نہروں میں بہنے والے پانی کے قطروں سے باخبر ہے...اور یہ بھی جانتا ہے کہ کتنا قطرہ سمندر کی شکل اختیار کرتا ہے...؟کتنا قطرہ باقی رہتا اور کتنا وجود میں آتا ہے؟

اللہ مچھر کی خلقت کی تفاصیل... جیسے گودے،رگ،اور اس کے خون کو بھی جانتا ہے...وہ کہاں اڑتا ہے؟کتنی بار ڈستا ہے؟اور کتنی بار ڈسے گا؟...کتنا....اور کتنا...سب سے وہ آشنا ہے۔

جب اللہ اپنی مخلوق کی تفصیلوں ....اور ہر باریک سے باریک چیزوں کو جانتا ہے ...تو اے آدم کی اولاد! تم اس سے چھپ نہیں سکتے...!

اس نام کے ذریعہ عبادت کرنے کے اثرات:

۱-بندہ اللہ کی نظر سے شرم محسوس کرتا ہے، اور اس بات سے شرم محسوس کرتا ہے کہ اللہ تعالی کو اس کی طرف دیکھنے والوں سے میں سب سے کمتر اور بے وقعت سمجھے، بلکہ وہ اسے بڑی اہمیت اور مقام دیتا ہے کہ اللہ اسے دیکھ رہا ہے...!

آپ اس بات سے ہوشیار رہیں کہ اللہ تعالی آپ کو کسی ایسی جگہ پر یا ایسی حالت میں دیکھے جو اس پاک وبرتر کو پسند نہیں، پھر آپ اس کی نظر میں گر جائیں..جو اللہ کی نظر میں گر جائے اسے کوئی بلند نہیں کر سکتا...الا یہ کہ اللہ تعالی اسے اپنی رحمت سے ڈھانک لے، کیوں کہ گناہ، گناہ گاروں کو پست وذلیل کر دیتا، ان کی وقعت ومرتبہ کو ختم کر دیتا، مخلوق کو اس پر مسلط کر دیتا اور لوگوں کے ادب واحترام سے انہیں محروم بنا دیتا ہے:(وَمَنْ يُهِنِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ مُكْرِمٍ)

ترجمہ: جسے رب ذلیل کر دے اسے کوئی عزت دینے والا نہیں۔

۲-وہ اللہ کے ساتھ امن وامان محسوس کرتا ہے جس کے نتیجے میں اس کا خوف فزوں تر ہو جاتا ہے، سب سے زیادہ اسے جس آیت سے خوف ہوتا ہے وہ یہ ہے:(يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَخُونُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ وَتَخُونُوا أَمَانَاتِكُمْ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ)

ترجمہ: اے ایمان والو! تم اللہ اور رسول (کے حقوق) میں جانتے ہوئے خیانت مت کرو اور اپنی قابل حفاظت چیزوں میں خیانت مت کرو۔

خیانت کا لفظ بہت خوفناک ہے، کیوں کہ جو شخص راہِ الٰہی پر چلنے میں راست باز ہو، اللہ کے اسماء وصفات کے ذریعے اس کی عبادت کرتا ہو، وہ اپنے رب کے سامنے خیانت، جھوٹ اور دورخی کے ساتھ ایک پل تو کیا ایک لمحہ کے لئے بھی نہیں جاسکتا..!

وہ نہیں چاہتا کہ اس کا شمار ان لوگوں میں ہو جن کے بارے میں اللہ تعالی فرماتا ہے:
(يَسْتَخْفُونَ مِنَ النَّاسِ وَلَا يَسْتَخْفُونَ مِنَ اللَّهِ)

ترجمہ:وہ لوگوں سے تو چھپ جاتے ہیں، (لیکن) اللہ تعالیٰ سے نہیں چھپ سکتے۔

وہ خیانت سے ڈرتا ہے، بلکہ اس لفظ کو ہی ناپسند کرتا ہے، کیوں کہ وہ جانتا ہے کہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے:(إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ خَوَّانًا أَثِيمًا)

ترجمہ:یقیناً دغاباز گنہگار اللہ تعالیٰ کو اچھا نہیں لگتا۔

یہ صفت صیغہ مبالغہ کے ساتھ آئی ہے، اس لئے کہ اللہ تعالی اسے ناپسند کرتا ہے جس کے اندر بہت زیادہ خیانت پائی جاتی ہو.. اللہ اسے ناپسند کرتا ہے جو بڑا گناہ گار (اور حدود الٰہی کو) تجاوز کرنے والا ہو...

بندے کی ہلاکت وتباہی کے لئے یہی کافی ہے کہ وہ اس دنیا میں یہ جانتے ہوئے زندگی گزارے کہ اللہ تعالی اسے ناپسند کرتا ہے کیوں کہ وہ بڑا خائن ہے...!!

کیا اس خوف کے اندر رہ کر انسان اللہ کی عبادت کر سکتا ہے...؟

نہیں، بلکہ یہ ناممکن ہے، کیوں کہ جب بندے پر خوف حاوی ہو جاتا ہے تو وہ پوری طرح ناامید ہو جاتا ہے، اپنے پروردگار کی رحمت سے مایوس ہو جاتا ہے، ہم انسان وقتاً فوقتاً غلطیاں کرتے، لغزش کھاتے اور گناہ کرتے ہیں... امید اور محبت ہی (ہمارا سہارا بنتی ہیں) اور یہ خوف و خشیت کے بعد بندگی کے اہم ارکان ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ جل جلالہ جلال و جمال کی صفات سے متصف ہے، صفات جلال بندے کے دل میں خوف و خشیت، تعظیم اور ہیبت پیدا کرتی ہیں، جب کہ صفات جمال بندے کے دل میں محبت، امید، حسن ظن، اللہ سے تعلق، خوشی و مسرت، لذت اور اشتیاق پیدا کرتی ہیں... چنانچہ بندہ اپنے پروردگار کی طرف محبت اور شوق کے ساتھ بڑھتا رہتا ہے، اور بندے اور رب کے درمیان ایسا رشتہ پیدا ہوتا ہے جس کی عکاسی قرآن کی ان آیتوں میں کی گئی ہے: (يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ)

ترجمہ: وہ ان سے محبت کرے گا اور وہ اس سے محبت کریں گے۔

(رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ)

ترجمہ: اللہ ان سب سے راضی ہوا اور وہ سب اس سے راضی ہوئے۔

(وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ)

ترجمہ: ایمان والے اللہ کی محبت میں بہت سخت ہوتے ہیں۔

اگر بندے اور رب کے درمیان یہ محبت قائم ہو جائے تو بندہ ہر قسم کی نعمتوں کے ساتھ زندگی گزر بسر کرے گا... پوری زندگی آسائشوں سے آباد ہوگی.... دنیاوی محرومی کی اسے ذرا بھی پرواہ نہیں ہوگی، کیوں کہ وہ عظیم ترین مقصد اور اپنے پروردگار کی محبت سے بہرہ مند ہوگا...!

قرآن کی عظمت پر غور کریں کہ اس نے پہلے اللہ سے خوف دلایا: (کیوں کہ) لفظ جلالہ "اللہ" خوف وخشیت پیدا کرتا ہے، "وہ جاننے والا ہے پوشیدہ چیزوں کا اور ظاہر چیزوں کا" (یہ جملہ) اللہ کی نگرانی (کا خوف) اور (اس تعلق سے) بیداری پیدا کرتا ہے... اس کے بعد جو صفت آئی ہے وہ ہے:

- "الرحمن الرحیم" تاکہ بندہ مایوس نہ ہو بلکہ پروردگار سے اس کا تعلق خوف وامید کے درمیان کا ہو۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: "یہ دو نام بڑے نرم اور لطیف ہیں، ان میں سے ایک دوسرے سے زیادہ لطیف اور نرم ہے" یعنی ان میں سے ایک زیادہ رحمت پر مبنی ہے۔

الرحمن:

یہ نام اللہ کی کشادہ رحمت پر دلالت کرتا ہے، جس میں تمام مخلوقات شامل ہیں: جن وانس.. مومن وکافر.. نیک وبدکار.. ہر مخلوق اللہ کی کشادہ رحمت سے فیض اٹھا رہی ہے...

-وہ گناہ گار جو گناہوں میں ملوث ہوتا ہے، اس پر بھی اللہ رحم کرتا ہے، جب کہ وہ اس پر گرفت کرنے کی قدرت رکھتا ہے، لیکن آپ اسے دیکھتے ہیں کہ (آزادی کے ساتھ) سانس لیتا اور حرکت ونشاط کرتا ہے..

-بارش رحمت الہی کی ایک شکل ہے، جب نازل ہوتی ہے تو کسی خاص فرد پر نہیں نازل ہوتی، بلکہ نیک وبدکار ہر شخص پر نازل ہوتی ہے...

-سورج تمام لوگوں کو روشنی وتابانی فراہم کرتا ہے، خواہ مومن ہو یا کافر..

یہ سب کے سب اللہ تعالی کی کشادہ رحمت کے مظاہر ہیں، جسے اللہ دنیا کے اندر اپنی مخلوق سے منقطع نہیں کرتا، چنانچہ کافر کو کفر کے باوجود ... فاسق کو فسق وفجور کے باوجود.. گناہ گار کو معصیت ونافرمانی کے باوجود اپنی نوازش سے سرفراز کرتا ہے... یہ سب رب تعالی کی نوازش ہے، جس کی بنیاد اللہ کی کشادہ رحمت پر ہے:(فَقُلْ رَّبُّكُمْ ذُو رَحْمَةٍ وَاسِعَةٍ)

ترجمہ: آپ فرمادیجئے کہ تمہارا رب بڑی وسیع رحمت والا ہے۔

الرحیم:

(وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِينَ رَحِيمًا)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ مومنوں پر بہت ہی مہربان ہے۔

یہ خاص رحمت ہے جو جاری وساری رہتی ہے، اللہ کے مومن بندوں سے کبھی منقطع نہیں ہوتی...

مومن کو زندگی میں رحمت ملتی ہے... موت کے وقت اس پر رحم کیا جاتا ہے... قبر میں وہ رحمت سے سرفراز ہوتا ہے... حشر کے میدان میں... پل صراط پر... جنت میں داخل ہوتے وقت اس پر رحم کیا جائے گا، رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: "کوئی بھی اپنے عمل کی وجہ سے جنت میں نہیں جائے گا"۔ صحابہ کرام نے عرض کیا: "اللہ کے رسول! آپ بھی نہیں؟ فرمایا: میں بھی نہیں مگر اس وقت جب اللہ تعالی مجھے اپنی رحمت اور مغفرت کے سائے میں ڈھانپ لے"[1]۔

[1] اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔

یہ رحمت مومن کے ساتھ زندگی میں بھی اور موت کے بعد بھی جاری رہتی ہے، بلکہ مومن کے ساتھ تقدیر کے معاملے میں بھی رحم وکرم کیا جاتا ہے، جس تقدیر کو اس کا رب صادر کرتا ہے، خواہ یہ تقدیر تکلیف دہ... سخت... دشوار کن ہی کیوں نہ ہو، پھر بھی یہ عین رحمت ہی رہتی ہے، کیوں کہ بندوں پر خود ان کی ذات سے زیادہ اللہ مہربان ہے، اللہ کی رحمت اس کی تقدیر سے جدا نہیں ہوتی، اسی لئے جو تقدیر بھی (مومن پر) نازل ہوتی ہے، اس میں رحم وکرم اور لطف ومہربانی ہوتی ہے، حدیث میں آیا ہے، آپ ﷺ کا ارشاد ہے: "اللہ تعالی نے اپنی رحمت کے سو حصے بنائے ہیں، ان میں سے ننانوے حصے اپنے پاس رکھے ہیں"[1]۔

ہر وہ رحمت جس کے ذریعہ مخلوق ایک دوسرے پر رحم کرتی ہے، وہ سو حصے کا صرف ایک حصہ ہے، جب کہ اللہ نے ننانوے حصے اپنے پاس رکھے ہیں، جن کے ذریعہ قیامت کے دن اپنے مومن بندوں پر رحم فرمائے گا۔

ان دو ناموں کے وہ اثرات جو ایمان پر مرتب ہوتے ہیں:

۱- جب بندہ اپنے پروردگار کو ان ناموں "الرحمن الرحیم" کے ذریعہ جان لیتا ہے، تو وہ اپنے پروردگار سے بہت زیادہ امید رکھنے لگتا ہے، اس کی طرف امید کی نگاہ سے دیکھتا ہے، اپنے پروردگار سے حسن ظن رکھتا اور اس (کی رحمت) کا حریص ہوتا ہے..

---

[1] اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔

- حجاج بن یوسف نے کتنے لوگوں کو قتل کیا.. کتنے مسلمانوں کو اذیت دی لیکن جب موت اس کی آنکھوں کے سامنے تھی، اس کے ارد گرد سب لوگ یہ دیکھنا چاہتے تھے کہ اللہ اس کے ساتھ کیا کرتا ہے..!!

اس نے حالت نزع میں ایسا جملہ کہا جس کے اندر اللہ سے بے پناہ حسن ظن اور نہایت ہی مضبوط امید بھری ہوئی تھی: اے پالنہار! مجھ پر رحم فرما، کیوں کہ ان لوگوں کو لگتا ہے کہ تو مجھ پر رحم نہیں کر سکتا..!

اس نے رحمت الہی کا دامن تھاما.. اپنے پالنہار کے پاس سب سے کشادہ دروازے سے داخل ہوا... جو کہ رحمت کا دروازہ ہے..!

- بہت سے نیک وصالح لوگ ایسے گزرے ہیں کہ جن کی موت کا وقت آتا تو وہ اپنے ارد گرد بیٹھے لوگوں سے کہتے کہ: مجھے رحمت الہی کی یاد دلائیں..!

انہوں نے اللہ کی رحمت کو پہچانا... اور چاہا کہ اسی دروازے سے (اپنے پروردگار کے پاس) داخل ہوں...

جو شخص بھی اللہ کی رحمت سے آشنا ہو گا وہ اس کا دامن تھام لے گا اور یہ یقین رکھے گا کہ اللہ اسے رسوا نہیں کرے گا.. اسے ضائع وبرباد نہیں کرے گا... اس سے بے رخی نہیں برتے گا... خواہ بڑے سے بڑا گناہ گار، سیاہ کار، گمراہ اور بے راہ کیوں نہ ہو، جب وہ رب کے حضور لوٹے گا تو اللہ اسے ہرگز نہیں دھتکارے گا بلکہ اس پر رحم فرمائے گا، کیوں کہ اللہ تعالی نے اپنے اوپر رحمت کو واجب قرار دیا ہے، حدیث قدسی میں آیا ہے: "بے شک میری رحمت میرے

غصے سے سبقت لے گئی"[1]۔ دوسری روایت میں آیا ہے: "میری رحمت میرے غصے پر غالب آگئی"۔

۲- بندہ اپنے رب سے رحمت کی دعا کرتا ہے اور عاجزی وانکساری کے ساتھ بار بار اسی کی دعا کرتا ہے...

- ایوب علیہ السلام اٹھارہ سالوں تک بیماری سے جوجھتے رہے... سارے مال ومنال اور تمام آل واولاد سے محروم ہوگئے... ان کے ساتھ صرف ان کی بیوی رہ گئی.. وہ گھروں میں کام کاج کرکے ان کے کھانے کا بندوبست کرتی.. عرصہ دراز تک صبر کرنے کے بعد آپ نے اپنے رب سے عاجزی وانکساری اور نہایت خاکساری کے ساتھ یہ دعا کی:(مَسَّنِيَ الضُّرُّ وَأَنْتَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ)

ترجمہ: مجھے یہ بیماری لگ گئی ہے اور تو رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔

انہوں نے رحمت کی دعا کی... تو اللہ نے ان پر رحم فرمایا..

آپ بھی اللہ سے عاجزی وانکساری کے ساتھ رحمت کی دعا کریں..

کہئے: اے وہ (پروردگار) جو رحمت کے تمام خزانوں کا مالک ہے.. اے وہ (پالنہار) جس کی رحمت ہر ایک چیز کو شامل ہے.. اس (ناتواں) پر رحم فرما جس کے پاس کچھ بھی نہیں...!

آپ دعا کیجئے: اے پالنہار! (تغمدني برحمتك) مجھے اپنی رحمت سے ڈھانپ لے- غمد اس نیام کو کہتے ہیں جس میں تلوار داخل کی جاتی ہے اور پوری طرح ڈھک جاتی ہے- اسی طرح آپ بھی اللہ سے دعا کریں کہ پوری طرح آپ کو اپنی رحمت سے ڈھانپ لے.. جسے اللہ اپنی رحمت سے

[1] اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔

ڈھانپ لے، اس پر دنیا کبھی تنگ نہیں ہو سکتی... اگرچہ وہ تنگ ہی کیوں نہ ہو، کیوں کہ اللہ اس کے لئے کشادگی پیدا کر دے گا...

یہ سب بندے پر اللہ کی رحمت کے مظاہر ہیں، کیوں کہ وہ اپنے پروردگار سے عاجزی وانکساری کے ساتھ بار بار یہ دعا کرتا ہے، اللہ تعالی ٹوٹے دلوں کے قریب ہوتا ہے، جلد ہی ان کی دعا کو قبول کرتا اور ان کی دادرسی فرماتا ہے...

۳-جو شخص بھی ان دو ناموں پر ایمان لاتا ہے، وہ اپنے ارد گرد کے لوگوں... اور اپنے ماتحت رہنے والوں پر رحم وکرم کا معاملہ کرتا ہے...

ہر وہ شخص جو مخلوق پر رحم کرتا ہے، وہ اس بات کا سزاوار ہوتا ہے کہ اللہ تعالی بھی اس پر رحم فرمائے، حدیث میں آیا ہے: "رحم کرنے والوں پر رحمن بھی رحم کرتا ہے"[1]، دوسری حدیث میں آیا ہے: "اللہ اپنے رحم دل بندوں پر ہی رحم فرماتا ہے"[2]، بندے کا اپنے ارد گرد کے لوگوں پر رحم وکرم کرنا اس بات کی ایک واضح علامت ہے کہ وہ بندہ کتنا بابرکت ہے...

اللہ تعالی جس بندے کے ہاتھوں جتنا زیادہ لوگوں کو فائدہ پہنچاتا ہے، اسی قدر اس کی برکت جانی جاتی ہے.. جہاں کہیں بھی آپ اسے لے جائیں وہ مفید ہی ثابت ہوتا ہے... اس سے خیر کے کام ہی صادر ہوتے ہیں... وہ بھلی بات ہی بولتا ہے...! یہ ایسا فائدہ ہے جو صرف رحم وکرم سے لبریز دل سے ہی صادر ہو سکتا ہے...

---

[1] اسے بخاری نے الأدب المفرد میں روایت کیا ہے۔

[2] اسے بخاری نے روایت کیا ہے

- رحم صرف خاص مخلوق پر ہی نہیں، بلکہ چوپایوں پر بھی کرنا چاہیے: "جو شخص رحم کرے، خواہ ذبح کیے جانے والے گوریے پر ہی کیوں نہ ہو، اللہ قیامت کے دن اس پر رحم فرمائے گا"[1]۔ دوسری حدیث میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: "میرے پاس ایک مسکین عورت آئی جس نے اپنی دو بیٹیاں اٹھائی ہوئی تھیں، میں نے اس کو تین کھجوریں دیں، اس نے کہا: ان میں سے ہر ایک کو ایک ایک کھجور دی، (بچی ہوئی) ایک کھجور کھانے کے لیے اپنے منہ کی طرف لے گئی، تو وہ بھی اس کی دو بیٹیوں نے کھانے کے لیے مانگ لی، اس نے وہ کھجور بھی جو وہ کھانا چاہتی تھی، دو حصے کر کے دونوں بیٹیوں کو دے دی، مجھے اس کا یہ کام بہت اچھا لگا، میں نے رسول اللہ ﷺ کو بتایا تو آپنے فرمایا: "اللہ نے اس (عمل) کی وجہ سے اس کے لیے جنت پکی کر دی ہے یا (فرمایا) اس وجہ سے آگ سے آزاد کر دیا ہے"[2]۔
- ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور عرض کیا: "اے اللہ کے رسول! میں بکری ذبح کرتا ہوں تو مجھے اس پر رحم آجاتا ہے، آپ فرمایا: "اگر تم بکری پر رحم کروگے تو اللہ تم پر رحم فرمائے گا"[3]۔

یہ جانوروں پر رحم کرنے (کا صلہ ہے)... تو انسانوں پر رحم کرنے (کا صلہ) کیا ہو سکتا ہے...!! اگر آپ رحم کریں گے تو آپ پر بھی اللہ رحم فرمائے گا... اگر آپ رحم کریں گے تو ہر جگہ اللہ کی لطف و مہربانی آپ کو اپنے سائے میں رکھے گی..

---

[1] اسے امام بخاری نے روایت کیا ہے

[2] اسے امام مسلم نے روایت کیا ہے

[3] اسے امام بخاری نے روایت کیا ہے۔

آپ کے سامنے ایسے دروازے کھل جائیں گے جن کا آپ نے تصور بھی نہ کیا ہو گا، کیوں کہ اللہ کے خزانے بھرے ہوئے ہیں.. یہ سب بندے پر اللہ کی رحمت کے مظاہر ہیں...

یہ ایسا پھل ہے جسے وہی شخص جانتا ہے جس نے اس کا مزا چکھا ہے اور اس کا تجربہ کیا ہے.. خود کو رحمت الٰہی سے محروم نہ کریں، نبی ﷺ کا ارشاد ہے: "جو شخص رحم نہیں کرتا، اس پر رحم نہیں کیا جاتا"[1]۔

یہ اللہ کے ساتھ ایسی تعلق داری ہے جو فائدے پر مبنی ہے.. اس لئے اپنے اوپر رحمت کا دروازہ بند نہ کریں...!

۴-بندہ یہ سیکھ لیتا ہے کہ خود پر کیسے رحم کرے:

- وہ سب سے بڑی چیز جس کے ذریعہ بندہ اپنے اوپر رحم کرتا ہے وہ یہ ہے کہ وہ اپنے رب کی طرف لوٹنا اور توبہ کرنا سیکھ لے...

ابن القیم رحمہ اللہ رقم طراز ہیں: جب بندہ کو اپنے دل میں غیر اللہ کی طرف التفات محسوس ہو تو اس آیت کی تلاوت کرے: (يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَرْضِيَّةً)

ترجمہ: اے اطمینان والی روح۔ تو اپنے رب کی طرف لوٹ چل اس طرح کہ تو اس سے راضی وہ تجھ سے خوش۔

پھر اپنے آپ سے بار بار یہ کہے: لوٹ جا... (اپنے رب کی طرف) لوٹ جا...!

---

[1] متفق علیہ

اس کے معنی یہ ہیں کہ: اے میری جان! تجھے اس وقت تک اطمینان وسکون، سعادت وخوش بختی حاصل نہیں ہوسکتی.. تمہاری زندگی خوش گوار نہیں ہوسکتی... تجھ پر رحم نہیں ہوسکتا جب تک کہ تو لوٹ نہ جائے، اس لئے اپنے رب کی طرف لوٹ جا...!

زیادہ بے راہ روی نہ اختیار کر، (راہ حق سے) پہلو تہی اور دوری نہ اختیار کر... اگر تم (حق کی طرف) لوٹو گے تو اللہ تجھ پر رحم فرمائے گا...!

- جن نیکیوں کے ذریعے بندہ اپنے نفس پر رحم کرتا ہے، ان میں یہ بھی ہے کہ کثرت سے ایسی نیکیاں انجام دے جن سے گناہ معاف ہوتے ہیں، ابن تیمیہ رحمہ اللہ رقم طراز ہیں: "عقلمند انسان وہ ہے جو ہمیشہ ایسی نیکیاں کرتا رہتا ہے جن سے گناہ مٹ جاتے ہیں"...

اپنے آپ کو گناہ کے دائرے میں محصور نہ رکھیں... اپنے نفس پر تنگی نہ پیدا کریں جب کہ اللہ نے آپ کے لئے کشادگی پیدا کر رکھی ہے، اور وہ ہے گناہوں کو مٹانے والی نیکیاں، رسول ﷺ کا ارشاد ہے: "گناہ کے بعد نیکی کر لیا کرو، یہ تمہارے گناہ کو مٹا دے گی"، اللہ فرماتا ہے: (إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ)

ترجمہ: یقیناً نیکیاں برائیوں کو دور کر دیتی ہیں۔

خود کو خیر وبھلائی کا عادی بنائیں..

- بندے کا اپنے اوپر رحم کرنے کی ایک شکل یہ بھی ہے کہ وہ اپنے عیوب کی تلاش وجستجو کرے، ان کا اعتراف کرے اور ان کی اصلاح کے لئے کوشاں رہے...

آپ کے اوپر آپ کے نفس کا یہ حق ہے کہ آپ اس کی اصلاح کریں.. اسے ترقی دلائیں.. اس کے لئے کمتر پر راضی نہ ہوں.. اس کی خلاؤں کو پر کریں.. اس میں تبدیلی لائیں کیوں کہ اللہ نے ایسا کرنے والوں کی تعریف کی ہے:(قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكَّاهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسَّاهَا)

ترجمہ: جس نے اسے پاک کیا وہ کامیاب ہوا ور جس نے اسے خاک میں ملا دیا وہ ناکام ہوا۔

حدیث میں آیا ہے:"...بے شک اللہ تعالیٰ رفعت وعزت والے امور کو پسند کرتا ہے اور ذلت وذلالت والے امور کو ناپسند کرتا ہے"[1]۔

- اپنے اوپر رحم کرنے کا تقاضہ یہ بھی ہے کہ آپ اپنی زندگی یوں ہی بے مقصد نہ گزاریں.. بلکہ اپنے لئے ایک مقصد طے کریں کہ مجھے وہاں تک پہنچنا ہے.. ایسا مقصد جو آپ کے لئے اور آپ کی قوم وامت کے لئے مفید ہو..

مقصد حاصل کرنے کی راہ میں:

- آپ رحمت الٰہی پر بھروسہ کریں، جان رکھیں کہ تمام تر رحمتوں کا مالک صرف اللہ ہے، اس لئے کوئی بھی انسان آپ کو رحمت سے محروم نہیں کر سکتا، لہذا شش وپنج کا شکار نہ رہیں اور زیادہ دائیں بائیں نہ کریں، کیوں کہ جو زیادہ دائیں بائیں کرتا ہے، اس کی رفتار مدھم پڑ جاتی ہے، کسی سلف نے کہا ہے کہ:"جس کے سامنے رحمت کا دروازہ کھل جائے، اسے چاہیے کہ اس میں داخل ہو جائے، کیوں کہ آپ نہیں جانتے کہ کب وہ دروازہ آپ پر بند کر دیا جائے"۔

- تدرج سے کام لیں، کیوں تدرج اللہ کی سنت ہے: اللہ نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا، جب کہ اس بات پر قادر ہے کہ انہیں ایک لمحے میں پیدا کر دیتا، ایسا کرنے کی وجہ یہ ہے

[1] اسے شیخ البانی نے السلسلۃ الصحیحۃ میں صحیح کہا ہے۔

کہ آپ جان سکیں کسی مخلوق کے جلدی مچانے سے اللہ جلدی نہیں کرتا...اور نہ وہ یک بار گی رزق اور نوازشیں عطا کرتا ہے، بلکہ دھیرے دھیرے نوازتا ہے..

اللہ نے بندوں کو اس کی تربیت دی ہے...چنانچہ اگر آپ اللہ سے مدد طلب کرتے ہوئے اپنی راہ پر لگے رہیں گے تو مقصد تک ضرور پہنچیں گے...!

- آپ یہ بھی یاد رکھیں کہ منزل تک پہنچنے کی راہ میں آپ بہت سی ٹھوکریں کھائیں گے..ناکامی کا سامنا ہوگا..بہت سے ہمراہوں کی جانب سے آپ کو خود پسندی، ظلم وستم اور اذیت سے دوچار ہونا ہوگا...

لیکن آپ کو شکست نہیں کھانا ہے...کمزور نہیں پڑنا ہے...پیچھے نہیں ہٹنا ہے...کیوں کہ یہ وہ آزمائشیں ہیں جن سے دوچار کر کے اللہ تعالی آپ کی ثابت قدمی اور صبر وشکیبائی کا امتحان لیتا ہے..جب اللہ آپ کو کسی کام کے لئے اختیار کرتا ہے تو آپ کے لئے وہ کام آسان کر دیتا ہے..یہ آزمائشیں بھی (اس مقصد تک) پہنچنے کی راہ ہموار کرتی ہیں...

جب اللہ کسی بندے کے ساتھ خیر کا ارادہ کرتا ہے تو اسے مختلف قسم کی آزمائشوں سے دوچار کرتا ہے تاکہ وہ مضبوط وتونگر ہو جائے...اس لئے صبر سے کام لیتے رہیں، ثابت قدم رہیں اور پیچھے ہرگز نہ ہٹیں...!

-اللہ کے ساتھ راست بازی سے کام لیں...کیوں کہ تمام تر معاملات کی بنیاد صداقت وراستی پر ہی ہے..

جب بندہ کسی بھی معاملے میں اپنے رب کے ساتھ راست بازی سے کام لیتا ہے تو اللہ اسے اپنی توفیق سے نوازتا ہے، کیوں کہ راست بازی انسان کو فائدہ پہنچاتی ہے...

جو شخص صالحیت کی طلب میں سچا ہو، اللہ اسے نیک بنا دیتا ہے..

جو شخص ہدایت کی طلب میں سچا ہو، اللہ اسے ہدایت سے سرفراز کرتا ہے...

جو شخص طلب علم کی راہ میں سچا ہو، اللہ اسے علم کے زیور سے آراستہ کرتا ہے..

آپ جس قدر سچائی سے کام لیں گے، اسی قدر اللہ آپ کو رزق سے نوازے گا، آپ کی مدد کرے گا، آپ کے لئے آپ کے ارد گرد کے لوگوں اور ایسے افراد کو مسخر کر دے گا جو آپ کا ساتھ دیں گے اور پھر آپ کے سامنے بہت سے دروازے کھول دے گا...

- آپ اپنے اور اللہ کے درمیان کے معاملات کو درست کر لیں، اللہ تعالی آپ کے اور مخلوق کے درمیان کے معاملات کو درست فرمادے گا....یعنی اپنی عبادت کا خاص اہتمام کریں...

اللہ کا نام "الملِک" جل جلالہ

اللہ کا نام "الملک" ایک ایسا نام ہے جو عظمت و بادشاہت پہ دلالت کرتا ہے ۔

اور ملک وہ ہے جو چیزوں کو اپنے قبضہ میں لے اور وہ اس کا حقیقی مالک ہو ۔

اللہ کی بادشاہت حقیقی بادشاہت ہے جس کو اس سے کوئی چھین نہیں سکتا ۔

"فَتَعَالَى اللَّهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ"

ترجمہ: اللہ عالی شان والا سچا اور حقیقی بادشاہ ہے۔

وہ ہر چیز کا مالک ہے، ہر چیز میں تصرف کرنے والا وہی ہے، اسے ہر چیز پر مطلق قدرت حاصل ہے۔

اللہ کی بادشاہت ایک ایسی بادشاہت ہے جس میں قدرت بھی شامل ہے۔ کیوں کہ کوئی بھی شخص بادشاہ اسی وقت درست ہو سکتا ہے جب وہ قادر بھی ہو ۔

"تَبَارَكَ الَّذِي بِيَدِهِ الْمُلْكُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ"

ترجمہ: بہت بابرکت ہے وہ اللہ جس کے ہاتھ میں بادشاہی ہے اور جو ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔

اللہ کی بادشاہت میں نہ کمی آسکتی ہے نہ وہ زوال پاسکتی ہے اور نہ ہی وہ ختم ہو سکتی ہے بر خلاف مخلوقات کی بادشاہت کے جو کہ یقینی طور پہ ختم ہو جانی ہے اور زوال کا شکار ہو جانی ہے...

وہ ہارون رشید تھے جو بادلوں کو دیکھتے تو کہتے "جہاں چاہو برس جاؤ تمہارا خراج تو مجھ تک ہی پہنچے گا"۔

یہ ان کی بادشاہت کی وسعت پہ دلالت کرتا ہے لیکن کیا ان کی بادشاہت ہمیشہ رہ پائی؟

جاں کنی کے عالم میں ان کا کہنا تھا "اے ہمارے معبود! اے وہ ہستی جس کی بادشاہت کو زوال نہیں! اس پہ رحم فرما جس کی بادشاہت ختم ہو چکی"۔

دنیا کے ہر بادشاہ کی بادشاہت کو ختم ہو جانا ہے.....!

ہم اللہ کے نام "المِلک" کو سمجھیں اور اس کے ساتھ زندگی گزاریں، اس کے لئے ضروری ہے کہ ہم اپنے دلوں کو زمین و آسمان کی بادشاہت پر غور کرنے کے لئے آزاد چھوڑ دیں اور یکے بعد دیگرے مختلف آسمانوں کو اپنی غور و فکر کا محور بنائیں... ایک آسمان سے دوسرے آسمان کے درمیان پانچ سو سال کی دوری ہے!

ہر آسمان کی کثافت و پہنائی پانچ سو سال کی مسافت کے بقدر ہے!

رہا ساتواں آسمان تو اس کے اوپر ایک سمندر ہے جس کے نچلے اور اوپری حصے کے درمیان پانچ سو سال کی مسافت حائل ہے۔ اس کے اوپر عرش ہے اور اللہ عزوجل اپنے عرش پر مستوی ہے ۔

وہ عظیم و غالب بادشاہ اپنے عرش پر مستوی ہے۔ اپنی مخلوقات سے جدا ہے۔ اسی کے لئے کرسی اور عرش ہے....

کرسی کیا ہے....؟!! (وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ)

ترجمہ: اس کی کرسی کی وسعت نے زمین و آسمان کو گھیر رکھا ہے۔

صحیح قول کے مطابق "الکرسی" جیسا کہ آثار سے ثابت ہے اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس کی وضاحت کی ہے کہ "وہ رب ذوالجلال کے دونوں قدموں کی جگہ ہے...!"۔

اس کرسی کا وصف کیا ہے...؟! کرسی آسمانوں اور زمین کا احاطہ کیے ہوئے ہے... کرسی کے مقابلے میں آسمان و زمین چٹیل زمین میں ڈالے گئے حلقہ کے مانند ہیں...!

وسیع و عریض صحرا میں اس حلقہ کا کیا تصور ہو سکتا ہے..! کچھ بھی تو نہیں...!

رہا عرش تو وہ بادشاہ کا تخت ہے اور اللہ اپنے عرش پہ مستوی ہے:" الرَّحْمَٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوَى"

ترجمہ: جو رحمٰن ہے، عرش پر مستوی ہے۔

یہ عرش اللہ کی سب سے عظیم اور بڑی مخلوق ہے... یہ مخلوقات کی چھت ہے جس کو آٹھ فرشتے اٹھائے ہوئے ہیں: (وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمَانِيَةٌ)

ترجمہ: تیرے پروردگار کا عرش اس دن آٹھ (فرشتے) اپنے اوپر اٹھائے ہوئے ہوں گے۔

اور ان میں سے ایک فرشتہ جیسا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے اس کا وصف بیان کیا ہے کہ: اس کے قدم زمین کی نچلی سطح پر ہیں، اس کی سینگوں پر عرش ہے اور اس کے کندھے اور کانوں کی لو کے درمیان سات سو سال کی مسافت ہے...!

عرش کو اٹھانے والے فرشتوں میں سے ایک فرشتہ کا جب یہ وصف ہے تو اے دیدہ ور اس عرش کا حجم کیا ہو گا.. اس کی لمبائی چوڑائی کتنی ہو گی...!

عزیز و برتر اللہ جو "الملک" (بادشاہ) ہے، اپنے عرش پر مستوی ہے... اپنی سلطنت کے امور کی تدبیر کرتا ہے... تقدیر میں تصرف کرتا ہے.. جو چاہتا ہے حکم دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے روک دیتا ہے... ہر چیز اسی کے ہاتھ (اختیار) میں ہے...:(إِنَّ اللَّهَ لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ)

ترجمہ: بلاشبہ اللہ کی سلطنت ہے آسمانوں میں اور زمین میں۔

(قُلِ اللَّهُمَّ مَالِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَن تَشَاءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَاءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ إِنَّكَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ)

ترجمہ: آپ کہہ دیجئے اے اللہ! اے تمام جہان کے مالک! تو جسے چاہے بادشاہی دے اور جس سے چاہے سلطنت چھین لے اور تو جسے چاہے عزت دے اور جسے چاہے ذلت دے، تیرے ہی ہاتھ میں سب بھلائیاں ہیں، بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے۔

کسی بھی چیز کا حصول اللہ کے حکم سے ہی ممکن ہے۔

ہر چیز اسی کے حکم سے واقع ہوتی ہے... ایسا بادشاہ جو نیچے کی طرف اترتا بھی ہے اور بلندی کی طرف چڑھتا بھی ہے۔

کسی گروہ کو عزت دیتا ہے تو کسی کو ذلت.. کسی کو شفا دیتا ہے تو کسی کو بیمار کرتا ہے... کسی کو نوازتا ہے تو کسی کو محروم کر دیتا ہے... کسی سے اقتدار چھین لیتا ہے تو کسی کو منصبِ اقتدار پر فائز کر دیتا ہے...!

اس کی بادشاہت میں کوئی اس سے اختلاف کرنے والا نہیں ہے۔

"تَبَارَكَ الَّذِي بِيَدِهِ الْمُلْكُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ"

ترجمہ: بہت بابرکت ہے وہ اللہ جس کے ہاتھ میں بادشاہی ہے اور جو ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔

(اللہ کی) یہ بادشاہت قیامت کے دن بالکل واضح و روشن صورت میں ظاہر ہو گی۔ ایک یہودی نبی کریم ﷺ کے پاس آیا اور کہا: اے محمد (ﷺ) یا کہا: اے ابو القاسم! بے شک اللہ تعالی قیامت کے دن آسمانوں کو ایک انگلی پر رکھے گا اور زمینوں کو ایک انگلی پر، اور پہاڑوں اور درختوں کو ایک انگلی پر اور پانی اور گیلی مٹی کو ایک انگلی پر اور تمام مخلوقات کو ایک انگلی پر تھام لے گا، پھر ان کو ہلائے گا اور فرمائے گا: بادشاہ میں ہوں، بادشاہ میں ہوں۔ رسول اللہ ﷺ اس یہودی عالم کی بات پر تعجب اور اس کی تصدیق کرتے ہوئے ہنسے، پھر آپ نے (یہ آیت) پڑھی: (وَمَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ

قَدْرِهِ وَالْأَرْضُ جَمِيعًا قَبْضَتُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَالسَّمَاوَاتُ مَطْوِيَّاتٌ بِيَمِينِهِ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى عَمَّا يُشْرِكُونَ)[1]

ترجمہ: اور ان لوگوں نے جیسی قدر اللہ تعالی کی کرنی چاہیے تھی نہیں کی۔ ساری زمین قیامت کے دن اس کی مٹھی میں ہو گی اور تمام آسمان اس کے داہنے ہاتھ میں لپیٹے ہوئے ہوں گے، وہ پاک اور برتر ہے ہر اس چیز سے جسے لوگ اس کا شریک بنائیں۔

اللہ تعالی پاک اور بلند ہے ہر اس چیز سے جسے لوگ (اس کے ساتھ) شریک کرتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: "اللہ عزوجل قیامت کے دن آسمانوں کو لپیٹے گا، پھر ان کو دائیں ہاتھ سے پکڑلے گا اور فرمائے گا: بادشاہ میں ہوں۔

جبر کرنے والے کہاں ہیں۔ تکبر کرنے والے کہاں ہیں؟ پھر بائیں ہاتھ سے زمین کو لپیٹ لے گا، پھر فرمائے گا: بادشاہ میں ہوں، (آج) جبر کرنے والے کہاں ہیں؟ تکبر کرنے والے کہاں ہیں..؟ !"[2]

کیا زمین کے سرکشوں اور فراعنہ میں سے کوئی اسے جواب دے سکے گا....!

ہر گز نہیں بلکہ تمام کے تمام ڈرے ہوئے اور خاموش ہوں گے: (وَخَشَعَتِ الْأَصْوَاتُ لِلرَّحْمَٰنِ فَلَا تَسْمَعُ إِلَّا هَمْسًا)

ترجمہ: سب آوازیں رحمان کے لیے پست ہو جائیں گی، سو تو ایک نہایت آہستہ آواز کے سوا کچھ نہیں سنے گا۔

---

[1] اسے امام مسلم نے روایت کیا ہے۔

[2] اسے امام مسلم نے روایت کیا ہے۔

اس ہیبت ناک منظر... اس بڑے خوفناک منظر کے سامنے جس میں اللہ کی عظمت و کبریائی کا جلوہ ہو گا ... انسانی ذہنوں کے لئے سوچنے کا مقام ہے کہ اس دن ظالم و جابر لوگ کیا کریں گے...! جس دن اللہ عزوجل پکارے گا کہ آج کس کی بادشاہت ہے..؟؟ کوئی اسے جواب نہیں دے سکے گا...!

تو اللہ خود ہی جواب دے گا: "لِلَّهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ"

ترجمہ: فقط اللہ واحد و قہار کی۔

عبادتوں پر اللہ کے نام "المِلک" کے اثرات:

۱- یہ اسم گرامی بندے کے دل میں توحید کو جاگزیں کرتا ہے، اللہ کی عظمت کو بندے کے دل میں بڑھاتا ہے اور قوت کے ساتھ اسے دل میں راسخ کرتا ہے...

یہ ان اسماء میں سے ہے جو توکل و یقین کے درجہ کو بڑھاتا ہے اور دل کی قوت میں اضافہ کرتا ہے "کمزور مومن کی بنسبت طاقتور مومن بہتر اور اللہ کے نزدیک زیادہ محبوب ہے"... یہ قوت کہاں سے آتی ہے...؟ اس لئے کہ وہ (مومن) جان رہا ہوتا ہے کہ اس کے معاملات اللہ کے ساتھ ہیں۔ وہ یقینی طور پہ اس بات کو جانتا ہے کہ وہ اس بادشاہ کے سامنے ہے جس کی بادشاہت میں کوئی اس پہ غالب نہیں آسکتا...! آسمانوں کے تمام تر خزانے اس کے ہاتھ میں ہیں... زمین کے تمام تر خزانے اسی کے اختیار ہیں... ہر چیز اس کے ہاتھ اور اختیار میں ہے...!

طاقتور اس کے ہاتھ میں ہیں۔ کمزور اس کے ہاتھ میں ہیں۔ بادشاہ اور رؤساء اس کے ہاتھ میں ہیں ..جِنات، جادوگر، شعبدہ باز سب اس کے ہاتھ میں ہیں، چالباز، ظالم، سرکش اور قاتل سب اس کے ہاتھ میں ہیں... کوئی بھی اس کی سلطنت سے نکل نہیں سکتا...

اللہ کا اسم گرامی "الملک" سب سے پہلے جس بات پر آمادہ کرتا ہے وہ یہ ہے کہ "تم اس بات سے بچو کہ تمہارے اندر اللہ عزوجل سے زیادہ مخلوق کا خوف ہو"...!

یہ معرفت انسان کو اس قابل بناتی ہے کہ وہ مخلوقات کے تئیں اپنے نظریہ کو درست کرے...انجام کار وہ ہر خوف، ہر بندش اور مخلوق کے سامنے عاجزی سے بے نیاز ہو جاتا ہے... مخلوق خواہ دنیا، مناصب و اقتدار اور اثر و رسوخ کے جس مقام تک پہنچ چکے ہوں، اللہ ان تمام چیزوں کا ان سے بڑا مالک ہے جن چیزوں پر وہ اپنی ملکیت جتا رہے ہوں...!

وہ اپنی ملکیت میں جن چیزوں کا بھی حکم دیتے ہیں اللہ کا حکم اس سے زیادہ سریع النفوذ ہے....!

یہاں تک کہ اگر وہ چالبازی کریں، تدبیریں لگائیں اور منصوبے بنائیں، پھر بھی وہ بادشاہ کے قبضے میں ہیں..!

اللہ ہی حقیقی بادشاہ ہے اور وہ (مخلوقات) اللہ کے غلام ہیں...!

اس طرح دل اللہ کی وحدانیت اور اس کے لئے عاجزی وانکساری کے جذبات سے معمور ہو جاتا ہے ..اور آپ کی نگاہ میں بڑے سے بڑا انسان حقیر نظر آنے لگتا ہے۔ آپ اس بادشاہ کا سہارا اختیار کر لیتے ہیں جو مخلوقات کا مالک ہے۔

(یہ) ایک پیغام ہے ہر اس شخص کے نام جس پر دنیا میں ظلم کیا گیا...اور مظلوموں کی تعداد بہت ہے...کہ تم اپنا حق ابھی وصول مت کرو، کل تمہیں انصاف ضرور مل کر رہے گا...جب تم بادشاہ کے سامنے کھڑے ہوگے..!

ہر ایک کو مرنا ہے...ظالم کو بھی مرنا ہے...مظلوموں کو بھی مرنا ہے...اور سب کو اللہ سے ملاقات کرنا ہے ...!

تم جو چاہو کر لو، ہم صبر کرنے والے ہیں... تم جو چاہو ظلم و ستم کر لو، ہم (اللہ کی) پناہ طلب کرنے والے ہیں...

تم ظلم و تعدی کرتے رہو، ہم اللہ سے اپنے اوپر ہونے والی ستم رانیوں کا شکوہ کر رہے ہیں... جنہوں نے ظلم کیا ہے وہ بھی ابھی جان لیں گے کہ کس کروٹ الٹتے ہیں۔

۲- اس عظیم بادشاہت... کرسی... عرش... حاملین عرش... امور کی تدبیر اور تقدیر میں تصرف کے تئیں تمہارا تصور تمہیں اس بات کا یقین دلائے گا کہ جو تمام مخلوقات کے امور کی تدبیر کرتا ہے وہ اس بات پر بھی قادر ہے کہ وہ تمہارے امور کی تدبیر کرے..!

وہ اس بات سے عاجز نہیں ہے کہ تمہارے بیٹے کی اصلاح کر دے... یا تمہارے مریض کو شفا دے.. یا تمہارے کھوئے ہوؤں کو تمہارے پاس لوٹا دے.. یا تمہارے خلاف چال چلنے والے کی چال کو ٹال دے...!

جس نے اللہ کی بادشاہت کو جان لیا... اور اس کی بادشاہت سے جڑی ہوئی قدرت کو سمجھ لیا اسے اس بات کا مکمل یقین ہو گیا کہ اس کے لئے کچھ بھی ناممکن نہیں...!

"لِلَّهِ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا فِيهِنَّ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ"

ترجمہ: اللہ ہی کی ہے سلطنت آسمانوں کی اور زمین کی اور ان چیزوں کی جو ان میں موجود ہیں اور وہ ہر شے پر پوری قدرت رکھتا ہے۔

اگر بادشاہ کسی چیز کو بدلنے کا ارادہ کرلے تو وہ بدل دی جائے گی.. کسی چیز کی درستگی کا ارادہ کرلے تو وہ درست کر دی جائے گی.. خاص طور سے وہ معاملات جن کا تعلق دلی امور جیسے محبت، نفرت، کراہت اور عروج و زوال سے ہے، اس لئے کہ انسانوں کے دل رحمان کی انگلیوں میں سے دو

انگلیوں کے درمیان ہیں .... جیسے چاہتا ہے پلٹتا رہتا ہے.. ہمارے سامنے جو لوگ ہیں ان کے دل ہمارے قبضے میں نہیں ہیں بلکہ اللہ کے اختیار میں ہیں...!

اللہ کا نام "الملک" بہت ہی قوی اور نہایت مؤثر اسم ہے... یہ ان اسماء میں سے ہے جو انسان کی زندگی کو بہت زیادہ بدل دیتے ہیں...

3-اگر دنیا کے بادشاہوں میں سے کوئی بادشاہ آپ کو اپنی جانب آتا دیکھے اس حال میں کہ آپ نے دیگر دنیاوی بادشاہوں کو ترک کر کے صرف اسی کا قصد کیا ہو تو وہ آپ کو لوٹانے سے شرمائے گا، وہ شرمائے گا اس بات سے کہ وہ آپ کو اپنی مروت، جاہ و حشمت اور سخاوت کی بنا پر کچھ عطا نہ کرے... بادشاہوں کے کچھ آدابِ سیادت ہوا کرتے ہیں، ان میں سب سے اہم سخاوت ہے..

جب دنیا کا بادشاہ ہو کر وہ آپ کو نہیں لوٹائے گا...! تو وہ جو کہ زمین و آسمان کا بادشاہ ہے، جو پاک و بے عیب اور لائق حمد و ثناء ہے، وہ کیسے لوٹا سکتا ہے...؟!

بندہ اس کے دروازے کو کھٹکھٹاتا ہے... اس کا فضل واحسان طلب کرتا ہے... اس کے در پر پڑاؤ ڈال دیتا ہے... پھر عاجزی اختیار کرتا ہے، اسی سے وابستہ ہو جاتا ہے اور خود کو اس کے سامنے پیش کر دیتا ہے..(اور کہتا ہے) اے ہمیشہ بھلائی کرنے والے! اے سدا سے احسان کرنے والے!.. تو بھلا ایسا بندہ کیسے (خالی ہاتھ) لوٹا دیا جائے گا...؟!

ذرا تصور کیجئے! ایسے بندہ کے لئے بادشاہ کی نوازش کیسی ہو سکتی ہے..؟!

لوگ کہا کرتے ہیں کہ: "بادشاہ کے عطیات خوشبو میں لپٹے ہوتے ہیں، وہ مانگنے والے کے ظرف کے مطابق نہیں بلکہ اپنے ظرف کے مطابق عطا کرتے ہیں"...!

اس معنی کو محسوس کرنے کے لئے ہم اس بادشاہ سے سوال کرتے ہیں جس کے خزانے کبھی ختم نہیں ہوتے ، اللہ تعالی حدیث قدسی میں فرماتا ہے: "اے میرے بندو! اگر تمہارے پہلے اور تمہارے پچھلے اور تمہارے انسان اور تمہارے جن سب مل کر تم میں سے سب سے فاجر آدمی کے دل کے مطابق ہو جائیں تو اس سے میری بادشاہت میں کوئی کمی نہیں ہو گی۔ میرے بندو! اگر تمہارے پہلے اور تمہارے پچھلے اور تمہارے انسان اور تمہارے جن سب مل کر ایک کھلے میدان میں کھڑے ہو جائیں اور مجھ سے مانگیں اور میں ہر ایک کو اس کی مانگی ہوئی چیز عطا کر دوں تو اس سے جو میرے پاس ہے، اس میں اتنا بھی کم نہیں ہو گا جو اس سوئی سے (کم ہو گا) جو سمندر میں ڈالی (اور نکال لی) جائے"[1]۔

بلند ہمتی کے ساتھ اللہ سے دعا کریں، جیسا کہ سلیمان علیہ السلام نے کیا:" وَهَبْ لِي مُلْكًا لَا يَنْبَغِي لِأَحَدٍ مِنْ بَعْدِي "

ترجمہ: مجھے ایسی بادشاہی عطا فرما جو میرے بعد کسی کے لائق نہ ہو۔

اور جیسا کہ رسول کریم ﷺ نے ہمیں اس کی تعلیم دی ہے:"جب تم اللہ سے جنت کی دعا کرو تو اس سے مقامِ فردوس طلب کرو"[2]۔

---

[1] اسے امام مسلم نے روایت کیا ہے

[2] اسے امام امابخاری نے روایت کیا ہے

اللہ کا نام "القدّوس" جل جلالہ

یہ اللہ تعالی کا ایسا اسم گرامی ہے جو کتاب و سنت میں وارد ہوا ہے...

اللہ کے اسم گرامی "الملک" کے ساتھ اس کا بہت گہرا ربط ہے، یہ نام (جہاں کہیں بھی آیا ہے) المِلک کے بعد ہی آیا ہے..

قرآن میں:

سورہ حشر اور سورہ جمعہ کے اندر وارد ہوا ہے:

سورہ حشر میں اللہ تعالی فرماتا ہے:(هُوَ اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ الْمَلِكُ الْقُدُّوسُ السَّلَامُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ سُبْحَانَ اللَّهِ عَمَّا يُشْرِكُونَ)

ترجمہ: وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، بادشاہ، نہایت پاک، سب عیبوں سے صاف، امن دینے والا، نگہبان، غالب وزور آور، اور بڑائی والا، پاک ہے اللہ ان چیزوں سے جنہیں یہ اس کا شریک بناتے ہیں۔

سورہ جمعہ میں اللہ فرماتا ہے:(يُسَبِّحُ لِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ الْمَلِكِ الْقُدُّوسِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ)

ترجمہ: (ساری چیزیں) جو آسمانوں اور زمین میں ہیں اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرتی ہیں (جو) بادشاہ نہایت پاک (ہے) غالب و باحکمت ہے۔

حدیث میں:

نبی ﷺ جب وتر کی نماز سے فارغ ہوتے تو یہ دعا پڑھتے:

"سبحان الملك القدوس،سبحان الملك القدوس،سبحان الملك القدوس"

اللہ کے اسم گرامی "القدوس" کا لغوی معنی:

قَدَسَ: کے لغت میں دو معانی ہوتے ہیں: پاکیزگی اور برکت۔

پہلا معنی: پاکیزگی:

سمندر کی کشادگی میں جو کشتی ہو، اسے عرب "القادس" کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔

کیوں کہ پانی اور سمندر کی موج اسے تھپیڑے لگاتی ہے اور یہ عمل مسلسل جاری رہتا ہے یہاں تک کہ اسے صاف کر دیتی ہے، پھر دوسری موج اٹھتی اور اسے دھو ڈالتی ہے، اسی طرح یہ سلسلہ جاری رہتا ہے...

یعنی (اسے) یکے بعد دیگرے پاکی حاصل ہوتی رہتی ہے، اس لئے اس پر کسی طرح کی گندگی باقی نہیں رہتی... فرشتوں نے اللہ عزیز وبرتر سے عرض کیا: (وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً قَالُوا أَتَجْعَلُ فِيهَا مَنْ يُفْسِدُ فِيهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَاءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ قَالَ إِنِّي أَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُونَ)

ترجمہ: جب تیرے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین میں خلیفہ بنانے والا ہوں، تو انہوں نے کہا ایسے شخص کو کیوں پیدا کرتا ہے جو زمین میں فساد کرے اور خون بہائے؟ اور ہم تیری تسبیح، حمد اور پاکیزگی بیان کرنے والے ہیں۔ اللہ تعالی نے فرمایا: جو میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے۔

ہم تیری پاکیزگی بیان کرتے ہیں: یعنی تیرے لئے پاکیزگی اختیار کرتے ہیں۔

ہم اپنے آپ کو پاک وصاف کرتے ہیں تاکہ تیرے قریب اور تیرے پڑوس میں رہنے کے قابل ہو سکیں.... جنت کے اندر اللہ کے پڑوس میں وہی رہے گا جو اس کے پڑوس میں رہنے کے قابل ہو...

دوسرا معنی "برکت":

اللہ تعالی فرماتا ہے:(يَا قَوْمِ ادْخُلُوا الْأَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِي كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ وَلَا تَرْتَدُّوا عَلَى أَدْبَارِكُمْ فَتَنْقَلِبُوا خَاسِرِينَ)

ترجمہ: اے میری قوم والو! اس مقدس زمین میں داخل ہو جاؤ جو اللہ تعالی نے تمہارے نام لکھ دی ہے اور اپنی پشت کے بل روگردانی نہ کرو کہ پھر نقصان میں جا پڑو۔

مقدس زمین کے معنی: مبارک زمین۔

قدّوس: غایت درجے کی طہارت اور ہر قسم کے عیب اور نقص سے پاک ہونے کا نام ہے... اسی ذات کے لئے کامل طہارت ہے... کامل برکت ہے... وہ ہر ایک چیز میں کامل ترین درجہ پر فائز ہے...

اللہ کے اسم گرامی "القدوس" کے وہ اثرات جو عبادت پر مرتب ہوتے ہیں:

۱- آپ کو اس بات کی ضرورت ہے کہ آپ پاکیزگی اور طہارت حاصل کریں، اس رفعت وبلندی کو حاصل کریں یہاں تک کہ اللہ عزیز وبرتر کی مجاورت کے قابل ہو سکیں، جیسا کہ فرشتوں نے کہا:

(ہم تیری ہی پاکی بیان کرتے ہیں): یعنی ہم اپنے آپ کو پاک وصاف کرتے ہیں تاکہ تیری مجاورت کے لائق ہو سکیں...

آپ ہر اس چیز کی جستجو کریں جو آپ کو پاک وصاف رکھ سکے... گناہوں کو مٹانے والے اعمال کی جستجو کریں:

وضو آپ کو پاک کرتا ہے... جس قدر آپ وضو کی پاسداری کریں گے، اسی قدر پاک وصاف رہیں گے، رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: "جس نے وضو کیا اور خوب اچھی طرح وضو کیا، تو اس کے جسم سے اس کے گناہ خارج ہو جاتے ہیں، حتی کہ اس کے ناخنوں کے نیچے سے بھی نکل جاتے ہیں"[1]۔

نماز آپ کو پاک صاف کرتی ہے، جس قدر آپ نماز کا اہتمام کریں گے، اسی قدر آپ کی پاکیزگی بھی بڑھتی جائے گی، نبی ﷺ فرمایا کرتے تھے: "ہر نماز اپنے ماقبل کے گناہ کو مٹا دیتی ہے"[2]۔ نیز آپ ﷺ نے فرمایا: "تمہارا کیا خیال ہے اگر کسی کے صحن کے پاس سے ایک نہر گزرتی ہو اور وہ اس میں ہر روز پانچ دفعہ غسل کرتا ہو، تو کیا کچھ میل کچیل باقی رہے گا؟" صحابہ نے کہا: ذرہ برابر (میل کچیل) باقی نہیں رہے گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا": نمازیں بھی گناہوں کو ایسے مٹا دیتی ہیں، جیسے پانی میل کو ختم کر دیتا ہے"[3]۔

صدقہ آپ کو پاک کرتا ہے، جیسا کہ اس شخص کے قصے میں آیا ہے جس نے رمضان کے دن میں اپنی بیوی سے ہمبستری کی، اس کے بعد نبی ﷺ کے پاس آیا اور عرض کیا: اے اللہ کے

---

[1] اسے امام مسلم نے روایت کیا ہے۔

[2] اسے شیخ البانی نے صحیح کہا ہے، فرمایا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

[3] اسے شیخ البانی نے سلسلہ صحیحہ میں روایت کیا ہے۔

رسول! میں ہلاک ہو گیا، نبی ﷺ نے گناہ کی تفصیل جانے بغیر ہی اسے یہ جواب دیا کہ: "صدقہ کرو"[1]۔

اہل علم نے اس سے یہ فائدہ اخذ کیا ہے کہ: آپ کا گناہ اور جرم خواہ جتنا بھی بڑا ہو، صدقہ اللہ کے غصہ کو مٹا دیتا ہے.. گناہ کو مٹا دیتا ہے، یہ ان عظیم ترین نیکیوں میں سے ہے جو گناہوں کو مٹا دیتی اور (انسان کو) پاک کرتی ہیں... جس قدر صدقہ زیادہ ہو گا اسی قدر پاکیزگی کا مقام بھی بلند ہو گا...!

عمرہ آپ کو پاک کرتا ہے: "ایک عمرہ کے بعد دوسرا عمرہ دونوں کے درمیان کے گناہوں کا کفارہ ہے"[2]۔

نیکی سے کبیرہ گناہ بھی مٹ جاتے ہیں.. حج اپنے ماقبل کے سارے گناہوں کو مٹا دیتا ہے.. توبہ آپ کو گناہوں سے پوری طرح پاک کر دیتی ہے..

خلاصہ:

جو شخص اللہ کے اسم گرامی "القدوس" کے ذریعہ اس کی عبادت کرنا چاہے، اسے چاہیے کہ ایک پاکیزگی کے بعد دوسری پاکیزگی کی جستجو میں رہے، یہاں تک کہ وہ القدوس جل جلالہ کی مجاورت کے قابل ہو جائے۔

---

[1] اسے امام بخاری نے روایت کیا ہے۔

[2] اسے امام بخاری نے روایت کیا ہے۔

اللہ کا نام "السلام" جل جلالہ

یہ اسم گرامی قرآن کریم میں سورہ حشر کے اندر ایک مرتبہ وارد ہوا ہے..

السلام ایک شیریں اور خوبصورت نام ہے..جو سلامتی، امن واطمینان اور عافیت پر دلالت کرتا ہے...

اللہ عزیز وبرتر سراپا سلامتی ہے...وہی سلامتی عطا کرتا ہے...وہی اپنے بندوں کو دنیا وآخرت میں امن وسلامتی سے نوازتا ہے..

علماء فرماتے ہیں کہ یہ اسم گرامی اللہ عزیز وبرتر کے حق میں تین معانی کے ارد گرد گردش کرتا ہے:

۱-اللہ عزیز وبرتر ہر قسم کے عیب اور نقص سے پاک ہے، اس معنی میں اسم گرامی "القدوس" بھی شامل ہے، چنانچہ اس ذات سے خیر وبھلائی اور عدل وانصاف کے سوا کچھ صادر نہیں ہوتا۔

۲-وہ ذات جس کے بندے اس کے ظلم سے مامون ہیں، چنانچہ اللہ اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتا: (وَمَا ظَلَمَهُمُ اللَّهُ) ترجمہ: اللہ تعالی نے ان پر ظلم نہیں کیا۔

(إِنَّ اللَّهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ) ترجمہ: بے شک اللہ تعالی ایک ذرہ برابر ظلم نہیں کرتا۔

بلکہ اللہ نے اپنے اوپر ظلم کو حرام ٹھہرایا ہے: اس کا ارشاد ہے: "اے میرے بندو! میں نے ظلم کو اپنے اوپر حرام کیا اور تم پر بھی حرام کیا، تو تم آپس میں ایک دوسرے پر ظلم نہ کرو..."۔

۳-وہ ذات گرامی جو اپنے بندوں اور رسولوں پر سلامتی بھیجتی ہے:

(سَلَامٌ عَلَى نُوحٍ فِي الْعَالَمِينَ) ترجمہ: نوح (علیہ السلام) پر تمام جہانوں میں سلام ہو۔

(سَلَامٌ عَلَى إِبْرَاهِيمَ) ترجمہ: ابراہیم پر سلام ہو۔

(سَلَامٌ عَلَى مُوسَى وَهَارُونَ) ترجمہ: موسیٰ اور ہارون (علیہما السلام) پر سلام ہو۔

(وَسَلَامٌ عَلَى عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَى) ترجمہ: سلام ہے اس کے ان بندوں پر جنہیں اس نے چن لیا۔

اللہ عزیز وبرتر نے ہمیں یہ خبر دی ہے کہ فرشتے جب مومنوں کی روح قبض کرتے ہیں، تو ان پر سلامتی بھیجتے ہوئے یہ کہتے ہیں: (سَلَامٌ عَلَيْكُمْ) ترجمہ: تم پر سلام ہو۔ روح قبض کرنے کے وقت یہ سلامتی ان کے لئے خوش خبری اور اطمینان وسکون کے معنی میں ہوتی ہے۔ نیز اس وقت بھی فرشتے ان پر سلامتی بھیجیں گے جب وہ جنت میں داخل ہوں گے:

اللہ تعالی فرماتا ہے: (وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلَامٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوهَا خَالِدِينَ)

ترجمہ: وہاں کے نگہبان ان سے کہیں گے تم پر سلام ہو، تم خوش حال رہو، تم اس میں ہمیشہ کے لیے چلے جاؤ۔

اللہ تعالی مزید فرماتا ہے: (وَالْمَلَائِكَةُ يَدْخُلُونَ عَلَيْهِمْ مِنْ كُلِّ بَابٍ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ)

ترجمہ: ان کے پاس فرشتے ہر ہر دروازے سے آئیں گے۔ کہیں گے کہ تم پر سلامتی ہو۔

نیز... ایک ایسا سلام بھی ہے کہ مومن جس کے منتظر اور مشتاق ہیں... وہ اس سلام کو سننے کا شوق اپنے دل میں رکھتے ہیں... اس بات سے ڈرتے ہیں کہ کہیں وہ اس سے محروم نہ کر دئے جائیں..

اور وہ اللہ عزوجل کا جنتیوں سے سلام کرنا ہے: (سَلَامٌ قَوْلًا مِنْ رَبٍّ رَحِيمٍ)

ترجمہ: مہربان پروردگار کی طرف سے انہیں سلام کہا جائے گا۔

یہ اس دن ہو گا جب ان کا پروردگار انہیں مزید انعام سے نوازے گا... ان کے لئے سواریاں قریب کر دی جائیں گی.. پھر وہ ایک وسیع وکشادہ وادی میں منتقل ہوں گے.. جس کے ٹیلے مشک کے ہوں گے...

جب وہ اس جگہ پر پہنچ جائیں گے تو ان کا پالنہار انہیں پکارے گا: اے میرے بندو! کیا تم راضی ہو..؟ وہ کہیں گے: ہم کیوں نہ راضی ہوں اے میرے پالنہار...؟ اللہ ان سے فرمائے گا: کیا تمہیں کوئی ضرورت ہے...؟ وہ کہیں گے: اے پروردگار! ہم تیرے چہرہ انور کا دیدار کرنا چاہتے ہیں..! جب اللہ تعالی ان کے سامنے اپنا چہرہ انور کھولے گا تو جنتی اپنی ساری نعمتیں بھول جائیں گے...! یہ منظر.... یہ لمحہ...

جس دن اللہ اپنے بندوں پر سلام کہے گا، پھر اپنا چہرہ کھول دے گا... یہ ہمیں اس بات پر آمادہ کرتا ہے کہ ہم (عبادت میں) محنت ولگن سے کام لیں، (اس راہ میں) ساری قوت وطاقت صرف کریں، صبر واستقامت سے ڈٹے رہیں، تاکہ اس مقام تک پہنچ سکیں...!

اللہ کے دیدار کی قیمت تو نہایت اعلی ہے... لیکن جو بندہ اپنے مقصد سے باخبر ہو، اس کے لئے ساری محنتیں ہیچ ہوتی ہیں....!

بلکہ یہ شرف ومرتبہ.. یہ رزق.. جو کہ بندوں پر اللہ کی سلامتی ہے... بسا اوقات اللہ اپنے بندے کو روئے زمین پر ہی اس نعمت سے نواز دیتا ہے...!

اس سے ام المؤمنین خدیجہ رضی اللہ عنہا کو سرفراز کیا گیا، یہ وہ خاتون ہیں جنہیں اللہ نے اپنے نبی کے لئے منتخب فرمایا...!

اس دن جب جبرئیل علیہ السلام اپنے نبی کے پاس تشریف لائے اور آپ سے عرض کیا: اے محمد! آپ خدیجہ کو خبر دے دیجئے کہ: "تیرا پروردگار تجھے سلام کہتا ہے"، اس پر حضرت خدیجہ نے کہا:

یقیناً اللہ سراپا سلامتی ہے، اور اسی سے ساری سلامتی حاصل ہوتی ہے، جبریل پر اور اے اللہ کے رسول! آپ پر بھی سلامتی ہو...۔

یہ کتنا عظیم رزق تھا جس سے خدیجہ سرفراز ہوئیں..! اگر خدیجہ اس رزق کی مستحق نہیں ہوتیں تو انہیں اس سے نہیں نوازا جاتا..!

کیوں کہ: "توفیقِ الٰہی قربتِ الٰہی کے بقدر ہی حاصل ہوتی ہے"، یہ اللہ کا فضل ہے، اپنے جس بندے کو چاہتا ہے، اس سے نوازتا ہے..

اللہ کے اسم گرامی: "السلام" کے وہ اثرات جو عبادت پر مرتب ہوتے ہیں:

بطور خاص اس اسم گرامی پر ہم ابن قیم کا یہ قاعدہ منطبق کر سکتے ہیں کہ: "جو شخص اللہ کی کسی صفت سے (اپنا دل) وابستہ کر لیتا ہے، اسے یہ صفت اللہ سے قریب کر دیتی ہے"، کیسے..؟

۱- جب بندہ یہ جان لیتا ہے کہ "السلام" وہ ذات ہے جو ہر قسم کے عیب، نقص اور برائی سے پاک ہے، وہ اپنے دل کو شرک، بدعت، شبہات، شہوات، کینہ و کپٹ، اور اس طرح کی دیگر غلاظتوں اور گندگیوں سے پاک وصاف رکھنے کے لئے فکر مند رہتا ہے، کیوں کہ یہ ایک بڑی مصیبت ہے کہ آپ اس دنیا میں فاسد و برباد دل کے ساتھ زندگی گزر بسر کریں...!

اللہ کے اسم گرامی السلام سے دل کا کیا رشتہ ہے؟

قاعدہ یہ ہے کہ: "آپ ظاہری طور پر کسی چیز کو اس وقت تک حاصل نہیں کر سکتے جب تک کہ باطن میں اپنے دل کو اس کا خوگر نہ بنائیں"۔

جو شخص اللہ کے اسم گرامی السلام کا حظّ وافر حاصل کرنا چاہے، اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے باطن میں بھی اس سلامتی کو جاگزیں کرے..

یعنی دل اور سینے کی سلامتی... ہر قسم کی غلاظتوں سے سلامتی..!

۲-جب بندہ یہ جان لے کہ اس اسم گرامی کا ایک معنی یہ بھی ہے کہ اللہ اپنے بندوں پر سلامتی بھیجتا ہے، تو وہ سلام کو عام کرکے اللہ کی عبادت کرنے لگتا ہے، نبی ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:"کیا میں تمہیں ایک ایسے عمل کی رہنمائی نہ کردوں کہ اگر تم اس پر عمل کرنے لگ تو تم آپس میں محبت کرنے لگو گے..؟ آپس میں سلام کو پھیلاؤ"[1]۔ معلوم ہوا کہ سلام کرنا بھی عبادت ہے۔

۳-جب بندہ یہ جان لے کہ اللہ وہ ہے کہ جس کے بندے اس کے ظلم سے مامون و محفوظ ہیں، یہ معرفت اسے اس بات پر آمادہ کرتی ہے کہ وہ اپنے ارد گرد کے لوگوں کو اپنی اذیت اور ظلم سے محفوظ رکھے اور اپنی بدزبانی سے مامون رکھے، رسول اللہ ﷺ کی حدیث ہے:"مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ (کے شر) سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں"[2]۔

جب بندے کو اللہ تعالی چغلخوری سے محفوظ رکھتا ہے، اس پر اللہ کی کتنی بڑی نعمت ہوتی ہے، کیوں کہ سب سے بدترین لوگ وہی ہیں جو لوگوں کے درمیان چغلخوری کے ذریعے فساد وبگاڑ پھیلاتے ہیں...!

جو شخص دنیا کے اندر دورخی اختیار کرتا ہے، قیامت کے دن اس کے لئے آگ کی دو زبانیں ہوں گی..!

بندے پر اللہ کی کتنی بڑی نعمت ہوتی ہے جب وہ اس حالت میں زندگی گزارتا ہے کہ لوگ اپنی عزت وناموس، زبان وبیان، مال ودولت اور ہر چیز کے متعلق اس (کے شر) سے امان میں رہتے ہیں... یہ اللہ کی ایک عظیم ترین نعمت ہے...

---

[1] اسے امام مسلم نے روایت کیا ہے۔

[2] اسے امام بخاری نے روایت کیا ہے۔

۴- آپ اپنے ارد گرد رہنے والوں کے لئے خیر وبھلائی اور امن وسلامتی کا سرچشمہ بن کر رہیں... آپ اس شخص کی طرح نہ ہو جائیں جو اگر جھگڑے تو بد زبانی پر اتر آئے...! جب اس پر کوئی تنقید کرے یا اس کی سرزنش کرے تو وہ چراغ پا ہو جائے اور انتقام لینے پر اتر آئے...!

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: "مومن کی مثال اس (عطار) عطر فروش کی ہے کہ جس کی صحبت میں بیٹھنا، جس کے ساتھ چلنا اور جس کی ساجھے داری میں کام کرنا سب آپ کے لئے سود مند اور مفید ہے"[1]۔

عطار اسے کہتے ہیں: جو عطر فروخت کرتا ہے، اگر آپ اس سے عطر خریدیں گے تو خوشبو سے آپ مستفید ہوں گے، اگر اس کی صحبت میں بیٹھیں گے تو خوشبو سے شاد کام ہوں گے، اگر اس کے پاس سے نکلیں گے تو آپ خوش مزاجی اور عطر بیزی کے ساتھ نکلیں گے، اسی طرح مومن بھی ہوتا ہے، یہی ایمان کی علامت بھی ہے کہ اس سے آپ کو راحت وسکون اور امن واطمینان کا احساس ہوتا ہے..

رسول ﷺ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی صفت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "بلال کی مثال شہد کی اس مکھی کی طرح ہے جو صبح کے وقت نکلتی ہے اور میٹھی اور تیکھی ہر چیز سے اپنی غذا حاصل کرتی ہے، لیکن وہ سراپا شیریں ہی رہتی ہے"[2]۔

شہد کی مکھی ہی (کی مثال) کیوں...؟ اس لئے کہ وہ ایذاء نہیں پہنچاتی... بگاڑ کا سبب نہیں بنتی... بلکہ خاموشی کے ساتھ اپنے کام میں لگی رہتی ہے.. انجام کار اس سے شہد نکلتا ہے... اسی طرح مومن بھی ہوتا ہے، اس سے صرف خوشبودار، پاکیزہ اور عمدہ چیزیں ہی سرزد ہوتی ہیں...

---

[1] یہ حدیث ضعیف ہے، لیکن اس کا معنی درست ہے، اس لئے ہم نے بطور استئناس اسے ذکر کیا ہے۔
[2] اسے ہیثمی نے روایت کیا ہے اور اس کی سند حسن ہے۔

اللہ کا نام "المؤمن" جل جلالہ

اللہ کا اسم گرامی "المؤمن" قرآن کریم میں ایک مرتبہ وارد ہوا ہے، **اس کے دو معانی ہیں:**

۱-اپنے رسولوں کی تصدیق کرنے والا: ان کے لئے معجزات پیدا کر کے اور ان کے ذریعہ ان کی تائید کر کے... چنانچہ موسیٰ علیہ السلام کو اللہ نے نو نشانیاں عطا کیں... ہمارے نبی ﷺ کو اللہ نے سب سے زیادہ معجزات سے نوازا اور ان کی تائید فرمائی مثلاً چاند کے دو ٹکڑے ہونا، کھانے کا تسبیح پڑھنا، قرآن کریم کا نزول، اسی طرح دیگر انبیا کو بھی (معجزات سے نوازا گیا)، ہر نبی کو اللہ نے کسی نہ کسی نشانی سے نوازا جس سے ان کی تائید ہو..

۲-جو اپنے بندوں کو مامون رکھتا ہے: یہی معنی سب سے زیادہ مشہور اور متداول ہے... اللہ دنیا کے اندر اپنے بندوں کو مامون رکھتا ہے، برزخ میں بھی وہی مامون رکھتا ہے اور قیامت کے دن بھی وہ اپنے بندوں کو مامون رکھے گا۔

اللہ اپنے بندوں کو کیسے مامون رکھتا ہے..؟

۱-انہیں دنیا میں مامون رکھتا ہے: یہ اللہ تعالی کے اس فرمان سے واضح ہوتا ہے: (الَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُمْ بِظُلْمٍ أُولَئِكَ لَهُمُ الْأَمْنُ وَهُمْ مُهْتَدُونَ)

ترجمہ: جو لوگ ایمان رکھتے ہیں اور اپنے ایمان کو شرک کے ساتھ مخلوط نہیں کرتے، ایسوں ہی کے لئے امن ہے اور وہی راہ راست پر چل رہے ہیں۔

اس سے مراد نفسیاتی امن... دلی اطمینان... انسانوں کی تکلیف سے حفاظت.... ہر قسم کی اذیت سے حفاظت ہے۔

جس قدر انسان کے اندر توحید اور ایمان ہو گا، اسی کے بقدر اسے یہ امن وامان بھی حاصل ہو گا...

جس قدر توحید اور ایمان میں کمال پیدا ہو گا، اسی قدر بندے کو اللہ تعالی کا یہ امن وامان بھی نصیب ہو گا... اسی قدر آپ کے دل میں اللہ تعالی اس امن وسکون کو پیدا کرے گا.. اس سلسلے میں ہمارے لئے نبی ﷺ کا وہ منظر کافی ہے جب آپ غار میں روپوش تھے: (إِذْ أَخْرَجَهُ الَّذِينَ كَفَرُوا ثَانِيَ اثْنَيْنِ إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا)

ترجمہ: اس وقت جبکہ انہیں کافروں نے (دیس سے) نکال دیا تھا، دو میں سے دوسرا جبکہ وہ دونوں غار میں تھے جب یہ اپنے ساتھی سے کہہ رہے تھے کہ غم نہ کر اللہ ہمارے ساتھ ہے۔

یہی وجہ ہے کہ کافروں کو مکمل امن وسکون نہیں محسوس ہوتا، خواہ امن وسکون کے مادی وسائل مہیا ہی کیوں نہ ہوں، پھر بھی ان کو دلی سکون واطمینان نہیں ملتا، اس لئے وہ نفسیاتی اور دلی امن وامان سے محروم ہوتے ہیں...

۲- جب میت کو قبر میں دفن کر دیا جاتا ہے اور دو فرشتے اس سے سوال کرتے ہیں: تیرا رب کون ہے..؟ تمہارا دین کیا ہے...؟ اور تمہارے نبی کون ہیں..؟

اس وقت اللہ اسے ثابت قدمی عطا کرتا ہے... اس کی زبان پر جواب جاری کر دیتا ہے... یہ ایک قسم کا امن وامان ہے: (يُثَبِّتُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ)

ترجمہ: ایمان والوں کو اللہ تعالیٰ پکی بات کے ساتھ مضبوط رکھتا ہے، دنیا کی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی۔

جب کہ دوسرے لوگ (ان سوالوں کے جواب میں) کہیں گے: ہائے .... ہائے ... میں نہیں جانتا...!

۳- قیامت کے دن: جب مومن جنت میں داخل ہوں گے تو ان کے دلوں سے ڈر اور خوف ختم ہو جائے گا، اللہ انہیں ہولناکی اور خوف ووحشت سے محفوظ رکھے گا: (وَهُمْ مِنْ فَزَعٍ يَوْمَئِذٍ آمِنُونَ)

ترجمہ: ہ اس دن کی گھبراہٹ سے بے خوف ہوں گے۔

جب اہل ایمان جنت میں داخل ہوں گے.. تو ان کا ڈر اور خوف کافور ہو جائے گا.. انہیں اللہ امن وامان عطا فرمائے گا...

نہ کسی بیماری کا خوف ہو گا.. نہ موت کا.. نہ آگ کا.. نہ قرض کا: (لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ)

ترجمہ: ان پر نہ تو کچھ خوف ہے نہ وہ اداس ہوں گے۔

نیز فرمان باری تعالی ہے: (وَهُمْ فِي الْغُرُفَاتِ آمِنُونَ)

ترجمہ: ہ نڈر و بے خوف ہو کر بالا خانوں میں رہیں گے۔

جن چیزوں سے بندے کو سب سے زیادہ اللہ کا امن وامان نصیب ہوتا ہے، وہ درج ذیل ہیں:

۱- توحید: جس قدر آپ توحید کا اہتمام کریں گے، اسی قدر اللہ کا امن وامان آپ کو حاصل ہو گا، اس لئے آپ اللہ کے سوا کسی اور سے مدد نہ مانگیں، اللہ کے سوا کسی اور کے نام پر جانور نہ ذبح

کریں، صرف اللہ پر ہی توکل اور بھروسہ کریں، اللہ کی تقدیر پر صبر کریں اور اس سے اپنی رضا مندی کو ظاہر کریں۔

۲- دنیا میں انسان کا اللہ سے بہت زیادہ خوف کھانا، ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ اپنے رب سے روایت کرتے ہیں، اللہ عزیز و برتر فرماتا ہے: "قسم ہے میری عزت کی! میں اپنے بندے پر دو خوف و وحشت اور دو امن و امان نہیں جمع کروں گا، اگر وہ دنیا میں مجھ سے بے فکر رہا تو میں قیامت کے دن اسے خوف میں مبتلا کر دوں گا، اور اگر دنیا میں مجھ سے خائف رہا تو قیامت کے دن اسے (خوف سے) مامون رکھوں گا"[1]۔

رسول ﷺ جب آسمان میں بادل دیکھتے تو خوف کھانے لگتے...!

آپ کے چہرے کا رنگ بدل جاتا.. کبھی آگے جاتے اور کبھی پیچھے ہوتے... کبھی اندر جاتے اور کبھی باہر آتے... یہاں تک کہ جب بارش ہو جاتی تب جا کر آپ کو سکون ملتا...

عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ سے دریافت کیا: اے اللہ کے رسول! لوگ جب بادل دیکھتے ہیں تو اس امید پر خوش ہوتے ہیں کہ اس میں بارش ہو گی لیکن اس کے برعکس میں دیکھتی ہوں کہ جب آپ کو بادل نظر آتے ہیں تو آپ کی حالت تبدیل ہو جاتی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "اے عائشہ! اس امر کی کیا ضمانت ہے کہ ان میں عذاب نہ ہو۔ ایک قوم کو ہوا کا عذاب دیا گیا تھا۔ انہوں نے جب عذاب دیکھا تو کہنے لگے: یہ تو بادل ہے جو ہم پر برسے گا"[2]۔

---

[1] اسے ابن حبان نے اپنی صحیح میں اور بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا ہے۔

[2] اسے امام بخاری نے روایت کیا ہے۔

بلکہ نبی ﷺ سب سے زیادہ یہ دعا کیا کرتے تھے کہ:(يا مُقَلِّبَ القُلوبِ ثَبِّت قَلبي عَلى دِينِكَ) "اے دلوں کو پھیرنے والے! میرے دل کو اپنے دین پر ثابت قدم رکھ"[1]۔

اگر آپ اس دعا پر غور کریں گے تو آپ کو معلوم ہو گا کہ یہ اس بندے کی دعا ہے جو (اپنے رب سے) خوف کھاتا ہے..

صحابہ کرام نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا: کیا آپ کو ہمارے تعلق سے خدشہ ہے؟ آپ نے فرمایا: "سارے دل اللہ تعالی کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان ہیں، وہ جس طرح چاہتا ہے ان سب کو پھیرتا رہتا ہے"۔

بندہ اس بات سے مامون نہیں ہے کہ اللہ تعالی اس کے دل کو ایک پل میں (ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف) پھیر دے..!

اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے بنی اسرائیل کے اس شخص کا قصہ بیان فرمایا ہے:(وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ الَّذِي آتَيْنَاهُ آيَاتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَأَتْبَعَهُ الشَّيْطَانُ فَكَانَ مِنَ الْغَاوِينَ)

ترجمہ: ان لوگوں کو اس شخص کا حال پڑھ کر سنایئے کہ جس کو ہم نے اپنی آیتیں دیں پھر وہ ان سے بالکل ہی نکل گیا۔ پھر شیطان اس کے پیچھے لگ گیا سو وہ گمراہ لوگوں میں شامل ہو گیا۔

عالم کو علم دیا گیا.. پھر اس کے بعد کیا ہوا..؟ وہ اس سے بالکل ہی نکل گیا..!

اللہ نے یہ نہیں کہا کہ وہ بے راہ یا گمراہ ہو گیا، بلکہ وہ اس سے بالکل ہی نکل گیا..!

[1] اسے امام ترمذی نے روایت کیا ہے اور شیخ البانی نے صحیح الجامع میں اسے صحیح کہا ہے۔

بالکل اسی طرح جس طرح سانپ اپنی کھال سے نکل جاتا ہے.. پوری طرح جدا ہو جاتا ہے اور اس کی کھال اس کے گوشت سے الگ ہو جاتی ہے...!

یہ وہ شخص ہے جسے اللہ نے علم سے نوازا... لیکن وہ اس سے دستبردار ہو گیا اور شیطان اس کے پیچھے لگ گیا... اس پر حاوی ہو گیا... چنانچہ وہ گمراہ لوگوں میں شامل ہو گیا..

جب اللہ نے بنی اسرائیل کے شخص کے بارے میں یہ قصہ بیان کیا ہے، تو یہ امت محمد یہ ﷺ میں بھی واقع ہو سکتا ہے، رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: "اگر بنی اسرائیل کے اندر ایسا شخص تھا جس نے اپنی ماں سے کھلے عام نکاح کیا تو میری امت میں بھی ایسا شخص ہو گا جو یہ کام کرے گا"۔ کیوں کہ ہمیں بنی اسرائیل کے ذریعہ آزمائش میں مبتلا کیا گیا ہے: "تم پہلے کے لوگوں کے طریقوں کی پیروی کروگے..."۔

ان کمیوں اور الٹ پھیر کے سامنے بندے کو چاہیے کہ ہوشیار اور خبردار رہے، لوگوں کی مدح سرائی سے فریب نہ کھائے، کیوں کہ وہ نہیں جانتا کہ اللہ نے اس کے عمل کو قبول کیا یا نہیں..! عمل کی آفتیں بہت زیادہ ہیں...

یہی وجہ ہے کہ جو شخص اس دنیا میں اپنے اوپر ڈر کھاتے ہوئے.... گناہوں سے خوف کھاتے ہوئے.. فتنوں سے ڈرتے ہوئے زندگی گزارے.. وہ اس بات کا زیادہ حقدار ہے کہ اللہ تعالی قیامت کے دن اسے امن وامان عطا فرمائے۔

* بندہ جب خائف ہو گا تو وہ اللہ سے اس کے اسم گرامی (المؤمن) کے وسیلے سے یہ دعا کرے گا کہ وہ اسے امن وامان عطا فرمائے اور خوف سے مامون رکھے، اللہ تعالی فرماتا ہے: (وَلِلَّهِ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَىٰ فَادْعُوهُ بِهَا وَذَرُوا الَّذِينَ يُلْحِدُونَ فِي أَسْمَائِهِ سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ)

ترجمہ: اچھے اچھے نام اللہ ہی کے لیے ہیں، سو ان ناموں سے اللہ ہی کو موسوم کیا کرو اور ایسے لوگوں سے تعلق بھی نہ رکھو جو اس کے ناموں سے کج روی کرتے ہیں، ان لوگوں کو ان کے کیے کی ضرور سزا ملے گی۔

*جب بندہ اپنے گھر میں، اپنے اہل خانہ کے ساتھ خود کو مامون پائے.. اس کے پاس دن بھر کی خوراک ہو... وہ سکون کی نیند سوتا ہو... تو اسے چاہیے کہ امن وامان دینے والے اللہ کی حمد وثنا بیان کرے کیوں کہ ایسے بھی لوگ ہیں جو خوف وہراس کے عالم میں سوتے ہیں اور ڈر کی حالت میں جاگتے ہیں، انہیں یہ بھی خبر نہیں ہوتی کہ وہ صبح کر بھی پائیں گے یا نہیں....!

جب بندے کے اندر اس نعمت کا احساس پیدا ہو جائے تو اس کے شکر میں اضافہ ہو جاتا ہے، تاکہ اس کی نعمتیں چھن نہ جائیں، یہی وہ پہلی دعا تھی جو ابراہیم علیہ السلام نے کی: (وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ اجْعَلْ هَذَا الْبَلَدَ آمِنًا)

ترجمہ: (ابراہیم کی یہ دعا بھی یاد کرو) جب انہوں نے کہا کہ اے میرے پروردگار! اس شہر کو امن والا بنادے۔

اللہ کا نام "المہیمن" جل جلالہ

اللہ کا نام المہیمن قرآن کریم میں ایک دفعہ وارد ہوا ہے، اکثر و بیشتر اسلاف اللہ کے نام المہیمن کی تفسیر یہ بیان کرتے تھے کہ وہ رقیب کے معنی میں ہے، یعنی: بندوں کے اعمال کا مشاہدہ کرنے والا۔

ایک دوسرا معنی بھی ہے اور وہ ہے: غالب.... تمام چیزوں پر مکمل غلبہ اور تسلط رکھنے والا...

اللہ کی پاک و قابل تعریف ذات نے انسانوں کو اپنے کامل غلبہ کا چیلنج دیا ہے: (أَمْ عِنْدَهُمْ خَزَائِنُ رَبِّكَ أَمْ هُمُ الْمُصَيْطِرُونَ)

ترجمہ: کیا ان کے پاس تیرے رب کے خزانے ہیں؟ یا (ان خزانوں کے) یہ داروغہ ہیں؟

ایک اللہ کے لئے ہی پوری کائنات اور کائنات میں چل رہی تمام مخلوقات پر غلبہ اور تسلط ہے: (لَا الشَّمْسُ يَنْبَغِي لَهَا أَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا اللَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ وَكُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ)

ترجمہ: نہ آفتاب کی یہ مجال ہے کہ چاند کو پکڑے اور نہ رات دن پر آگے بڑھ جانے والی ہے، اور سب کے سب آسمان میں تیرتے پھرتے ہیں۔

اگر سورج زمین سے قریب ہو جائے تو ہم جل کر راکھ ہو جائیں... اور اگر دور ہو جائے تو ہم جامد ہو کر رہ جائیں..! کون ہے وہ ذات جس نے سیاروں، ستاروں اور سورج اور چاند کے درمیان توازن قائم کر رکھا ہے...! غلبہ اور تسلط رکھنے والا اللہ (المہیمن)...

یہ کائنات پر اس کے تسلط کا عالم ہے تو انسانوں پر اس کا تسلط کیا ہو گا..!

آپ رسول ﷺ کے اس حزن و ملال کو پڑھیں جس کا تذکرہ سورہ غاشیہ میں آیا ہے، جب آپ نے اپنی قوم کو دعوت دی اور انہوں نے ماننے سے انکار کر دیا: (لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ)

ترجمہ: آپ کچھ ان پر داروغہ نہیں ہیں۔

اے محمد...! آپ ان کے دلوں کے مالک نہیں ہیں... اور نہ آپ ان پر تسلط جما سکتے ہیں...!

اللہ ہی ایک وہ ذات ہے جو ہر چیز پر غلبہ اور تسلط جماتا ہے...

اللہ کے اسم گرامی "المهيمن" کے وہ اثرات جو عبادت پر مرتب ہوتے ہیں:

۱-جب بندہ دیکھے کہ اس کا دل (راہ حق سے) مائل اور منحرف ہو گیا ہے تو اسے اللہ کے اسم گرامی المہیمن کے واسطے سے دعا کرنا چاہیے: اے مہیمن (غلبہ رکھنے والے پروردگار!) میرے دل (کی اصلاح میں) میری مدد فرما..! اس دعا کی سب سے زیادہ ضرورت اس شخص کو ہوتی ہے جو مذموم اور حرام عشق میں مبتلا ہو جاتا ہے...

۲-جو شخص یہ محسوس کرنے لگے کہ دلوں پر اللہ ہی کا غلبہ اور تسلط ہوتا ہے، وہ اس بات کی فکر اور اہتمام کرے گا کہ صبح وشام (اور ہمہ وقت) اس کی نیت درست رہے.. اس کے دل میں اللہ کا مقام ومرتبہ اس سے کہیں بڑھ کر ہو گا کہ وہ اس کی نافرمانی کی نیت رکھے...! اس لئے وہ صرف خیر وبھلائی کا ہی ارادہ رکھے گا۔

۳-جب بندہ کے سامنے دو اختیار ہو: یا تو وہ اللہ کو مقدم رکھے یا اپنی شہوت کو ترجیح دے، تو ایسی صورت میں اگر وہ اللہ کے غلبہ وتسلط کو یاد کرے گا تو اللہ کو ترجیح دے گا، کیوں کہ اس کا مقام اس کے دل میں اس سے کہیں بڑھ کر ہو گا کہ وہ اس پر کسی اور کو ترجیح دے: "جو شخص اللہ کو مقدم کرے گا اللہ اسے مقدم رکھے گا"۔

۴-جو شخص یہ یاد رکھے کہ کائنات پر اللہ تعالی ہی کا غلبہ اور تسلط ہے، جب اس کے اندر اس کا علم، یقین اور توحید جاگزیں ہو جائے، تو وہ کسی کے سامنے بھی ذلت برداشت نہیں کرے گا، خواہ وہ جو بھی ہو، بلکہ یہ دعا کرے گا: اے مہیمن (غلبہ وتسلط رکھنے والے پروردگار!) انہیں میرے لئے مسخر فرمادے.. ہم اللہ سے دعا گو ہیں کہ ہمارے اندر اپنے اسماء وصفات پر ایمان میں اضافہ فرمائے.....

اللہ کا نام "العزیز" جل جلالہ

یہ ایسا نام ہے جو ہر ایسے شخص کی بیماری کا مداوا کرتا ہے جو نفسیاتی شکشت سے دوچار ہو...!

یہ ایسا نام ہے جس کے ذریعے بندہ ایک نئی زندگی کی طرف منتقل ہوتا ہے... ایک نئے دل سے آشنا ہوتا ہے... نئی فکر اس کے اندر پیدا ہوتی ہے...!

جب آپ دیکھیں کہ مسلمانوں کے دشمن ان پر ٹوٹ پڑے ہیں اور ان کے خلاف سازشیں رچ رہے ہیں... جب مسلمان کا خون سب سے سستا خون ہو جائے... بندہ مسلم کی عزت نفس سب سے ہیچ ہو جائے...

جب آپ دیکھیں کہ مسلمان اپنے دین سے پوری طرح دستبردار ہوتے جارہے ہیں... انہیں صرف مغرب، مغرب کی تقلید اور ان کے ساتھ شیر وشکر ہونے کی فکر لاحق ہے یہاں تک کہ ولاء وبراء کا عقیدہ بھی جاتا رہا، مسلمان حیران وششدر ائکل مارتا پھر رہا ہے، نہ اسے یہ معلوم ہو کہ وہ دوستی کس سے کرے...؟ اور نہ یہ پتہ ہو کہ دشمنی کس سے کرے..؟

ایسے وقت میں اللہ کا نام "العزیز" ہی اس کے دل کا علاج کرتا ہے جس میں کمزوری، موت کا خوف، ناامیدی اور بے یقینی اپنا گھر بنا چکی ہوتی ہے... اس دل کا علاج کرتا ہے جو اپنی عزت وسربلندی سے دستبردار ہو چکا ہوتا ہے...!

گویا وہ کہتا ہے: اے مومن... جان رکھو کہ تیرا پروردگار عزت وسربلندی والا ہے اور ساری عزت وشوکت اسی جل جلالہ سے حاصل کی جاسکتی ہے۔

تمہارا وہ پروردگار جس نے تمہیں اور تمام انسانوں کو پیدا کیا، تم سے فرماتا ہے: (وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنْتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ)

ترجمہ: تم نہ سستی کرو اور غمگین ہو، تم ہی غالب رہو گے اگر تم ایمان دار ہو۔

قرآن کریم میں اللہ کے نام "العزیز" کا ذکر کثرت سے آیا ہے، تقریبا ۹۲ مقامات پر یہ نام وارد ہوا ہے... اس کے ساتھ بہت سے دیگر اوصاف الٰہی کا بھی ذکر آیا ہے:

العزیز الحکیم....

العزیز العلیم...

العزیز الرحیم...

یہ اوصاف جو اللہ کے نام "العزیز" کے ساتھ وارد ہوئے ہیں، یہ کمال اور حسن و جمال کو مزید چار چاند لگا دیتے ہیں... ان اوصاف سے اس نام کے اندر ایک نیا معنی پیدا ہو جاتا ہے..

"العزیز": یہ اسم گرامی عزت سے ماخوذ ہے، جس کے معنی غلبہ، طاقت، بلندی اور قوت کے ہوتے ہیں، کہا جاتا ہے: رجل عزیز، یعنی: ایسا شخص جسے مغلوب اور زیر نہیں کیا جا سکتا۔

یہ بھی کہا جاتا ہے: "غلبني فلان على الأمر " یا "عزّني فلان على الأمر" یعنی: فلاں شخص مجھ پر غالب آ گیا۔

یہ بھی کہا جاتا ہے: "عزّ الشيئ" یعنی اس کا وجود نادر و کمیاب ہو گیا، بہت مشکل سے ہی وہ ملتا ہے... سورہ یس کے اندر اللہ تعالی فرماتا ہے: فَعَزَّزْنَا بِثَالِثٍ یعنی: ہم نے تیسرے کے ذریعے انہیں تقویت پہنچائی... تیسرے نبی اور رسول کے ذریعے ان کی تائید کی۔

ان لغوی معانی کو اگر آپ یکجا کریں گے تب جا کر اس معنی تک پہنچیں گے جو اللہ کے اسم گرامی "العزیز" کے اندر اللہ جل جلالہ کے تئیں پایا جاتا ہے...!

ابن سعدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "اللہ ہی کے لئے ہر قسم کی عزت وشوکت ہے، قوت، غلبہ، اور طاقت (سب اسی کے لئے ہے)"۔

وہ عزت جو قوت (کے معنی میں) ہے:

کوئی اللہ کی قوت کے سامنے کھڑا ہونے کی ہمت وجسارت نہیں کر سکتا: (وَلَوْ يَرَى الَّذِينَ ظَلَمُوا إِذْ يَرَوْنَ الْعَذَابَ أَنَّ الْقُوَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا)

ترجمہ: کاش کہ مشرک لوگ جانتے جب کہ اللہ کے عذاب کو دیکھ کر جان لیں گے کہ تمام طاقت اللہ ہی کو ہے۔

قوم ہود بہت طاقتور قوم تھی... وہ جسمانی طور پر... شوکت وجبروت کے اعتبار سے.. اپنی پکڑ اور گرفت میں (ہر طرح سے اتنے) طاقتور تھے کہ ان کو اپنی اس قوت پر فخر تھا اور وہ کہتے تھے کہ ہم سے بڑھ کر طاقتور کون ہے...!

جب اللہ عزیز وبرتر نے ان کی صفت بیان کی تو فرمایا: (وَإِذَا بَطَشْتُمْ بَطَشْتُمْ جَبَّارِينَ)

ترجمہ: جب تم پکڑتے ہو تو بہت بے رحم ہو کر پکڑتے ہو۔

یعنی جب لوگوں سے تمہاری جنگ یا لڑائی ہوتی ہے تو تم اسے (سختی سے) پکڑتے ہو- کبھی بھی یہ گرفت کمزور کی طرف سے نہیں ہوتی- گرفت صرف طاقتور ہی کی طرف سے ہوتی ہے...!

ان کی طاقت وقوت اور قد وقامت کو جاننے کے لئے آپ اس صحیح حدیث پر غور فرمائیں، نبی ﷺ نے فرمایا: "اہل جنت جب جنت میں داخل ہوں گے تو اپنے والد آدم کی قامت پر ساٹھ ہاتھ (لمبے) ہوں گے.."۔

ساٹھ ہاتھ تقریباً پچاس میٹر کے برابر ہوتا ہے..!

مومن جب جنت میں داخل ہوں گے تو اپنے والد آدم علیہ السلام کی قامت پر ساٹھ ہاتھ لمبے ہوں گے..یہی قامت گزشتہ اقوام کی بھی ہوگی..!

قوم عاد کی قد و قامت اس سے بھی زیادہ تھی، کیوں کہ اللہ جل جلالہ نے اپنی کتاب میں ان کی یہ صفت بتائی ہے کہ اللہ نے انہیں جسمانی کشادگی اور برتری عطا فرمائی تھی...

آپ تصور کرسکتے ہیں (کہ ان کی قامت کیا رہی ہوگی)..!

اتنی طاقت و قوت....شوکت و جبروت...کشادگی اور برتری....اور ان (لمبی قامت والے) جسموں کے ساتھ پوری قوم ایک ساتھ اس غرض سے نکلی کہ اللہ کے نبی ھود علیہ السلام کی جان لے لیں، جب کہ آپ تن تنہا تھے، آپ کے ساتھ کوئی بھی نہ تھا...!

آپ اپنی قوم کو چیلنج دیتے ہوئے ان کے سامنے سینہ سپر ہوگئے..!

انہیں یہ کھلا ہوا بے باک چیلنج دیا جس میں قوتِ الٰہی کی پناہ طلب کرنے والے (بندہ مومن) کی صفت پائی جاتی ہے، فرمایا: (فَكِيدُونِي جَمِيعًا ثُمَّ لَا تُنْظِرُونِ)

ترجمہ: میرے خلاف چالیں چل لو اور مجھے بالکل مہلت بھی نہ دو۔

تم سب کے سب جمع ہو جاؤ...پہلے شخص سے لے کر آخری فرد تک....ہر جانب سے اکٹھے ہو جاؤ....تمہارے مرد اور عورتیں...چھوٹے اور بڑے (سب یکجا ہو جائیں)...مجھے ایک لمحہ کے لئے بھی مہلت نہ دو...!

اگر تم میری جان لینے کی استطاعت رکھتے ہو تو لے لو..!

آپ نے کس سے قوت حاصل کی...؟ کس نے ان کو یہ قوت عطا فرمائی..!

آپ علیہ السلام نے اللہ سے اپنی طاقت و قوت حاصل کی... آپ کا دل چٹان کی طرح ثابت قدم تھا، کیوں کہ آپ جانتے تھے کہ اللہ کی عزت و قوت کے سامنے ہر ایک چیز کمزور اور ہیچ ہے...!

انہوں نے اپنے پروردگار سے قوت حاصل کی تو اللہ نے انہیں قوت عطا فرمائی، ان کی مدد کی اور انہیں فتح و نصرت سے سرفراز فرمایا۔

اسی طرح لوط علیہ السلام کے ساتھ بھی ہوا، ان کی بستی کے سارے لوگ ان پر ٹوٹ پڑے.. سب جانتے ہیں کہ قوم لوط کی بستی والے لوط علیہ السلام کے مہمانوں سے کیا چاہتے تھے، (آپ ان کی اس حرکت سے اتنے مغموم ہوئے) کہ اس دن کو بڑے سخت دن سے موسوم کیا۔

لیکن انہوں نے اپنے رب سے قوت و طاقت طلب کی.. اپنے پروردگار کی پناہ لی تو اللہ عزیز و برتر کی طرف سے فوراً یہ جواب آیا:(يَا لُوطُ إِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ لَنْ يَصِلُوا إِلَيْكَ)

ترجمہ: اے لوط! ہم تیرے پروردگار کے بھیجے ہوئے ہیں ناممکن ہے کہ یہ تجھ تک پہنچ جائیں ۔

چونکہ پاکی و تعریف والا اللہ ہی عزت و سربلندی اور قوت و شوکت کا مالک ہے... اس لئے کوئی بھی طاقتور اور مقابلہ کرنے والا اس پر غالب نہیں آسکتا... ساری قوتیں اسی کے لئے ہیں...!!

عزت جو حفاظت اور امان کے معنی میں ہے: اللہ پاکی و تعریف والے (پروردگار کو) کوئی زک نہیں پہنچا سکتا اور نہ اس تک (ہر کس و ناکس) رسائی حاصل کر سکتا... کوئی بھی انسان خواہ وہ جو بھی ہو، اللہ کو نہ نقصان پہنچا سکتا ہے، نہ فائدہ، نہ اسے ناپسندیدہ چیز پہنچا سکتا ہے اور نہ کوئی چیز اس کے خلاف کر سکتا ہے..

وہ زندہ وجاوید، ہر چیز کو قائم رکھنے والا، عزت وسربلندی والا، (ہر قسم کے نقصان) سے محفوظ اور مامون ہے، اسے کوئی قائم نہیں رکھتا.. نہ اسے کوئی مدد پہنچاتا ہے.. اور نہ وہ پاکی وتعریف والا پروردگار کسی کا محتاج ہے..

وہ عزت جو غلبہ اور قہر (کے معنی میں ہے):

وہ اللہ ہے جسے کوئی مغلوب نہیں کر سکتا... عزت وشوکت کی یہ وہ قسم ہے جس کے اندر چیلنج کا معنی پایا جاتا ہے... اللہ تعالی ہر سازشی اور مکار کو چیلنج کرتا ہے... منصوبہ بندی اور پلاننگ کرنے والے ہر شخص کو چیلنج کرتا ہے... ہر جھوٹے، ظلم پرور، جابر اور متکبر کو چیلنج کرتا ہے...!

تم جو چاہو سازش کرلو.. تم جو چاہو کرلو.. اپنے لئے جیسے بھی حالات چاہو پیدا کرلو.. جو اسباب بھی چاہو اختیار کرلو..!

ہو گا صرف وہی جو اللہ چاہے گا... تم اللہ کی مراد پر غالب نہیں ہوسکتے.. کیوں کہ اللہ تعالی فرماتا ہے: (وَاللَّهُ غَالِبٌ عَلَى أَمْرِهِ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ)

ترجمہ: اللہ اپنے ارادے پر غالب ہے لیکن اکثر لوگ بے علم ہوتے ہیں۔

یوسف کے بھائی ان کے خلاف سازشیں رچتے ہیں... اس کے قتل کی پلاننگ کرتے ہیں.. اس سے دشمنی اور عداوت رکھتے ہیں..

لیکن اللہ عزیز وبرتر یہ چاہتا ہے کہ یوسف کو زمین میں قوت وغلبہ عطا کرے... انہیں قوت وشوکت عطا کرتا ہے اور انہیں مصر کی طرف منتقل کر دیتا ہے تاکہ وہاں سربلند رہیں اور اقتدار پر فائز ہوں، بلکہ اللہ تعالی ان کے بھائیوں کی سازش کو ان کے لئے عزت وشوکت اور رفعت وبلندی تک پہنچنے کا ذریعہ بنا دیتا ہے... اور یہ اللہ جل جلالہ کی عزت وسربلندی، غلبہ وسطوت اور

قہر وجبروت کا کمال ہے کہ اس راستے کو جسے آپ کے لئے مسدود کر دیا گیا... ان لوگوں کو جنہوں نے آپ کی مخالفت کی ، آپ کے خلاف پس پردہ سازشیں رچیں اور مکاریاں کیں.... اس راستے کو ہی آپ کو (منزل تک) پہنچانے کا ذریعہ ... مقصد اور ہدف تک رسائی کرانے کا راستہ.. عزت وشوکت سے ہمکنار کرنے کا وسیلہ اور رزق رسانی کا دروازہ بنادے..!

اللہ جل جلالہ عزت وسربلندی والا ہے ، اسے کوئی مغلوب نہیں کر سکتا.. اسے کوئی چیلنج نہیں کر سکتا... نہ اسے کوئی (کسی چیز سے) روک سکتا ہے ، نہ اس کی خلاف ورزی کر سکتا ہے اور نہ ہی اس کے لئے کوئی چیز مشکل ہے...

وہ عزت جو قدر ومنزلت کے معنی میں ہے:

اللہ جلّ جلالہ عزت وسربلندی والا ہے ، کوئی چیز اس کی ہمسری نہیں کر سکتی... کوئی اس کا ہم مثل نہیں.. کوئی اس کا شریک وساجھی نہیں... نہ کوئی اس کا نظیر ہے .... اور نہ کوئی اس کے جیسا ہے: (وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ)

ترجمہ: وہی سب کچھ سننے والا ، سب کچھ دیکھنے والا ہے۔

عزت وشوکت کی یہی چار قسمیں ہیں... عزت وشوکت کے یہی ارکان ہیں...

ان تمام معانی سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ ہر اعتبار سے اللہ جل جلالہ عزت کے منتہائے کمال پر فائز ہے۔

اللہ کے نام "العزیز" کے وہ اثرات جو عبادت پر مرتب ہوتے ہیں:

۱- جب بندہ یہ یقین کر لے کہ اللہ ہی کے لئے کامل عزت وشوکت ہے ، تو اسے وہ صرف اللہ ہی سے طلب کرے گا: (مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْعِزَّةَ فَلِلَّهِ الْعِزَّةُ جَمِيعًا)

ترجمہ: جو شخص عزت حاصل کرنا چاہتا ہو تو اللہ تعالی ہی کی ساری عزت ہے۔

جو غیر اللہ سے عزت طلب کرتا ہے، اللہ اسے ذلیل وخوار کر دیتا ہے..اسے اہانت سے دوچار کرتا ہے اور جس سے وہ عزت طلب کرتا ہے، اسی کے سپرد اسے کر دیتا ہے..!

- کہا جاتا ہے کہ ایک شاعر معز فاطمی کے پاس جایا کرتا تھا جو کہ فاطمی حکومت کا سربراہ تھا...وہ حاکم کی مدح سرائی میں ساری حدیں تجاوز کر جاتا، تاکہ اس کی قربت، مودت اور توجہ سے بہرہ مند ہو سکے..وہ اس کی تعریف میں اس حد تک چلا گیا کہ کہنے لگا:

شئتَ لا ما شاءت الأقدار احكم فأنت الواحد القهار

ترجمہ: جو آپ چاہیں (کریں) نہ کہ وہ (کریں جو) تقدیر میں لکھا ہوا ہے۔ آپ حکمرانی کریں کہ آپ یکتا و منفرد اور غالب و قاہر ہیں۔

حاکم کو یہ تعریف بڑی پسند آئی، چنانچہ وہ اس شاعر کو ہمیشہ اپنے ساتھ رکھنے لگا، اس کے ساتھ سفر کرتا اور ہمہ وقت اسے اپنی معیت میں رکھتا...ایک سفر میں شاعر کے سر میں درد اٹھ گیا..وہ چیخ وپکار کرنے لگا اور بلند آواز سے واویلا مچانے لگا...

معز فاطمی کو اس آواز اور چیخ وپکار سے اذیت ہونے لگی....تو اس نے کیا کیا...؟!

اس شاعر کو سمندر کے کنارے تنہا چھوڑ دیا..بغیر کسی ساتھی اور رفیق سفر کے...اس کے ساتھ کوئی ہمنوا نہ تھا...نہ اس کے پاس کوئی توشہ سفر تھا...بے سروسامانی کے عالم میں (اسے اکیلا چھوڑ دیا)...خود سواری پر بیٹھا اور چل پڑا...!

اس کے بعد...لوگوں نے اسے وہاں مردہ پایا، اس کے جسم سے بدبو پھوٹ رہی تھی، وہ ذلیل وخوار اور حقیر مردار کی طرح پڑا ہوا تھا..!!

ابن کثیر فرماتے ہیں: وہ چیخ وپکار کے درمیان معز سے کہتا تھا:

تو یکتا اور غالب ہے..تو یکتا اور غالب ہے..!

اس نے مخلوق سے عزت و سربلندی حاصل کی... انسان سے عزت و شوکت طلب کیا... چنانچہ اللہ نے اسے اسی کے سپرد کر دیا... اسے ذلیل و خوار کر دیا...!

اللہ نے اس کے اوپر اس انسان کو مسلط کر دیا، چنانچہ اسے اسی شخص سے ذلت و خواری ملی جس سے وہ عزت و سربلندی مانگتا تھا...!

قاعدہ یہ ہے کہ: "جو عزت و سربلندی والے (اللہ کو) چھوڑ دیتا ہے اللہ اسے ذلیل کر دیتا ہے"، اس کے برعکس: "جو عزت و سربلندی والے (اللہ کے سامنے) ذلت و عاجزی اختیار کرتا ہے وہ عزت و سربلندی سے بہرہ مند ہوتا ہے"۔

- نبی ﷺ جب غزوہ بدر کے لئے نکلے... تو آپ کے پاس نہ جنگی اسلحے اور ہتھیار تھے اور نہ ہی بھاری بھر کم فوج، جس کے ذریعہ آپ قریش کا مقابلہ کرتے.. ہزار جنگجوؤں کا مقابلہ کرتے...! آپ اپنے رب سے قوت و شوکت طلب کرتے ہوئے نکلے.. غزوہ سے قبل پوری رات آپ اپنے پروردگار سے مناجات کرتے رہے:

اے رب... اے رب.. اے رب.. اے پالنہار... اے پروردگار..!

آپ نے اپنے پروردگار سے عزت طلب کی، چنانچہ آپ کے رب نے آپ کو قوت و شوکت سے سرفراز فرمایا... آپ کی تائید فرمائی... آپ کو نصرت و فتح اور عزت و شوکت سے بہرہ مند کیا..

- مکہ کو ہتھیاروں سے فتح نہیں کیا گیا... نہ ہی اس کی فتح کے لئے خوں ریزی کی گئی.... نہ ہی توپوں کا سہارا لیا گیا اور نہ قتل و خونریزی کی نوبت آئی..!

بلکہ مکہ تو محض اللہ کی عزت و شوکت سے فتح ہوا...!

نبی ﷺ پہلے وہاں سے نکالے گئے تھے، پھر آپ وہاں (فاتح کی شکل میں) داخل ہوئے...

آپ وہاں داخل ہوئے تو صرف اللہ کی تائید اور نصرت سے داخل ہوئے... اللہ نے ہی آپ کو عزت و سربلندی عطا کی اور اللہ کبھی مغلوب نہیں ہوا..!

-غزوہ احزاب میں اللہ نے اپنی عزت وشوکت سے سخت و تیز و تند آندھی بھیجی...
یہ آندھی مشرکوں کی فوج پر مسلط ہوگئی...اس نے ان کی جلائی ہوئی آگ کو بجھا دیا..ان کی ہانڈیوں کو الٹ ڈالا. ریت فضا میں اڑنے لگی...چٹانیں آپس میں ٹکرانے لگیں...سارے مشرکین ڈر گئے ...بکھر گئے...منتشر ہوگئے....جہاں سے آئے تھے وہیں لوٹ گئے اور اللہ نے اپنی عزت وشوکت، قوت وطاقت اور غلبہ کے ذریعہ مومنوں کو جنگ سے محفوظ کر دیا...!
جب اللہ کسی قوم کو عزت و سربلندی عطا کرنا چاہتا ہے تو اپنے ارادے کے مطابق جیسے چاہتا ہے انہیں عزت وشوکت عطا کرتا ہے اور ان کے لئے جس فوج کو چاہتا ہے مسخر کر دیتا ہے:(وَمَا يَعْلَمُ جُنُودَ رَبِّكَ إِلَّا هُوَ)
ترجمہ: تیرے رب کے لشکروں کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔
سب سے بڑی عزت وسربلندی یہ ہے کہ آپ عزت وسربلندی والے اللہ کی پناہ میں زندگی گزاریں...آپ اسی سے عزت وشوکت طلب کریں...کسی اور سے نہیں بلکہ صرف اسی سے عزت حاصل کریں..
۲-مومن اپنی زندگی میں عزت وشوکت کو معنوی طور پر محسوس کرے، اپنے سلوک وبرتاو میں..اپنے طرزِ حیات میں اس کو اپنائے...
-عمر رضی اللہ عنہ امیر المومنین تھے، پوری دنیا ان کے قدموں میں تھی...مال ودولت...خزانے...سونے اور چاندی..ٹیکس..حکم دینے اور روک ٹوک کرنے سب کا اختیار انہیں کو حاصل تھا..
لیکن جب آپ بیت المقدس فتح کرنے کی غرض سے ملک شام گئے تو پیوند لگے ہوئے کپڑے پہن کر گئے...! آپ سے کسی نے عرض کیا: اے امیر المومنین! کیا ہی خوب ہوتا کہ آپ دوسرا لباس زیب تن کر لیتے...؟

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس پر غصہ ہو گئے اور فرمایا: "ہم ایک ایسی قوم ہیں جسے اللہ نے اسلام کے ذریعے عزت و سرخروئی عطا کی ہے، اگر ہم نے اسلام کے علاوہ کسی اور چیز میں اپنی عزت تلاش کی تو اللہ ہمیں ذلیل وخوار کر دے گا"...!

ہمیں عزت وشوکت، شکل وصورت، لباس وپوشاک اور منظر ومظہر سے نہیں مل سکتی..!

بلکہ عزت وسربلندی کا سرچشمہ ہمارا دین... ہمارا عقیدہ.... ہماری توحید... ہمارا اسلام ہے....

اگر ہم ان چیزوں سے دستبردار ہو کر اسلام کے علاوہ کسی اور جگہ عزت وسرخروئی کی جستجو کریں گے تو اللہ ہمیں عزت وسربلندی سے محروم کر دے گا..!

-ربعی بن عامر رضی اللہ عنہ فارس کے بادشاہ رستم کے دربار میں داخل ہوتے ہیں.. فارس اس وقت کا سب سے طاقتور امپائر تھا.. جبکہ ربعی رضی اللہ عنہ بہت معمولی شخص تھے.. وہ عمر بن خطاب، عثمان اور علی رضی اللہ عنہم کی طرح مسلمانوں کے کوئی رہنما اور قائد بھی نہیں تھے..!

آپ رستم کے پاس اپنی متواضع شکل وصورت... سادہ لباس وپوشاک کے ساتھ... اپنے شکم پر تلوار باندھے ہوئے... پشت پر نیزے اٹھائے ہوئے... اور اپنے نیزہ پر ٹیک لگاتے ہوئے داخل ہوتے ہیں...

رستم کے حواری اور وزرا دائیں اور بائیں کھڑے ہیں.. دونوں طرف تکیے لگے ہوئے ہیں... قالین پھیلی ہوئی ہے...

وہ اس کمزور اور معمولی ہیئت میں اپنے پروردگار سے عزت وشوکت طلب کرتے ہوئے داخل ہوتے ہیں... اپنے نیزہ پر ٹیک لگائے ہوئے داخل ہوتے ہیں.. آپ کا نیزہ قالین اور تکیوں کو پھاڑتا جاتا ہے... آپ رستم کے سامنے کھڑے ہوتے ہیں اور عرض کرتے ہیں: "ہم اس لیے آئے ہیں کہ بندوں کو بندوں کی بندگی سے نکال کر بندوں کے رب کی بندگی کی طرف لے جائیں، تمام ادیان عالم کے ظلم وجور سے نکال کر دین اسلام کی طرف لے جائیں، ہم اس لئے

آئے ہیں کہ انہیں دنیا کی تنگی سے نکال کر آخرت کی کشادگی کی طرف لے جائیں، اگر تم نے ہماری یہ پیش کش قبول کی تو ہم تمہارا خیر مقدم کریں گے، ورنہ جزیہ اور جنگ پر فیصلہ ہو گا"..!
ان کی باتوں کا خلاصہ یہ ہے: تمہارے سامنے تین دن کا موقع ہے، اس کے بعد جنگ ہی ہو گی..!
ایک ایسا آدمی جس کے پاس کچھ نہیں تھا لیکن اللہ نے اسے یہ قوت وشوکت عطا فرمائی تھی..!

-ایک خاتون قید کر لی جاتی ہے، وہ ندا لگاتی ہے: ہائے معتصم..! معتصم کے ہاتھ میں پانی کا پیالہ ہوتا ہے... اسے یہ ندا پہنچتی ہے... اسے اس خاتون کی خبر موصول ہوتی ہے.. پیالہ کو وہیں رکھتا ہے اور اپنے خادم سے کہتا ہے: اسے ڈھک دو یہاں تک کہ میں لوٹ آؤں..!
گویا وہ قریب کی کسی جگہ پر جا رہا ہو جہاں سے (فورا) واپس ہو جائے گا..!
وہ وہاں سے نکلتے ہیں، پوری فوج کو ہتھیار سے... لشکروں سے... سازوسامان سے... اور اپنی قیادت سے لیس کرتے ہیں...!
ممکن تھا کہ انہیں (اس خاتون تک) پہنچنے میں.... شہر کو آزاد کرنے میں... فتح ونصرت سے ہمکنار ہونے میں مہینوں لگ جاتے... لیکن یہ ایمانی قوت ہی تھی جو (ان کی) روح میں دوڑ رہی تھی..! وہ اس خاتون کی پکار پر لبیک کہنے کے لئے نکلے...!
شہر کو آزاد کیا... اور یہ ٹھان لیا کہ خاتون کی بیڑیوں کو خود ہی کھولیں گے... قید خانے کے دروازے کو کھولتے ہیں... اور اس کی ندا پر لبیک کہتے ہوئے عرض کرتے ہیں: "اے بہن! میں حاضر ہوں، کل رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں اس بات کی گواہی دینا"...!
عزت وشوکت..! یہ عزت وشوکت جس کے دل میں جاگزیں ہو جائے اسے کوئی بھی ذلیل نہیں کر سکتا... اسے کوئی رسوا نہیں کر سکتا کیوں کہ اسے معلوم ہوتا ہے کہ معنوی طور پر اس کی

زندگی میں، اس کے سلوک وبرتاؤ اور طرز زندگی میں یہ عزت وشوکت کس طرح جاگزیں ہے ..ہم اپنی زندگیوں میں ان معانی کے بیشتر حصوں کو کھو چکے ہیں...!

اللہ عزیز وبرتر نے قرآن مجید میں ایسے لوگوں کی نکیر کی ہے جو غیر اللہ سے عزت وسرخروئی طلب کرتے ہیں:(الَّذِينَ يَتَّخِذُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ أَيَبْتَغُونَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ)

ترجمہ: جن کی یہ حالت ہے کہ مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست بناتے پھرتے ہیں، کیا ان کے پاس عزت کی تلاش میں جاتے ہیں؟

جو لوگ کافروں، یہودیوں اور مغرب سے عزت وسرخروئی طلب کرتے ہیں، اللہ کی قسم وہ اسے حاصل نہیں کر سکیں گے... انہیں کچھ بھی حاصل نہیں ہو گا، بلکہ ہر طرف سے... ہر راستے سے اللہ انہیں ذلت ورسوائی سے دوچار کرے گا... وہ اپنی نگاہوں کے سامنے دیکھیں گے کہ کیسے اللہ نے ان سے عزت وسرخروئی سلب کر لی اور ان پر ایسی ذلت وخواری مسلط کر دی جو اس وقت تک ان سے دور نہیں ہو گی جب تک کہ وہ اپنے پروردگار کے دین کی طرف نہیں لوٹیں گے اور اللہ کے اسم گرامی العزیز کا معنی ومفہوم نہ سمجھ لیں گے..!

ضروری ہے کہ ہم اپنی عزت وشوکت کی بازیافت کے لئے تگ ودو کریں اور جد وجہد سے کام لیں.. اپنے دلوں میں، اپنے بیٹوں اور بیٹیوں کے دلوں میں عزت وسرخروئی کی روح پھونکیں جو اپنی شناخت کھو چکے ہیں.. جو اپنی عزت کھو چکے ہیں.. اپنے دین سے ہاتھ دھو چکے ہیں.. وہ ہر چیز سے محروم ہو چکے ہیں...!

انہیں صرف یہ فکر لاحق رہتی ہے کہ انہیں بیرون ملک تعلیم کی سہولت فراہم ہو... سفر کے مواقع ملیں.. آزادی ملے ... یہاں تک کہ لباس، افکار، زبان .. تاریخ اور عبادات میں پوری طرح وہ اپنے دینی طرز اور شناخت سے نکل چکے ہیں...!

۳-عزت وسرخروئی کی طلب میں یہ جاننا ضروری ہے کہ اللہ تعالی عزت وسرخروئی صرف اپنے اطاعت گزار بندوں، اولیاء اور نیک بندوں کو ہی عطا کرتا ہے...

ہر وہ شخص جو اطاعت الہی کی راہ پر گامزن ہو ، اللہ اسے عزت وسرخروئی سے نوازتا ہے.. گناہوں کی وجہ سے ہی انسانی نفوس ذلت ومسکنت اور پسپائی کا شکار ہوتے ہیں..!

رازی فرماتے ہیں: "ہر شخص کو اسی قدر عزت وسرخروئی حاصل ہوتی ہے جس قدر دین میں اس کا مقام بلند ہوتا ہے، اس کے اندر جس قدر یہ صفت کامل ہوگی اسی کے بقدر اس کی عزت ورفعت میں بھی کمال پایا جائے گا" ۔یعنی: وہ معمولی اطاعت سے راضی نہیں رہتا اور نہ ہی اطاعت کے معاملے میں تخفیف سے کام لیتا ہے، کیوں کہ جس قدر آپ اللہ کی اطاعت کریں گے، اسی قدر اللہ تعالی آپ کو سرخروئی عطا فرمائے گا..!

وہ صحابی جو نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور جنت میں آپ کی رفاقت کے لئے سوال کیا، آپ نے اس سے فرمایا: "بکثرت سجدہ کے ذریعہ اپنے تعلق سے میری مدد کرو (تاکہ تم میری رفاقت سے سرفراز ہوسکو)"..

کثرت سے نماز پڑھو... سجدے کرو... رکوع کرو... بکثرت اللہ کی اطاعت کیا کرو کیوں کہ جس قدر آپ کے سجدے ، رکوع ، خشوع اور اطاعت کے کام زیادہ ہوں گے اسی قدر اللہ رب العزت کے پاس آپ کو عزت وسرخروئی اور رفعت وبلندی حاصل ہوگی اور آپ (نبی ﷺ کی) رفاقت سے سرفراز ہوں گے جو کہ نہایت بلند مقام ہے...! اسی لئے اے عزت وسرخروئی کے طلب گار...! جب آپ کسی حرام کام کی طرف قدم بڑھائیں گے... اس میں ملوث ہو جائیں گے.... اس کا ارتکاب کر بیٹھیں گے... تو آپ کی قدر وقیمت گھٹ جائے گی، عزت وسرخروئی، ذلت ومسکنت میں بدل جائے گی، اور یہ معصیت کی نحوست ہے، جیسا کہ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "(نافرمانی کی نحوست یہ بھی ہے کہ) خوف وہیبت اور حلاوت وچاشنی سے انسان

محروم ہو جاتا ہے جو اسے اطاعت کے سبب حاصل ہوتی ہیں، اور ان کی جگہ ذلت ومسکنت لے لیتی ہے"...!

کتنی ایسی نافرمانی ہے جس نے نافرمان انسان سے ہر چیز سلب کر لی... کتنی ایسی معصیت ہے جس نے نافرمان شخص سے عزت ومرتبہ سلب کر لیا.. وہ اللہ کی نگاہ سے گر گیا، پھر لوگوں کی نظر سے بھی گر گیا، اور ان کے درمیان بے حیثیت ہو کر زندگی گزارنے لگا..!

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حیرت انگیز عزت وسرخروئی کے ساتھ زندگی گزارتے تھے، جس سے اللہ نے انہیں سرفراز کیا تھا، کیوں کہ انہوں نے نافرمانی ترک کر دی تھی... اور اطاعت وفرمانبرداری کے اعمال کثرت سے انجام دیا کرتے تھے..

عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے عمر رضی اللہ عنہ کے تعلق سے جو بات کہی، آپ اس پر غور وفکر کریں: "اللہ کی قسم مجھے ایسا لگتا ہے کہ ان کی نگاہوں کے سامنے کوئی فرشتہ ہے جو ان کی رہنمائی کرتا اور انہیں راہ دکھاتا ہے"..!

اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اللہ کی بہت زیادہ توفیق اور موافقت حاصل ہوئی... اللہ نے انہیں عزت وسربلندی عطا فرمائی... انہیں رفعت وبلندی سے نوازا...!

حضرت عمر کو یہ سب کچھ کیسے حاصل ہوا...؟!

کثرت اطاعت کے ذریعہ.... کثرت تقوی وخشیت کے سبب.... اپنے پروردگار کو بکثرت یاد کرنے کی وجہ سے، جس کے سبب وہ اپنے پروردگار کی نافرمانی سے باز رہے...

۴-مومنوں کے لئے تواضع اختیار کرنا، اس کی دلیل اللہ تعالی کا یہ فرمان ہے: (أَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ أَعِزَّةٍ عَلَى الْكَافِرِينَ)

ترجمہ: وہ نرم دل ہوں گے مسلمانوں پر اور سخت اور تیز ہوں گے کفار پر۔

جس قدر آپ مومنوں کے تئیں سخت رویہ اختیار کریں گے ، اسی قدر اللہ آپ کو عزت وسرخروئی سے محروم کردے گا... جس قدر آپ اہل ایمان کے تئیں نرم رویہ اختیار کریں گے اور ان کے ساتھ تواضع سے پیش آئیں گے ، اسی قدر اللہ آپ کو عزت وسربلندی سے سرفراز کرے گا اور رفعت وبلندی کے اعلیٰ سے اعلیٰ مقام پر فائز کرے گا....

۵- کثرت سے کتاب اللہ پر غور وفکر کرنا...

جو شخص قرآن سے پہلو تہی اختیار کرلے، قرآن سے دور ہو جائے، قرآن کی اچھی صحبت اختیار نہ کرے، تو وہ عزت وسربلندی کو مکمل طور پر حاصل کرنے میں ناکام رہے گا....!

(إِنَّ هَذَا الْقُرْآنَ يَهْدِي لِلَّتِي هِيَ أَقْوَمُ)

ترجمہ: یقیناً یہ قرآن وہ راستہ دکھاتا ہے جو بہت ہی سیدھا ہے۔

کتاب اللہ کی طرف رجوع کیے بغیر ہمیں عزت وسرخروئی نہیں مل سکتی...!

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ جنہوں نے اپنی ساری عمر کتابوں، تعلیم وتعلم، وعظ ونصیحت، درس وتدریس، تصنیف وتالیف اور تعلیم میں گزار دی... انہوں نے اپنی آخری عمر میں فرمایا: "جو چیز مجھے بعد میں معلوم ہوئی ، اگر وہ مجھے پہلے معلوم ہوتی تو میں نے قرآن کو نہ چھوڑا ہوتا"..!

۶- اگر آپ کا دل اس نام (کے معانی سے) لبریز ہو جائے... اور آپ اسے اپنی زندگی کا طرز اور طریقہ بنالیں تو آپ شجاعت وبہادری سے بہرہ مند ہوں گے... ابن القیم بہادر انسان کے تعلق سے ایک اثر روایت کرتے ہوئے رقم طراز ہیں: " بہادر انسان کا سینہ منشرح اور دل کشادہ ہوتا ہے" ، کیوں کہ وہ اپنے دل کو ہر طرح کے قید وبند... ہزیمت وشکست... ضعف وکمزوری... خوف وہیبت... ذلت وعاجزی... اور پس وپیش سے آزاد رکھتا ہے..

چنانچہ جو شخص عزت و سرخروئی سے لبریز ہو... اس کے رگ وپے میں عزت و سربلندی سرایت کر جائے... اس کے خون اور رگوں میں عزت و سربلندی دوڑنے لگے... تو اس کی یہ روح کسی بھی قیمت پر اسے ہلاک و برباد، شکست وناکامی، کمزوری وناتوانی، اور منفی خیالات سے مغلوب و ذلیل وخوار نہیں ہونے دیتی اور نہ اسے خود سپردگی کرنے دیتی ہے...!

یہ عزت اس شخص کو اپنی ذات میں ایک امت بنا دیتی ہے... جو اپنے مشن پر قائم رہتا ہے... نہ وہ جھکتا ہے اور نہ ذلت قبول کرتا ہے، وہ جانتا ہے کہ کس طرح صعوبتوں سے نبرد آزمائی کی جائے.. اپنی خواہش نفس پر کیسے صبر کرے... اپنے عزم وارادہ کو کیسے محفوظ رکھے.. کیسے اپنے نفس پر غالب رہے...!

اگر اس کا نفس کبھی اس پر غالب ہو جائے اور وہ (گناہ میں) ملوث ہو جائے تو وہ فوراً اٹھ کھڑا ہوتا ہے اور دوبارہ (کمر کس لیتا ہے)... یہ سب اس شجاعت و بہادری کا نتیجہ ہوتا ہے جو اللہ تعالی اس کے دل میں پیدا کرتا ہے، مضبوط اور توانا مومن اللہ کے نزدیک کمزور وناتواں مومن سے زیادہ بہتر اور محبوب ہے....!

اللہ کا نام "الجبار" جل جلالہ

یہ ایک ایسا نام ہے جس کا معنی بغیر کسی وضاحت کے بھی بندہ اپنے دل میں محسوس کرتا ہے۔

یہ نام قرآن مجید میں صرف ایک بار آیا ہے البتہ اس کے تین معانی ہیں :

ا-العالي: بلند، اہل عرب کہا کرتے ہیں: درخت اونچے اور بلند ہو گئے اور اہل عرب لمبے کھجور کے درخت کو "جبارة" کہا کرتے تھے۔

اللہ رب العالمین کے حق میں اس لفظ کا یا اس نام کا معنی یہ ہے: اللہ تعالی اپنی تمام مخلوقات پر بلند ہے۔

۲ -الجبر: اس کے معنی ہیں: زبردستی کرنا، مجبور کرنا، مغلوب کرنا۔

اس کا مفہوم یہ ہوا کہ اللہ تعالی - جس کی ذات تمام تر تعریف کے ساتھ پاک ہے - جو چاہتا ہے اپنی مخلوق پر واجب کر دیتا اورانہیں اس کا حکم دیتا ہے۔

ساری کی ساری چیزیں اللہ تعالی کی تابع فرمان ہیں اور اس کے لئے جھکی رہتی ہیں۔ہر چیز پر اللہ تعالی کا ہی غلبہ ہے.. کوئی بھی شخص اللہ کی مشیت سے خارج نہیں ہو سکتا۔

بندوں پر اللہ تعالی کا غلبہ اور تسلط مکمل طور پر علم و حکمت اورعدل و انصاف پر مبنی ہے، کیوں کہ اللہ تعالی نے اپنے اوپر ظلم کو حرام قرار دیا ہے اور یہ ان لوگوں کے لئے اللہ تعالی کے نام "الجبار" کو سمجھنے کے لئے انتہائی اہم نکتہ ہے جو اس سلسلے

میں اشکال و اشتباہ کا شکار ہیں کہ اللہ تعالی نے کیسے اس طرح ہماری تخلیق کی..؟ اور اس قسم کا عذاب ہمیں کیوں کر دیتا ہے...؟

یہ اس لئے کہ اللہ تعالی علم و حکمت اور عدل وانصاف سے متصف ہے اور اللہ تعالی اپنے بندوں پر ذرہ برابر بھی ظلم نہیں کرتا...۔

۳ -الجبار: اس کے معنی درست اور اصلاح کرنے کے ہیں۔یعنی اللہ تعالی معاملات کو درست کرتا ہے... ٹوٹے ہوئے کو جوڑتا ہے...کمزوروں کی فریاد رسی کرتا ہے... مظلوم کی مدد کرتا ہے... بیمار کو شفا عطا کرتا ہے اور دلوں کو جوڑ تا ہے۔

ابن قیم رحمہ اللہ نے ان تینوں معانی کو اپنے "نونیہ" (وہ قصیدہ جس کے ہر شعر کا آخری حرف نون ہوتا ہے) میں یکجا کر دیا ہے جس کا مفہوم درج ذیل ہے:

وكذلك الجبار من أوصافه	والجبر في أوصافه قسمان
جبر الضعيف وكل قلب قد غدا	ذا كسرة فالجبر منه دان
والثاني جبر القهر بالعز الذي	لا ينبغي لسواه من إنسان
وله مسمى ثالث وهو العلو	فليس يدنو منه من إنسان
من قولهم جبارة للنخلة	العليا التي فاتت بكل بنان

ترجمہ: اسی طرح اللہ تعالی کی صفات میں سے ایک صفت جبار بھی ہے اور اللہ تعالی کی صفات میں "جبر" کی دو قسمیں ہیں: کمزور کی مدد کرنا اور ہر ٹوٹے ہوئے دل سے اللہ کی داد رسی قریب ہوتی ہے۔غلبہ اور قہر کے ہم معنی جبر، اس شدت کے ساتھ جو اللہ تعالی کے علاوہ کسی بھی انسان کے لئے زیبا نہیں۔ اس کا تیسرا معنی بلندی ہے ۔چنانچہ اس کی ذات سے کوئی انسان قریب نہیں ہو سکتا۔ اورعرب کھجور کے اس بلند درخت کو جبارۃ کہتے ہیں جس تک کسی کے ہاتھ نہیں پہنچ سکتے۔

جس کسی نے بھی قرآن مجید میں غور و فکر اور تدبر کیا اور اس کے ساتھ اپنی زندگی کے شب و روز گزارے اسے قرآن پاک میں ایسی متعدد آیات ملی ہوں گی جو اس کی دلیل ہیں کہ اللہ تعالی اپنے بندوں کے دلوں کو جوڑتا ہے... اور اللہ تعالی اپنی اس دادرسی کے ذریعے اپنے بندوں سے محبت کا اظہار کرتا ہے :

*اللہ تعالی نے اپنے نبی کے دل کو اس وقت حوصلہ دیا جب قریش کے کفار نے نبی کریم کا مذاق اڑایا، آپ کی دل شکنی کی اور عار دلایا، انہوں نے آپ کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا: نبی -نعوذ باللہ- ایک دُم بریدہ شخص ہیں۔ یعنی آپ کے پاس کوئی مذکر اولاد نہیں ہے۔ جلد ہی آپ اس دار فانی کو الوداع کہہ دیں گے اور پھر آپ کے بعد آپ کی کوئی نسل نہیں رہے گی...کفار کی یہ بات آپ کے کانوں پر بہت گراں گزرتی تھی لیکن اللہ تعالی نے آپ پر یہ آیت نازل فرمائی: (إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ) (الکوثر:01)

ترجمہ:ہم نے آپ کو کوثر عطا فرمایا۔

کوثر خیر کثیر (بہت زیادہ بھلائی) سے عبارت ہے اور اسی خیر کثیر میں سے وہ نہر بھی ہے جس سے اللہ تعالی نے نبی کو سرفراز فرمایا ۔ پھر اللہ تعالی نے نبی سے بیان فرمایا کہ یقینا آپ کا دشمن ہی لاوارث اور بے نام و نشان ہے۔ یعنی یہی لوگ جو آپ سے نفرت کرتے اور آپ کو ناپسند کرتے ہیں، اصل میں یہی لوگ لاولد اور حقیر ہیں۔ اور یہی وہ لوگ ہیں جن کے نام و نشان کو دنیا میں مٹا دیا جائے گا اور جلد ہی یہ لوگ ہر قسم کی بھلائی اور خیریت سے دور کر دیے جائیں گے، اور ہرگز ہرگز ان

کا ذکر نہیں رہے گا ۔ اے محمد ! اصل میں آپ کا ذکر قیامت کے دن تک زندہ و جاوید رہے گا۔

لہذا اللہ تعالی کا ذکر جہاں کہیں بھی ہوتا ہے وہاں محمد کا بھی ذکر ہوتا ہے: "أَشْهَدُ أَنْ لا إِلَهَ إِلّا اللَّهُ، أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسولُ اللهِ".

ترجمہ: میں گواہی دیتا ہوں ہو کہ اللہ تعالی کے علاوہ کوئی معبود برحق نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد اللہ کے رسول ہیں۔

*آپ پر نزول قرآن کا سلسلہ مکمل ایک ماہ تک منقطع رہا۔نبی حزن وملال کے ساتھ وحی کا انتظار کرتے رہے.... کفار مکہ نے کہنا شروع کر دیا کہ محمد کو ان کے رب نے چھوڑ دیا اور ان سے دوری اختیار کرلی، ان کو ترک کردیا اور ان سے نالاں ہوگیا!...

نبی ان تمام باتوں کو برداشت کرتے رہے ..اور ان کو کڑوا گھونٹ سمجھ کر پیتے رہے...یہاں تک کہ اللہ تعالی نے آپ کے دل کو تسلی عطا فرمائی اور آپ کے لئے قسم کھاتے ہوئے ارشاد فرمایا: (وَالضُّحَى وَاللَّيْلِ إِذَا سَجَى مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلَى) (الضحیٰ:1-3)

ترجمہ: قسم ہے چاشت کے وقت کی اور قسم ہے رات کی جب چھا جائے۔نہ تو تیرے رب نے تجھے چھوڑا ہے اور نہ وہ بیزار ہو گیا ہے۔

اللہ تعالی نے آپ کو نہ چھوڑا اور نہ ہی آپ سے بیزار ہوا ...نہ ہی آپ سے ناراض ہوا اور نہ ہی آپ کو ترک کیا۔ پھر اللہ تعالی نے آپ کو ایسا دلاسہ دیا جس سے بڑا کوئی دلاسہ نہیں ہو سکتا، اللہ تعالی نے فرمایا:

وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَى (الضحیٰ:05)

ترجمہ: تجھے تیرا رب بہت جلد (انعام) دے گا اور تو راضی (وخوش) ہو جائے گا۔

یعنی اللہ آپ کو نوازے گا اور نوازے گا اور نوازے گا اور نوازے گا حتی کہ آپ خوش ہو جائیں گے۔

اللہ تعالی نے صرف انبیائے کرام کو ہی قلبی تسکین فراہم نہیں کی بلکہ وہ ہر وقت ...اور ہر زمانے میں اپنے بندوں کے دلوں کو تسلی دیتا رہتا ہے۔

واعظین ذکر کرتے ہیں کہ ایک شخص اپنی بیوی کے ساتھ رات کے کھانے پر بیٹھا ہوا تھا اور اس دن مرغی کا گوشت پکا ہوا تھا۔ اتنے میں دروازے پر دستک ہوئی۔ اس کی بیوی کھڑی ہوئی اور اس نے دروازہ کھولا تو کیا دیکھتی ہے کہ ایک فقیر دست سوال دراز کیے ہوئے کھڑا ہے اور صدقہ مانگ رہا ہے تو بیوی نے چاہا کہ اسے کچھ دے دیں تو اس کے شوہر نے اس کو ڈانٹا اور روکا۔ پھر اس نے اپنی بیوی کو آمرانہ انداز میں کہا کہ اسے بھگا دو اور دروازہ بند کر دو۔

کچھ دن گزر جانے کے بعد اس نے اپنے شوہر سے طلاق کا مطالبہ کیا اور دوسرے مرد سے شادی کرلی۔ اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ وہ کسی رات اپنے دوسرے شوہر کے ساتھ کھانے پر تھی اور اتفاق سے اس رات بھی مرغی کا گوشت پکا ہوا تھا۔ اللہ کی حکمت

کے بموجب ... دروازے پر دستک ہوئی۔ بیوی کھڑی ہوئی اور دروازہ کھولی تو دیکھتی ہے کہ ایک گداگر صدقہ مانگ رہا ہے ۔وہ ڈر گئی اور حیرت زدہ رہ گئی۔ اپنے شوہر سے سوالیہ انداز میں کہا: کیا آپ اس فقیر کو جانتے ہیں...؟ اس کے شوہر نے کہا: نہیں، بیوی نے کہا: یہ میرا پہلا شوہر ہے...اور اس نے طلاق کا پورا قصہ اسے بتایا اور اس فقیر کی کہانی سنائی جس نے دروازے پر دستک دی تھی اور اس کے پہلے شوہر نے اس کو حکم دیا تھا کہ وہ فقیر کو کو کچھ بھی نہ دے ... خاموشی سے دوسرا شوہر قصہ سماعت کرتا رہا پھر گویا ہوا: کیا آپ کو پتہ ہے کہ وہ پہلا فقیر کون تھا ..؟ بیوی نے کہا: نہیں، دوسرے شوہر نے کہا: وہ فقیر میں ہی تھا !...

یقینا اللہ تعالی ہی جبّار ہے جس نے دل آزار شخص کی ہمت افزائی فرمائی... بعد اس کے کہ اس کو پھٹکارا گیا، ڈانٹا گیا اور اس کے سامنے دروازہ بند کر دیا گیا...

اللہ تعالی نے اسے حوصلہ عطا فرمایا اور اس عورت کو اس کی بیوی بنادیا... اس عورت کے ساتھ ایک ہی واقعہ، ایک ہی حادثہ... ایک ہی قسم کے کھانے پر واقع ہوا ...

کہتے ہیں کہ: "مبارکبادی ہے اس دل شکستہ انسان کے لئے جس کو دلاسہ دینے والا اللہ ہو، اس کی شکستگی اسے مبارک ہو"۔

اسم الٰہی "الجبار" کے وہ اثرات جو عبادت پر مرتب ہوتے ہیں:

۱-جب انسان اس بات کو جان لیتا ہے کہ اس کا رب "الجبار" ہے جو اس کی حالت کو درست فرماتا ہے.. اس کی لغزشوں سے درگزر کرتا ہے... اس کے درد کی دوا کرتا

ہے.. اس کی دل جمعی کرتا ہے.. تو وہ اس سے محبت کرنے لگتا ہے، بلکہ اس کی محبت بہت بڑھ جاتی ہے، کیوں کہ دل اپنے محسن کا اسیر ہوتا ہے۔

یقینا ہم اللہ تعالی کے احسانات اور اس کی جانب سے ادا کی گئی بے پناہ نوازشوں کے بار تلے دبے ہوئے ہیں۔ یقینا اس ذات باری تعالی نے ہمیں اپنی پیہم نعمتوں سے بوجھل کر دیا ہے، جو شب وروز... صبح وشام ..ہماری ذات، ہماری اولاد، ہمارے اہل و عیال، ہمارے گھر بار، ہمارے علم، ہماری حفاظت اور لوگوں کی محبت کی صورتوں میں ہمیں حاصل ہوتی رہتی ہیں... یہ نعمتیں مسلسل جاری رہتی ہیں...!

۲-بندہ اپنے تمام تر مصائب میں اپنے رب کے حضور راغب ہوتا ہے تاکہ وہ اس کی مصیبت دور فرمادے: "اللهم اجبرني " !

ترجمہ: اے اللہ میری دادرسی فرما!

مصائب اور تکلیفیں، (انسان کو) چور کر دیتی ہیں... لہذا اے پالنہار! میرے بکھرے پرزوں کو یکجا کر دے (اور میری فریادرسی فرما)۔ چنانچہ اللہ رب العالمین کی عنایت اور اس کی فریادرسی عجیب وغریب طریقے سے آتی ہے۔ "اللہ تعالی جب بھی اپنے بندے سے کوئی نعمت سلب کرتا ہے اور بندہ اس پر صبر کرتا ہے تو اللہ اس کے بدلے اس سے بہتر (نعمت یا اجر) سے نوازتا ہے"۔ اور یہی "جبر" (یعنی: فریادرسی) ہے۔

اگر آپ نے اپنے والدین کو... اپنی اولاد کو ... اور اپنی بیوی یا شوہر کو کھو دیا ... تو اسی دنیا میں کھویا۔ اللہ وہ ذات ہے جس نے لے لیا... وہی وہ ذات ہے جس نے دیا تھا... اور اللہ ہی وہ ذات ہے جو کمیوں کی تلافی کرتا ہے... اور اللہ ہی وہ ذات ہے جو ان کا بہتر بدلہ دے گا... اللہ

کے پاس ان تمام لوگوں کا بدل ہے... ہر ایک چیز کا اور تمام فوت شدہ چیزوں کا بدل اللہ ہی کے پاس ہے..!

یہ ایسے ایمانی مفاہیم ہیں جو آپ کو ایمان کے اعلیٰ درجے پر فائز کرتے ہیں.... جو ایمان کے اس درجہ و منزل پر فائز ہو جائے اسی کو اس تلافی (جبر) کی مٹھاس کا اصل مزا ملے گا...

تلافی صرف مصیبت ہی میں نہیں ہوتی، بلکہ گناہ اور نافرمانی کے امور میں بھی ہوتی ہے...!

کیوں کہ معصیت (انسان کو) توڑ دیتی ہے، یہ معصیت ایمان کی جزئیات کو ریزہ ریزہ کر دیتی ہے جس کی شیرازہ بندی اللہ کے علاوہ کوئی نہیں کر سکتا..!

انسان پر کبھی کبھی اس کا نفس غالب آجاتا ہے جس کے نتیجے میں وہ گناہ کا مرتکب ہو جاتا ہے... لیکن اللہ تعالی بعض لوگوں کو اپنی رحمت کے دامن میں چھپالیتا اور ان پر نظر کرم فرماتا ہے... ان کو اس گناہ سے چھٹکارا دلاتا ہے، جس کے وہ مرتکب ہوتے ہیں... برق رفتاری کے ساتھ ان کو اس خطا سے نکالتا ہے جس کے وہ مرتکب ہوتے ہیں... ان کے راستے کو روشن اور منور کر دیتا ہے، اور انہیں دوبارہ راہ راست پر لا کھڑا کرتا ہے...

ان کے دلوں کو بیدار کرتا ہے... ان کے پاس ایسے افراد کو بھیجتا ہے جو انہیں کوئی ایسا کلمہ، ایسی نصیحت، ایسی کوئی آیت یا کوئی ایسا پیغام سناتے ہیں جو ان کے دلوں کو جھنجھوڑ دے... جو ان کے زخمی دل کے لئے مرہم ثابت ہو... اللہ ان کو اپنی جانب مائل کرتا اور کھینچتا ہے... ان کے دلوں کو توبہ کے لئے آمادہ کرتا ہے.. توبہ کی محبت ان کے دلوں میں ڈال دیتا ہے پھر وہ لوگ توبہ کرتے ہیں...! توبہ بھی بذات خود ایک رزق ہے....!

۳-جو یہ جان لیتا ہے کہ اللہ تعالی ہی اپنے بندوں کی دلجوئی کرتا ہے، تو وہ بھی اپنے ارد گرد موجود افراد کی دلجوئی کرتا ہے، ان کے ساتھ نرمی اور مہربانی کا معاملہ کرتا ہے، ان کے ساتھ مواسات وبہی خواہی کا مظاہرہ کرتا ہے، حتی کہ یہ صفت اس بندے کو اللہ سے قریب کر دیتی ہے، پھر اللہ تعالی اس کی دلجوئی فرماتا ہے، کیوں کہ جیسا عمل ہوتا ہے، بدلہ بھی اسی کی جنس سے ملتا ہے۔ اللہ تعالی اس بندے سے محبت کرتا ہے جو اس کی صفات اور خوبیوں کو اپناتا ہے... بندہ اس صفت سے اس وقت تک متصف نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کا دل دریا کی طرح کشادہ نہ ہو یا بالفاظ دیگر اس کا دل آسمان کے مانند وسیع نہ ہو...!

ایک ایسا دل جو سب کو اپنے اندر سمو لے، جو سب کو عطا کرنے والا ہو، جو سبھوں سے پیار اور محبت کرنے والا ہو، جو سبھوں کا ہاتھ تھامنے والا ہو... ایک ایسا دل جو بہی خواہی کے ہنر سے خوب واقف ہو، ایک ایسا دل جو ٹوٹے ہوئے احساسات اور بکھرے ہوئے جذبات کی از سر نو تعمیر کرنے کی مہارت رکھتا ہو، خاص کر ان لوگوں کے جذبات کی جو (غم کے مارے) اپنی ذات سے بیگانہ ہو گئے ہوں۔

لوگ چاہتے ہیں کہ ہم ان کے اندر امیدوں کی کرن بکھیریں، ان کے اندر خود اعتمادی پیدا کریں، نبی ﷺ اپنے صحابہ کے ساتھ بہت ہی زیادہ ہمدردی کرنے والے تھے، ہر چھوٹی وبڑی چیز کے ذریعہ، اپنی باتوں سے، اپنے کردار سے، تحفہ وتحائف سے، دعا سے اور زیارت وملاقات کے ذریعے آپ ان کی دلجوئی کیا کرتے تھے۔

اللہ کے رسول ﷺ ایک ایسے چھوٹے بچے کے پاس آئے جس کی گوریا مر چکی تھی، جس سے وہ کھیلا کرتا تھا، آپ نے اس کی دلجوئی فرمائی جس سے چھوٹے سے بچے کو تسلی ہوئی، اللہ کے رسول نے ان سے فرمایا: اے ابو عمیر! نغیر کو کیا ہو گیا...؟

اللہ کے رسول ﷺ نے اس جلیبیب رضی اللہ عنہ کی دلجوئی فرمائی... جو نہ تو صاحب جاہ و جلال تھے اور نہ ہی ان کے پاس مال تھا اور نہ ہی سماج میں ان کا مقام و مرتبہ تھا، نہ ان کے پاس کوئی آتا اور نہ انہیں اپنے پاس بلاتا اور نہ ہی کسی نے ان کی شادی کی، اللہ کے رسول ﷺ نے بنفس نفیس ان کا پیغامِ نکاح انصار کی ایک خاتون کے پاس بھیجا، نبی ﷺ کی جانب سے پیغام آنے کی وجہ سے عزت و تکریم کے ساتھ اس خاتون نے اسے قبول کیا..

ایک شرابی کو کوڑے لگائے گئے، پھر انہوں نے شراب نوشی کر لی، پھر ان کو کوڑے لگائے گئے، انہوں نے پھر جام نوش کر لیا، اور تیسری بار پھر ان کو کوڑے کی سزا دی گئی..!

کسی صحابی نے ان کو برا بھلا کہہ دیا اور انہیں نفرت بھری نظروں سے دیکھا، نبی ﷺ نے فرمایا: تم لوگ اپنے بھائی کے خلاف شیطان کی مدد نہ کرو، بلاشبہ یہ ایک ایسا شخص ہے جس سے اللہ اور اور اس کے رسول ﷺ محبت کرتے ہیں"..

اس شخص نے جب اللہ کے رسول ﷺ کے اس فرمان کو سنا تو پھر دوبارہ اس نے کبھی شراب کو ہاتھ نہیں لگایا اور ہمیشہ کے لئے شراب نوشی ترک کر دی...

زاہر نامی شخص جو ایک بادیہ نشیں اور بد شکل تھا، کہا جاتا ہے کہ وہ کالا کلوٹا غلام تھا، وہ مدینہ شہر کے بازار میں بیچنے کے لئے دیہات سے سامان تجارت لایا کرتا تھا، ایک بار اللہ کے رسول ﷺ مدینہ کے بازار میں تشریف لائے تو آپ کی نظر مبارک زاہر پر پڑی... آپ نے پیچھے سے اسے آغوش میں لیا اور ندا لگائی: اس غلام کو کون خریدے گا...؟ اس غلام کو کون خریدے گا...؟

زاہر اللہ کے رسول ﷺ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: اے اللہ کے رسول! کیا آپ کو لگتا ہے کہ میری قیمت معمولی ہو گی؟ تو اللہ کے رسول ﷺ نے ان کو حوصلہ دیا اور فرمایا: اللہ کے نزدیک تم معمولی نہیں بلکہ تم اللہ کے یہاں قیمتی ہو"..

ایک بار اللہ کے رسول ﷺ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لائے اور وہ رو رہی تھیں، تو اللہ کے رسول ﷺ نے رونے کی وجہ پوچھتے ہوئے فرمایا: اے صفیہ! آپ کیوں رو رہی ہیں؟ انہوں نے کہا: لوگ مجھے یہودیہ کہتے ہیں، تو آپ نے فرمایا: آپ ان سے کہہ دیجئے کہ: آپ ایک نبی کی بیٹی بھی ہیں، نبی کی بھتیجی بھی ہیں اور آپ ایک نبی کی بیوی بھی ہیں۔

آپ ﷺ کی یہ عادت تھی کہ آپ جب اپنے صحابہ کے درمیان گشت کرتے تو اپنے ارد گرد کے لوگوں کی ہمت افزائی اور دلجوئی کیا کرتے تھے، آپ ﷺ کے دریا دل ہونے کی ایک بڑی علامت یہ بھی ہے کہ صحابہ کرام میں سے ہر ایک کو ایسا لگتا کہ وہ اللہ کے رسول ﷺ کے دل کے سب سے زیادہ قریب اور آپ کے سب سے زیادہ محبوب ہیں.... یہ اللہ کے رسول ﷺ کی وسعت قلبی کی دلیل ہے...

بعض وہ چیزیں جو آپ کے لئے اس طرح کی وسعت قلبی حاصل کرنے میں مددگار ثابت ہوں گی:

آپ جان لیں کہ دادرسی، احسان اور ہمدردی ایک ایسا دروازہ ہے جو جنت کی جانب کھلتا ہے، ایک ایسا راستہ ہے جو اللہ کی رحمت کی طرف کھلتا ہے: ﴿إِنَّ رَحْمَتَ ٱللَّهِ قَرِيبٌ مِّنَ ٱلْمُحْسِنِينَ﴾ ترجمہ: یقیناً اللہ کی رحمت بھلائی کرنے والے لوگوں کے قریب ہے۔

"جو شخص اللہ کے بندوں کے ساتھ بھلائی کرتا ہے، اللہ تعالی تمام تر بھلائی کے ساتھ اس کی طرف جلدی کرتا ہے"۔ دعا ایک ایسی عبادت ہے جس کے ذریعہ آپ اللہ کی عبادت کرتے ہیں، اور اللہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے انتخاب کرتا ہے اور اسے اس قسم کی وسعت قلبی سے سرفراز فرماتا ہے۔

اپنے دل کو فطری اور طبعی حالت پر برقرار رکھیں، اپنی محبت اور جذبات میں تکلف سے کام نہ لیں، اسی طرح اپنی صدق گوئی اور نوازش میں بھی تکلف نہ کریں، کیوں کہ اداکاری، جعل

سازی اور تکلف پسندی، سچائی اور صدق گوئی کو کم کر دیتی ہے... جب دل کے اندر صدق وصفا اور سچائی میں کمی آتی ہے تو اس کی برکت بھی جاتی رہتی ہے... اور ایسے دل کو اللہ کی دلجوئی بھی کم ہی حاصل ہوتی ہے...

لوگوں کے احسانات کا اعتراف کیجئے، آپ کے سامنے لوگوں کی جو کوششیں ہیں ان کو تسلیم کیجئے، انکار کرنے والے نہ بنیے ... یہ وفاداری کا تقاضہ ہے اور اللہ وفادار بندوں کو پسند کرتا ہے... "جو وفاداری کرتا ہے، اللہ بھی اس کے ساتھ وفاداری کرتا ہے"...!

اللہ سے دعا کیجئے کہ آپ کو مقرب ترین اولیاء کے مثل کشادہ دل عطا فرمائے... جس طرح ان کے دلوں کو کھول دیا ہے، آپ کا دل بھی کھول دے....

اور سب سے اہم چیز جس کے ذریعے اللہ تعالی اولیاء کو انشراح صدر عطا کرتا ہے وہ ہے لوگوں کی دلجوئی اور ان کے ساتھ احسان و بھلائی کرنا...

اللہ کا نام "المتکبر" جل جلالہ

اللہ تعالی نے اپنی ذات کو "المتکبر" سے موسوم کیا ہے ، لفظ متکبر میں جو حرف "تا" ہے ، وہ انفرادیت اور خصوصیت کا فائدہ دیتا ہے...

تکبر صرف اللہ کو ہی زیبا ہے، تکبر صرف اس ذات کو زیب دیتا ہے جو عظمت و کبریائی کی حامل ہو اور وہ صرف اللہ جل جلالہ کی ذات ہے۔

کوئی شخص نہ اس کی عظمت کو پہنچ سکتا ہے اور نہ اس کی کبریائی تک رسائی حاصل کر سکتا ہے...وہ خالق ہے اور اس کے ماسوا سب مخلوق ہیں، وہ آقا ہے اور اس کے علاوہ سب غلام ہیں۔

آقا کی صفات میں رفعت وبلندی اور عظمت و کبریائی شامل ہے، جب کہ غلام کی صفت عاجزی و خاکساری اور تواضع وانکساری اختیار کرنا ہے۔

اللہ کے سوا کسی کے لئے یہ سزاوار نہیں کہ وہ عظمت و کبریائی کا لباس زیب تن کرے ، حدیث قدسی میں آیا ہے:"بڑائی میری (اوپر کی) چادر ہے اور عظمت میری (نیچے کی) چادر ہے، چنانچہ جو کوئی ان میں سے کسی ایک کو بھی زبردستی مجھ سے لینے کی کوشش کرے گا (میرا شریک ہونے کی کوشش کرے گا) میں اسے جہنم میں جھونک دوں گا"[1]۔

جو شخص بھی اللہ کی عظمت و کبریائی کو چھیننے کی کوشش کرے گا اور اس کی بادشاہت میں دخل اندازی کرے گا، اللہ اسے بیخ وبن سے اکھاڑ دے گا:

فرعون نے ربوبیت کا دعوی کرتے ہوئے کہا:(فَقَالَ أَنَا رَبُّكُمُ الْأَعْلَى)

ترجمہ: اس نے کہا میں تمہارا سب سے بڑا رب ہوں۔

---

[1] اسے امام مسلم نے روایت کیا ہے

اس نے الوہیت کا بھی دعویٰ کیا:(وَقَالَ فِرْعَوْنُ يَا أَيُّهَا الْمَلَأُ مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِنْ إِلَهٍ غَيْرِي)

ترجمہ: فرعون کہنے لگا اے درباریو! میں تو اپنے سوا کسی کو تمہارا معبود نہیں جانتا۔

اس نے بادشاہت کا بھی دعوی کیا:(وَنَادَى فِرْعَوْنُ فِي قَوْمِهِ قَالَ يَا قَوْمِ أَلَيْسَ لِي مُلْكُ مِصْرَ وَهَذِهِ الْأَنْهَارُ تَجْرِي مِنْ تَحْتِي أَفَلَا تُبْصِرُونَ)

ترجمہ: فرعون نے اپنی قوم میں منادی کرائی اور کہا اے میری قوم! کیا مصر کا ملک میرا نہیں؟ اور میرے (محلوں کے) نیچے یہ نہریں بہہ رہی ہیں، کیا تم دیکھتے نہیں؟

اس نے اللہ کے ساتھ عظمت و کبریائی میں مقابلہ آرائی کی تو اللہ نے اس کے وجود کو ملیامیٹ کر دیا، اسی سمندر میں اسے غرق کر دیا جس پر وہ اپنی ملکیت اور قبضہ جماتا تھا....!

قارون نے نعمت کو اپنی طرف منسوب کیا اور اس کی وجہ سے بڑا بننے کی کوشش کی، اپنی طرف نعمت کو منسوب کر کے وہ یہ سمجھنے لگا کہ وہ اس نعمت کا حقدار ہے، اس نے کہا:(قَالَ إِنَّمَا أُوتِيتُهُ عَلَى عِلْمٍ عِنْدِي)

ترجمہ: قارون نے کہا یہ سب کچھ مجھے میری اپنی سمجھ کی بنا پر ہی دیا گیا ہے۔

تکبر اس کے دل میں بڑھتا گیا یہاں تک کہ اللہ نے اس کو تباہ کر دیا اور اس پر ایک خاص عذاب مسلط کر دیا...!

اسے اس کے محل سمیت زمین میں دھنسا دیا:(فَخَسَفْنَا بِهِ وَبِدَارِهِ الْأَرْضَ)

ترجمہ: (آخر کار) ہم نے اسے اس کے محل سمیت زمین میں دھنسا دیا۔

ایک ایسا زلزلہ آیا جس نے اسے اور اس کے گھر کو زمیں دوز کر دیا، اسے نیست و نابود کر دیا، اللہ نے اس کی بالکل بھی پرواہ نہیں کی...!

نمرود، ابراہیم علیہ السلام سے ان کے رب کے تعلق سے جھگڑنے لگا اور اپنی ربوبیت کا دعوی کرنے لگا:(إِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّيَ الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ قَالَ أَنَا أُحْيِي وَأُمِيتُ)

ترجمہ: جب ابراہیم (علیہ السلام) نے کہا کہ میرا رب تو وہ ہے جو جلاتا ہے اور مارتا ہے، وہ کہنے لگا میں بھی جلاتا اور مارتا ہوں۔

بعض روایات میں آیا ہے کہ اللہ نے اس پر ایک ایسا مچھر مسلط کر دیا جو اس کے سر میں داخل ہو گیا، چنانچہ اسے اسی وقت چین ملتا جب اس کے سر پر آہنی ہتھوڑے سے مارا جاتا..!

شیخ طنطاوی رحمہ اللہ نے ایک واقعہ ذکر کیا ہے، جو دمشق کے اندر پچھتر سال قبل پیش آیا، اس وقت وہاں خواتین کا صرف ایک ہی ڈاکٹر تھا..!

وہ ڈاکٹر بڑا سخت دل اور متکبر تھا، وہ دو شرط پر ہی کسی خاتون کا علاج کرنے کے لئے تیار ہوتا:

پہلی شرط: بیمار کو دیکھنے سے قبل ہی اسے مکمل پیسے دے دئے جائیں...!

دوسری شرط: وہ گاڑی پر سوار ہو کر ہی جائے گا (جب کہ اس وقت دمشق میں گاڑیوں کی بڑی قلت تھی)۔

اس کے پاس ولادت کی ایک نہایت سنگین حالت پیش کی گئی، ہر طرح کی منت سماجت اور واسطے اور سفارش کے بعد بھی وہ اپنی دو شرطوں کے بغیر علاج کے لئے نہیں گیا۔

آخر کار خاتون کے گھر والوں کو گھریلو ساز و سامان فروخت کرنا پڑا تاکہ اس کے لئے گاڑی کا انتظام کر سکیں جسے گھوڑے کھینچ کر چلایا کرتے تھے..!

اس ڈاکٹر نے خوب مال و دولت جمع کیا، صاحب ثروت ہو گیا، اور دمشق کے اندر ایک محل تعمیر کیا ... اسی طرح شب و روز اور ماہ و سال گزرتے رہے، اس کے بعد ڈاکٹر پر مکمل طور پر فالج کا حملہ ہو گیا، جس کی وجہ سے اس کے اندر حرکت کرنے کی صلاحیت پوری طرح ختم ہو گئی...

سب سے پہلے جس نے اس کی خدمت کرنے سے انکار کر دیا اور اس کو برداشت نہ کر سکا وہ اس کی بیوی تھی، اس نے خادموں کو حکم دیا کہ اسے بیس منٹ میں چھوڑ آئیں... وہ اس کے کھانے پینے کی چیزیں بھیج دیا کرتی، لیکن اس کے پاس جانا تک گوارا نہ کرتی جب کہ وہ اسے چیخ چیخ کر بلایا کرتا اور اسے ندا لگایا کرتا تھا... وہ آٹھ سالوں تک اسی حال میں رہا...! اس کے بعد اس کے جسم سے بدبو پھوٹنے لگی جس سے اس کی بیوی کو اذیت ہوتی... چنانچہ اس نے محل کے باہر اس کے لئے ایک کمرہ کرایے پر لیا اور خادموں کو حکم دیا کہ اسے وہاں پہنچا دیں...! اس کی بیوی نے اسے محل سے نکال باہر کیا... اس کے مال واسباب سے اسے محروم کر دیا... اللہ نے اس سے ہر ایک چیز سلب کر لی...

اس ڈاکٹر نے رحم وکرم سے کام نہیں لیا تو اس پر بھی رحم نہیں کیا گیا، بلکہ اللہ نے اس پر بڑی سخت سزا مسلط کر دی.. اس پر ایسے شخص کو مسلط کر دیا جو اسے ذلیل وخوار کرے اور وہ عاجز ولاچار پڑا رہے...!

ظلم وستم اور غرور وتکبر کرنے والوں کے ساتھ اللہ کی یہی سنت رہی ہے، اللہ کی سنتیں مخلوق پر جاری ہو کر رہتی ہیں، ظالم اپنا بدلا پا کر رہتا ہے:(سُنَّةَ اللَّهِ فِي الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللَّهِ تَبْدِيلًا)

ترجمہ: ان سے اگلوں میں بھی اللہ کا یہی دستور جاری رہا۔ اور تو اللہ کے دستور میں ہر گز ردوبدل نہ پائے گا۔

اللہ کے نام "المتکبر" کے وہ اثرات جو عبادت پر مرتب ہوتے ہیں:

۱-جب بندہ یہ جان لیتا ہے کہ اس کا پروردگار ہی متکبر ہے، تکبر صرف اسے ہی زیب دیتا ہے تو وہ اس بات سے خبردار رہتا ہے کہ کہیں اسے کبر وغرور نہ لاحق ہو جائے، کیوں کہ تکبر ہلاکت خیز امور میں سے ہے، نبی ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:"ایسا شخص جنت میں نہیں جائے گا جس کے دل میں

رائی کے دانے کے برابر بھی تکبر ہو[1]"۔ نیز آپ ﷺ نے سراقہ سے فرمایا: "اے سراقہ! کیا میں تجھے جنت میں داخل ہونے والوں اور جہنم میں داخل ہونے والوں کے بارے میں نہ بتادوں..؟ میں نے کہا: کیوں نہیں اے اللہ کے رسول! آپ نے فرمایا: "بد مزاج (بد خلق)، اکڑ کر چلنے والا او رمتکبر سب جہنمی لوگ ہیں اور کمزور اور مغلوب لوگ جنتی ہیں"[2]۔

۲- تکبر کی وجہ سے بندے کے دل پر مہر لگادی جاتی ہے، اللہ تعالی کا فرمان ہے: (كَذَٰلِكَ يَطْبَعُ اللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ اسی طرح ہر ایک مغرور سرکش کے دل پر مہر کر دیتا ہے۔

مہر، دل پر لگایا جانے والا ایک قسم کا تالا ہے، بلکہ وہ تالا سے بھی زیادہ سخت ہے، اللہ عزیز وبرتر جب بندے کے دل پر مہر لگاتا ہے تو اس کے سارے دروازے بند ہو جاتے ہیں، چنانچہ وہ اللہ کے حدود کو تجاوز کرتا ہے اور محرمات کا ارتکاب کرنے لگتا ہے، ایک اثر میں آیا ہے کہ دل چار قسم کے ہوتے ہیں[3]:

قلب اجرد

قلب اغلف

قلب منکوس

قلب مُصفَح

---

[1] صحیح الترغیب والترہیب

[2] اسے منذری نے صحیح الترغیب والترہیب میں اور طبرانی نے المعجم الکبیر میں روایت کیا ہے۔

[3] مسند امام احمد

۱- **قلب أجرد:** اس سے مراد وہ زندہ دل ہے جس میں ایک روشن چراغ ہوتا ہے جو صاحبِ دل کو روشنی فراہم کرتا ہے، وہ صاحب دل کو اس بات سے روکتا ہے کہ وہ اس دنیا کے اندر قافلے کے اخیر میں رہ کر زندگی گزارے... اس دل سے نور پھوٹتا ہے، اور اس نور کا سرچشمہ قرآن ہوتا ہے: (وَلَكِنْ جَعَلْنَاهُ نُورًا نَهْدِي بِهِ مَنْ نَشَاءُ مِنْ عِبَادِنَا وَإِنَّكَ لَتَهْدِي إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ)

ترجمہ: لیکن ہم نے اسے نور بنایا، اس کے ذریعہ سے اپنے بندوں میں سے جسے چاہتے ہیں، ہدایت دیتے ہیں، بے شک آپ راہ راست کی رہنمائی کر رہے ہیں۔

بندہ جس قدر قرآن کی پاسداری کرتا ہے، اس سے اپنا رشتہ مضبوط کرتا ہے، اس کے ساتھ حسن مصاحبت اختیار کرتا ہے، اسی قدر اس کے نور میں اضافہ ہوتا ہے اور وہ لوگوں کے درمیان سورج کی طرح تاباں ہو جاتا ہے۔

کچھ لوگ ایسے ہیں جن کا نور سورج کی طرح ہوتا ہے، کچھ لوگوں کا نور چاند کی طرح ہوتا ہے، کچھ ایسے ہیں جن کا نور ستارے کی طرح ہوتا ہے، کچھ کا نور شعاؤں کی طرح ہوتا ہے اور کچھ ایسے ہیں جو نور سے محروم ہوتے ہیں، اللہ کی پناہ...!

یہ مختلف درجات اور مرتبے ہیں، اور اللہ اپنے بعض بندوں کو بعض پر فوقیت و فضیلت عطا فرماتا ہے: (ذَلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ)

ترجمہ: یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے اپنا فضل دے اور اللہ تعالیٰ بہت بڑے فضل کا مالک ہے۔

۲- **قلب أغلف:** اس سے مراد وہ دل ہے جس پر کفر کا غلاف چڑھا ہوتا ہے، یہ کافر کا دل ہے.. ایسا دل جس میں وحی اور ہدایت کا نور داخل نہیں ہوتا ہے: (إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ أَأَنْذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ خَتَمَ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ وَعَلَىٰ سَمْعِهِمْ وَعَلَىٰ أَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ)

ترجمہ: کافروں کو آپ کاڈرانا، یانہ ڈرانابرابر ہے، یہ لوگ ایمان نہ لائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر اور ان کے کانوں پر مہر کر دی ہے اور ان کی آنکھوں پر پردہ ہے اور ان کے لئے بڑا عذاب ہے۔

۳- قلبِ منکوس: یہ منافق کا دل ہے جو قرآن سے آشنا ہوتا ہے، راہ ہدایت سے واقف ہوتا ہے، نیکی اور بھلائی کے راستے سے باخبر ہوتا ہے، پھر بھی (حق کا) انکار کرتا اور الٹے پاؤں پھر جاتا ہے..!

وہ اپنے ظاہر و باطن کے درمیان بہت تضاد کی زندگی گزارتا ہے: (فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ فَزَادَهُمُ اللَّهُ مَرَضًا وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ بِمَا كَانُوا يَكْذِبُونَ)

ترجمہ: ان کے دلوں میں بیماری تھی اللہ تعالی نے انہیں بیماری میں مزید بڑھادیا اور ان کے جھوٹ کی وجہ سے ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔

۳- قلبِ مُصفّٰی: یہ وہ دل ہے جس میں ایمان اور گمراہی... نور اور تاریکی... ہدایت اور معصیت ایک ساتھ جمع ہو جاتے ہیں، چنانچہ اگر اس پر ایمان غالب ہوتا ہے تو وہ اہل ایمان سے جاملتا ہے اور اگر معصیت غالب ہوتی ہے تو نافرمانوں سے جاملتا ہے، جب جب بندہ کوئی گناہ کرتا ہے اس کے دل میں ایک سیاہ نکتہ پڑ جاتا ہے... بغیر توبہ واستغفار کے بار بار اس گناہ کو دہرانے اور اس پر مصر رہنے سے سیاہی بڑھتی جاتی ہے، یہاں تک وہ دل کالا مٹیالے رنگ کا اوندھے لوٹے کی مانند ہو جاتا ہے (جس پر پانی کی بوند بھی نہیں ٹکتی)، جو نہ کسی برائی کا انکار کرتا اور نہ کسی نیکی کا اقرار کرتا ہے۔

۳- کبر و غرور ان اسباب میں سے ایک ہے جن کی وجہ سے اللہ تعالی بندے کے دل پر مہر لگا دیتا اور اسے اپنی آیتوں سے پھیر دیتا ہے، فرمان باری تعالی ہے: (سَأَصْرِفُ عَنْ آيَاتِيَ الَّذِينَ يَتَكَبَّرُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ)

ترجمہ: میں ایسے لوگوں کو اپنے احکام سے برگشتہ ہی رکھوں گا جو دنیا میں تکبر کرتے ہیں، جس کا ان کو کوئی حق حاصل نہیں۔

اللہ تعالی جس کے دل کو (حق سے) پھیر دے، کسی کے بس میں نہیں کہ اسے واپس (راہ حق پر) لا سکے...!

۴- کبر و غرور اللہ کی ناراضگی کا سبب ہے، اللہ جس سے ناراض ہو جاتا ہے، اسے مخلوق کی نظر میں بھی مبغوض بنا دیتا ہے... چنانچہ لوگ نہ تو اسے محبوب رکھتے ہیں اور نہ اس سے انسیت رکھتے ہیں، اور نہ زمین پر اس کی مقبولیت باقی رہتی ہے...!

۵- جب آپ یہ جانتے ہیں کہ اللہ ہی متکبر ہے، اسی کے لئے ساری عظمت و کبریائی ہے، تو آپ پر واجب ہوتا ہے کہ آپ تواضع اور خاکساری اختیار کریں، حدیث میں آیا ہے: "تم عاجزی اختیار کرو۔ کوئی دوسرے پر فخر نہ کرے اور نہ کوئی کسی پر زیادتی کرے"[1]۔

کچھ لوگ اپنے حسب و نسب پر فخر کرتے ہیں، رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: "اسے چھوڑ دو، یہ بدبودار و ناپسندیدہ چیز ہے"[2]۔

نبی ﷺ نے کبر و غرور کرنے والوں کی تحقیر کی ہے، چنانچہ آپ نے انہیں بیٹل (سخت ترین خول والے مکروہ کیڑے) سے تشبیہ دی جو اپنی ناک سے گندگی کو آگے کی طرف دھکیلتا رہتا ہے.. رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "متکبر (گھمنڈ کرنے والے) لوگوں کو قیامت کے دن میدان حشر میں چھوٹی چھوٹی چیونٹیوں کی مانند انسانی شکلوں میں لایا جائے گا"[3]۔

---

[1] اسے شیخ البانی نے صحیح کہا ہے۔

[2] اسے امام بخاری اور امام مسلم نے روایت کیا ہے۔

[3] یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

کچھ لوگ اپنی ذہانت، فہم وفراست، عقل ودانش، علم ومعرفت اور صلاحیت پر فخر کرتے ہیں، اپنی رائے کے تئیں جانب داری برتتے ہیں، اس کی علامت یہ ہے کہ وہ اپنی ذات کے لئے ایک بڑا مقام متعین کر لیتے ہیں جس کے ذریعہ لوگوں پر برتری ظاہر کرتے ہیں۔ "جو شخص اپنے آپ میں بڑا بننے لگے، اللہ کے نزدیک اس کا کوئی مقام نہیں رہتا"۔

جب بندہ یہ روش اختیار کر لیتا ہے تو اپنے دل میں کبیرہ گناہوں کا دروازہ کھول لیتا ہے، جیسے خود پسندی، لوگوں پر خود کو ترجیح دینا، اور انانیت کرنا...!

نبی ﷺ نے اس بات پر ابھارا ہے کہ کمزوروں کی مجلس میں بیٹھا جائے، ان پر شفقت ونرمی کی جائے، ان کو دلاسا دیا جائے، آپ نے فرمایا: "تمہارے کمزوروں کی وجہ سے ہی تمہاری مدد کی جاتی ہے اور تمہیں رزق دیا جاتا ہے"[1]۔

معلوم ہوا کہ ان کی صحبت میں بیٹھنے اور ان کے تئیں نرم پہلو اختیار کرنے سے دو چیزیں حاصل ہوتی ہیں: نصرت وفتح اور رزق...

اے وہ جسے رزق کی تلاش ہے، خواہ جس قسم کا بھی رزق ہو، حسی ہو یا معنوی، آپ کمزوروں اور مسکینوں کی خبر گیری کیجئے... آپ جس قدر ان کے لئے نرم پہلو اختیار کریں گے، اسی قدر اللہ آپ کو عزت وسربلندی اور روزی سے نوازے گا، آپ ﷺ یہ دعا کیا کرتے تھے: "اللهُـمَّ إني أَسـأَلُكَ فعلَ الخيراتِ وتركَ المنكراتِ وَحُبَّ المساكين". یعنی: اے اللہ! مجھے نیکی کے کام کرنے، برائیوں سے باز رہنے اور مسکینوں سے محبت کرنے کی توفیق عطا فرما۔

[1] اسے امام بخاری نے روایت کیا ہے: ٢٨٩٦

اللہ کے اسمائے حسنیٰ "الخالق الباریٔ المصوّر" جل جلالہ

خلق کے معنی: اندازہ لگانے کے ہیں۔

عرب کہتے ہیں: "خلق الأدیم "یعنی: چمڑا چھیلنے سے پہلے (اس کی نوعیت کا) اندازہ لگایا..

چنانچہ اس فن کا ماہر چمڑا چھیلنے اور کاٹنے سے قبل ہی یہ اندازہ لگالیتاہے کہ یہ چمڑا مشکیزہ کے لئے مناسب ہے یا موزے کے لئے یا کسی اور چیز کے لئے...

الباریٔ: البَرء سے ماخوذ ہے، جس کے معنی نافذ کرنے کے ہوتے ہیں، یعنی: وہ جو اندازہ لگالیتا ہے اسے نافذ کرتا ہے... چنانچہ اسے وجود میں لاتا اور بغیر کسی سابقہ مثال کے اس کی تخلیق کرتا ہے..

معلوم ہوا کہ الباریٔ سے مراد: وجود میں لانے والا اور پیدا کرنے والا (پروردگار) ہے..

المصوّر: اس سے مراد وہ (اللہ) ہے جو ہر چیز کی شکل وصورت بناتا ہے، یعنی: اپنی مشیت کے مطابق جیسے چاہتا ہے ہر چیز کی کیفیت بناتا ہے [کسی کو لمبا تو کسی کو پستہ قد، کسی کو سفید تو کسی کو گندمی، کسی کو خوبصورت تو کسی کو بد شکل.....]۔

ان تینوں ناموں کے باہم ملنے سے یہ معنی پیدا ہوتا ہے:

اللہ تعالی جب کسی چیز کو پیدا کرنا چاہتاہے تو اپنے علم وحکمت کی بناپر اس کا اندازہ لگاتا ہے، پھر اپنے اندازے کے مطابق اسے وجود میں لاتا ہے، پھر جیسی چاہتا ہے اس کی شکل وصورت بناتاہے..

اللہ کے لئے بلند ترین مثال ہے: مثال کے طور پر آپ انجینئر کو دیکھ سکتے ہیں کہ ایک ڈیزائن بناتاہے، اور دوسرا اس کو نافذ کرتا ہے..

اللہ کی تخلیق محکم ہوتی ہے، کوئی بھی مخلوق اس جیسی چیز پیدا نہیں کر سکتی، چہ جائیکہ اس سے بہتر پیدا کرے: (هَـذَا خَلْقُ اللَّهِ فَأَرُونِي مَاذَا خَلَقَ الَّذِينَ مِنْ دُونِهِ بَلِ الظَّالِمُونَ فِي ضَلَالٍ مُبِينٍ)

ترجمہ: یہ ہے اللہ کی مخلوق اب تم مجھے اس کے سوا دوسرے کسی کی کوئی مخلوق تو دکھاؤ (کچھ نہیں)، بلکہ یہ ظالم کھلی گمراہی میں ہیں ۔

اللہ کا نام "الحکیم" جل جلالہ

عربوں کی زبان میں حکیم کے معنی ہیں: وہ شخص جس کی رائے میں غلطی یا لغزش کا صدور ممکن نہ ہو سکے ..

حکمت کے معنی: تمام چیزوں کو عمدہ ترین شکل میں ان کی مناسب جگہوں اور مقامات پر رکھنا ہے۔

یہ ثابت شدہ بات ہے کہ اللہ پاک اپنی صفات میں کامل ہے، اس کے تمام نام خوبصورت ہیں، جو اپنی ذات اور صفات میں درجہ کمال پر فائز ہو، اس سے حکمت پر مبنی فعل ہی صادر ہو گا، اسی لئے "الحکیم" اللہ کے اسمائے حسنی میں سے ہے، حکمت اس کی بلند و بالا صفات میں سے ہے، اس کے حکم سے جو شریعت صادر ہوئی ہے، اس کی بنیاد بھی حکمت پر ہے، اس شریعت کے ساتھ جو رسول مبعوث ہوئے، وہ بھی کتاب اور حکمت کے ساتھ مبعوث ہوئے[1]۔

پاک و برتر حکیم کی تدبیر میں کسی طرح کی کمی اور لغزش کا دخل نہیں ہو سکتا، وہ کوئی چیز بے کار نہیں پیدا کرتا، نہ بغیر فائدے کے کسی چیز کو مشروع ٹھہراتا ہے اور نہ اپنے بندوں کو بے پرواہ چھوڑتا ہے، اس کے تمام اقوال وافعال اور سارے احکامات حکمت پر مبنی ہوتے ہیں۔ جب وہ کسی کو بیمار کرتا ہے تو حکمت کی وجہ سے کرتا ہے.. اگر کسی کو مالداری سے نوازتا یا فقیری سے دوچار کرتا ہے تو حکمت کی وجہ سے کرتا ہے.. اگر کسی کو ہدایت یا گمراہی (کے راستے پر ڈالتا ہے) تو حکمت کی وجہ سے ایسا کرتا ہے.. جب (کسی کو) مقدم یا مؤخر کرتا ہے، یا (کسی کو) نوازتا یا محروم کرتا ہے، (تو اس میں) اللہ کی بے پناہ حکمت پوشیدہ ہوتی ہے..

---

[1] المرتبع الأسنی: ۴۱۴

یہ اسم بندے کے دل میں اطمینان وسکون، یقین اور ثابت قدمی کی روح پھونکتا ہے.. جب بندہ یہ جان لیتا ہے کہ اس کا پروردگار حکیم ہے جو ہر چیز اس کی (مناسب) جگہ پر رکھتا ہے، وہ اس کی تمام خاصیت اور منفعت سے باخبر ہے، وہی اس کے اسباب اور نتائج پیدا کرتا ہے، تو وہ (اللہ کی تقدیر سے) مطمئن اور راضی رہتا اور بغیر کسی اعتراض اور ناراضگی کے اسے تسلیم کرتا ہے، اور زبان حال سے یہ کہہ رہا ہوتا ہے کہ: [ہم اللہ کو اپنا رب (تسلیم کرتے ہیں اور) اس سے راضی ہیں]..

جب بندہ یہ جان لیتا ہے کہ اس کا پروردگار حکیم ہے، تو وہ یہ بھی یقین کرتا ہے کہ اس کی حکمت کا تقاضہ ہے کہ وہ بندوں پر وہی چیز مقدر کرتا ہے جس میں ان کی منفعت اور مصلحت ہوتی ہے، کیوں کہ اللہ نے مخلوق کو اس لئے نہیں پیدا فرمایا کہ انہیں سزا دے یا ان پر بد بختی مسلط کرے، بلکہ یہ تقدیریں عین رحمت ہیں، پاکی وتعریف والے اللہ کی ذات سے رحمت اور لطف ومہربانی کبھی جدا نہیں ہوتیں۔

جو شخص یہ یقین کرلے کہ اس کا پروردگار حکیم ہے اور اس کا دل ہر تقدیر پر راضی رہنے کے جذبے سے سرشار ہو جائے تو اللہ تعالی اسے ضرور راضی کرے گا، اس کے لئے مصیبت کو آسان کردے گا، اس سے پہلے کہ اسباب کی بنیاد پر اسے کشادگی حاصل ہو، اس کے دل کے اندرون میں کشادگی اور وسعت پیدا کردے گا: (إِنْ يَعْلَمِ اللَّهُ فِي قُلُوبِكُمْ خَيْرًا يُؤْتِكُمْ خَيْرًا مِمَّا أُخِذَ مِنْكُمْ)

ترجمہ: اگر اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں میں نیک نیتی دیکھے گا تو جو کچھ تم سے لیا گیا ہے اس سے بہتر تمہیں دے گا۔

جو شخص یہ یقین کرلے کہ اس کا پروردگار حکیم ہے اور اس کی ایک صفت حکمت بھی ہے، وہ اللہ سے یہ دعا کرے گا کہ اسے بھی حکمت سے نوازے، اللہ فرماتا ہے: (يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَشَاءُ وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا أُولُو الْأَلْبَابِ)

ترجمہ: وہ جسے چاہے حکمت اور دانائی دیتا ہے اور جو شخص حکمت اور سمجھ دیا جائے وہ بہت ساری بھلائی دیا گیا اور نصیحت صرف عقلمند ہی حاصل کرتے ہیں۔

جس کو یہ یقین ہو جائے کہ اس کا پروردگار حکیم ہے، وہ حکمت کے ساتھ اللہ کی طرف دعوت دے گا: (ادْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ)

ترجمہ: اپنے رب کی راہ کی طرف لوگوں کو حکمت اور بہترین نصیحت کے ساتھ بلایئے اور ان سے بہترین طریقے سے گفتگو کیجئے۔

وہ دعوت، معاملات، قول و عمل، اور ہر ایک معاملے میں حکمت سے کام لے گا۔

اللہ پاک کا نام "الفتاح" جل جلالہ

"الفتاح" اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے ایک ہے۔ یہ اللہ پاک کے ان اسماء میں سے ہے جن کے ذریعہ بندہ کے دل میں رب سبحانہ وتعالیٰ کی محبت بڑھتی ہے۔ "الفتح" یعنی فیصلہ کرنا یا کھولنا، یہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی صفت ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید میں ایک مقام پر اس کا ذکر آیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿قُلْ يَجْمَعُ بَيْنَنَا رَبُّنَا ثُمَّ يَفْتَحُ بَيْنَنَا بِٱلْحَقِّ وَهُوَ ٱلْفَتَّاحُ ٱلْعَلِيمُ ﴿٢٦﴾﴾ [سورة سبأ:26] (ترجمہ: انہیں خبر دیجئے کہ ہم سب کو ہمارا رب جمع کرکے ہمارے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کردے گا، وہ فیصلے چکانے والا ہے اور دانا ہے)

اس آیت کریمہ میں لفظ "الفتاح" مبالغہ کے صیغے کے طور پر استعمال ہوا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے درمیان بہت زیادہ فیصلے کرنے والا اور ان کے لیے اپنی رحمت کے دروازے کو بہت زیادہ کھولنے والا ہے۔

ابن قیم رحمہ اللہ نے اپنے قصیدہ نونیہ میں کہا ہے:

و كذلك الفتاح من أسمائه	والفتح في اوصافه أمران
فتح بحكم وهو شرع إلهنا	والفتح بالأقدار فتح ثان
والرب فتّاح بذين كليهما	عدلا وإحسانا من الرحمن

ترجمہ:

(یہی حال اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے ایک نام "الفتاح" کا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اوصاف میں فتح سے دو چیزیں مراد ہیں۔ ایک فتح اس کا حکم ہے جو ہمارے معبود کی شریعت ہے۔ اور دوسرے فتح سے مراد تقدیریں ہیں۔ رب تعالیٰ ان دونوں امور کو انجام دینے کی وجہ سے فتاح ہے۔ اور یہ دونوں امور رحمٰن کے عدل واحسان کے نمونے ہیں۔)

بندہ کے لئے اللہ تعالیٰ دو طرح سے کھولتا ہے:

فتح عام (عمومی طور پر کھولنا): اس سے مراد یہ ہے کہ وہ بندوں کے امور و معاملات اور معاش کے بند دروازوں کو کھولتا ہے، چاہے ان کا تعلق ان کی روزی سے ہو یا مال و اسباب سے ہو یا شادی بیاہ سے ہو یا جھگڑے و نزاع سے ہو۔ اللہ تعالیٰ کی ذات اپنی عنایت و مہربانی سے ان امور و معاملات کے جو دروازے بندوں پر بند ہو چکے ہوں انھیں کھول دیتا ہے، ان کی مشکل کو آسان کر دیتا ہے، ان کی رسائی سے دور چیزوں کو ان کے قریب کر دیتا ہے اور جو معاملات لاینحل ہو چکے ہوں انھیں حل فرما دیتا ہے، اسی وجہ سے اس کی ذات الفتاح العلیم (بہت فیصلے کرنے اور کھولنے والی اور دانا و باخبر) ہے۔

اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں آسمانوں اور زمین کے خزانوں کی کنجیاں ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لَهُۥ مَقَالِيدُ ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضِ ۖ يَبْسُطُ ٱلرِّزْقَ لِمَن يَشَآءُ وَيَقْدِرُ ۚ إِنَّهُۥ بِكُلِّ شَىْءٍ عَلِيمٌ ﴿١٢﴾﴾ [سورة الشوری:12].

(ترجمہ: آسمانوں اور زمین کی کنجیاں اسی کی ہیں، جس کی چاہے روزی کشادہ کر دے اور تنگ کر دے، یقیناوہ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔)

اس آیت کریمہ میں لفظ "مقالید" استعمال ہوا ہے جس کے معنی ہیں خزانے یا کنجیاں۔ یعنی آسمانوں اور زمین میں رزق کی کنجیاں اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں ہیں۔ وہ لوگوں کے لئے خیر و بھلائی کے جو دروازے کھول دیتا ہے کوئی ان سے محروم نہیں کر سکتا۔ اور وہ خیر و بھلائی کے جو دروازے لوگوں کے لئے بند کر دیتا ہے، کوئی اسے کھول نہیں سکتا ہے۔ اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے: ﴿مَّا يَفْتَحِ ٱللَّهُ لِلنَّاسِ مِن رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا ۖ وَمَا يُمْسِكْ فَلَا مُرْسِلَ لَهُۥ مِنۢ بَعْدِهِۦ ۚ وَهُوَ ٱلْعَزِيزُ ٱلْحَكِيمُ ﴿٢﴾﴾ [سورة فاطر:2].

(ترجمہ: اللہ تعالیٰ جو رحمت لوگوں کے لیے کھول دے اس کا کوئی بند کرنے والا نہیں اور جس کو بند کر دے اس کے بعد اس کا کوئی جاری کرنے والا نہیں اور وہی غالب حکمت والا ہے۔)

اگر اللہ تعالیٰ بندوں پر بارش کا منہ کھول دے تو کون ہے جو بندوں سے اس بارش کو روک دے گا، یہاں تک کہ اگر لگاتار بارش کی وجہ سے لوگ ڈوبنے لگیں اور ان کے مال و اسباب تباہ و برباد ہونے لگیں تو کوئی بھی اس آفت کو ٹال نہیں سکتا ہے، جیسا کہ نوح علیہ السلام کی قوم کے ساتھ بصورت عذاب الٰہی ہوا تھا جبکہ پانی پہاڑ کی چوٹیوں تک پہنچ گیا تھا اور وہ لوگ بارش و پانی کے اس عذاب کو اپنے آپ سے دور نہیں کر سکے۔ اور اگر اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے بارش، غلے اور پیڑ پودوں کو ایک طویل عرصہ کے لیے روک دے تو اللہ تعالیٰ کے اس بند کیے ہوئے دروازے کو بھی کوئی کھول نہیں سکتا۔ [1]

فتح خاص (خصوصی طور پر کھولنا): اللہ تعالیٰ کی طرف سے خاص بندوں کے حق میں کھولنے کا یہ عمل انجام پاتا ہے۔ اس کے لیے ان کے دلوں میں پہلے سے اخلاص، صدق اور تقویٰ کا ہونا ضروری ہے۔ یہ صفات جس قدر بندہ کے اندر پائی جاتی ہیں اسی کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ ان کے دلوں سے پردے اور رکاوٹوں کو دور کر دیتا ہے۔ یہ دلوں کے بند پڑے تالوں کو کھولنا ہے اور انسانی بصیرتوں کو روشن کر کے دور تک دیکھنے کی اندرونی صلاحیت کو جلا بخشتا ہے۔ اس کی مزید وضاحت اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے ہوتی ہے: ﴿أَفَمَن شَرَحَ ٱللَّهُ صَدۡرَهُۥ لِلۡإِسۡلَٰمِ فَهُوَ عَلَىٰ نُورٖ مِّن رَّبِّهِۦۚ فَوَيۡلٞ لِّلۡقَٰسِيَةِ قُلُوبُهُم مِّن ذِكۡرِ ٱللَّهِۚ أُوْلَٰٓئِكَ فِي ضَلَٰلٖ مُّبِينٍ ﴿٢٢﴾﴾ [سورة الزمر:22].

(ترجمہ: کیا وہ شخص جس کا سینہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کے لیے کھول دیا ہے پس وہ اپنے پروردگار کی

---

[1] النہج الأسمی (۱/ ۲۱۲)

طرف سے ایک نور پر ہے اور ہلاکت ہے ان پر جن کے دل یاد الٰہی سے (اثر نہیں لیتے بلکہ) سخت ہو گئے ہیں۔ یہ لوگ صریح گمراہی میں مبتلا ہیں۔)

قرطبی کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ کی طرف سے سینوں کو کھولنے اور انشراح قلب عطا کرنے کی کوئی حد نہیں ہے۔ ہر مومن کو اس میں سے اس کی صلاحیت کے بقدر حصہ ملتا ہے۔ [1]

یہ اللہ تعالیٰ کا وہی خاص لطف و کرم ہے جس کے ذریعہ وہ اپنے خاص بندوں کو علم، فہم، حکمت، بصیرت، سکینت، انس، قرب، محبت وغیرہ سے نوازتا ہے اور ربانی علوم و معارف، ایمانی حقائق اور روحانی مقامات سے سرفراز فرماتا ہے جن سے بندوں کے احوال کی اصلاح ہوتی ہے۔

قرطبی نے اس معاملہ میں لوگوں کے مختلف درجات قائم کیے ہیں:

وہ کہتے ہیں: اے وہ شخص جس کے دل پر پڑے ہوئے تالے کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے کھول دیا اور خصوصی نور سے اس کے دل کی دنیا روشن کر دی ہے۔ آپ علوم و معارف سے نا آشنا دلوں کے تالوں کو کھولیے۔ اللہ تعالیٰ نے جس طرح آپ کے دل کو کھول دیا ہے اسی طرح آپ دوسروں کے دلوں کو کھولنے کی ذمہ داری ادا کیجیے۔ اللہ تعالیٰ نے جس طرح آپ کے ساتھ بھلائی کا معاملہ کیا ہے اسی طرح آپ دوسروں کے ساتھ بھلائی کا معاملہ کیجئے۔

اگر آپ اس مقام تک نہیں پہنچے ہیں کہ بندوں کے مقفل دلوں کے تالے کھول سکیں، لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے ظاہری رزق کے دروازے کھول دیئے ہیں اور کشادگی عطا کر دی ہے تو آپ بندوں پر خرچ کرنے کے لیے اپنے دل کو کھولیے اور سخاوت و فیاضی کا مظاہرہ کرنے والی ذات بن جائیے، اس لیے کہ آپ جو کچھ بھی اور جتنا بھی خرچ کریں گے وہ اللہ تعالیٰ کے اس لا محدود خزانے

---

[1] النہج الأسمی (۱/۲۱۲)

ہی سے خرچ ہو گا جس کا دروازہ کبھی بند نہیں ہوتا اور اس کی کنجی کبھی ضائع نہیں ہوتی۔

اور اگر آپ رزق کی کشادگی سے محروم ہیں تو آپ اس بات کی کوشش و فکر کیجیے کہ آپ خیر و بھلائی کے دروازے کو کھولنے اور شر و فساد کے دروازے کو بند کرنے والے ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "کچھ لوگ خیر و بھلائی کے دروازے کو کھولنے والے اور شر و فساد کے دروازے کو بند کرنے والے ہیں جبکہ دوسرے کچھ لوگ شر و فساد کے دروازے کو کھولنے والے اور خیر و بھلائی کے دروازے کو بند کرنے والے ہیں۔ ان کے لیے خوشخبری ہے اللہ نے جن کے ہاتھوں سے خیر کے ظہور کا فیصلہ فرما دیا ہے۔ اور ہلاکت ہے اس کے لیے جس کے ہاتھ میں شر و فساد کی کنجی تھما دی ہے۔"[1]

بے شک جو شخص بھی اس طرح کی احادیث مبارکہ کو سنے گا اس کے دل میں صاحب خیر بننے کا شوق پیدا ہو گا۔ اس کی یہ آرزو ہو گی کہ وہ خیر و بھلائی کے دروازے کو کھولنے والا اور شر و فساد کے دروازے کو بند کرنے والا بن جائے۔ اس کی یہ تمنا بھی ہو گی کہ حدیث نبوی میں جس کے لیے خوشخبری وارد ہوئی ہے وہ اس کا مستحق بن جائے اور اللہ تعالیٰ اس کے ہاتھوں سے خیر و بھلائی کو جاری کر دے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے اس کے فضل و کرم کے لیے سوال کرتے ہیں۔

آپ کیسے خیر کا ذریعہ بن سکتے ہیں؟[2]

اگر کوئی بندہ واقعتاً اور عملاً خیر و بھلائی کا ذریعہ اور شر و فساد کا سدباب کرنے والا بننا چاہتا ہے تو اس کی

1۔ سنن ابن ماجہ

2۔ اس بحث کی اصل ڈاکٹر عبد الرزاق بدر حفظہ اللہ کا ایک محاضرہ (لکچر) ہے جسے "کیف تکون مفتاحاً للخیر" کے عنوان سے ایک کتابچہ کی شکل دی گئی ہے۔ شیخ کے ذکر کردہ بعض نقاط پر میں اپنی رائے بھی پیش کروں گی، ان شاء اللہ۔

محض تمنا کرنا اور چند اچھی باتوں کو اختیار کر لینا کافی نہیں ہے، بلکہ اس کے لیے اس معاملے کی حقیقت کا ادراک کرنا ضروری ہے اور اس کے اسباب و مقاصد کو اختیار کرنا ضروری ہے جو مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔اس کے اندر خیر اور اللہ کے بندوں کو نفع پہنچانے کی شدید چاہت ہو:

اس سے مراد سچی نیت اور عزم مصمم ہے، اس لیے کہ نیت انسان کے عمل پر اثر انداز ہوتی ہے۔ ہر کام میں اصل نیت ہی ہے۔ نیت ہی سے کسی بھی عمل کا آغاز ہوتا ہے اور انسان کو اس کی نیت کے بقدر اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کیا جاتا ہے۔ حدیث نبوی کے الفاظ ہیں: "إنما الأعمال بالنيات" (اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔) انسان جب اپنی نیت کو خالص کر لیتا ہے، کسی عمل کے لئے اس کا صحیح مقصد متعین کر لیتا ہے اور جب وہ صدق دل کے ساتھ خیر و بھلائی کی چاہت کو اپنا مطمح نظر اور مقصد حیات بنالیتا ہے تو وہ اپنی مراد پالیتا ہے، اسے اس کا مطلوب مل جاتا ہے اور اسے اس کے رب کی طرف سے وہم و گمان سے زیادہ خیر کثیر حاصل ہو جاتا ہے۔

۲۔وہ دعا کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرے جو الفتاح ہے:

جو شخص خیر کے دروازے کو کھولنے والا اور شر و فساد کا سدباب کرنے والا بننا چاہتا ہے اسے اپنے رب کی طرف رجوع کرنا چاہیے جس کی صفت "الفتاح" ہے تاکہ وہ اس بندے کے لیے خیر کے دروازے کھول دے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں آسمانوں اور زمین کے خزانوں کی کنجی ہے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿لَهُۥ مَقَالِيدُ ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضِ ۖ يَبْسُطُ ٱلرِّزْقَ لِمَن يَشَآءُ وَيَقْدِرُ ۚ إِنَّهُۥ بِكُلِّ شَىْءٍ عَلِيمٌ ﴿١٢﴾﴾ [سورة الشوری:12]. (ترجمہ: آسمانوں اور زمین کی کنجیاں اسی کی ہیں، جس کی چاہے روزی کشادہ کر دے اور تنگ کر دے یقیناً وہ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔)

رب تبارک و تعالیٰ کے یہاں کثرت و قلت کا کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے۔ وہ بندہ کے لیے جتنی چاہے

کشادگی پیدا کر دے اور جو خزانے چاہے اس کے لیے کھول دے۔ ہر قسم کی کشادگی اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ تمام انسانوں کے دل اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں۔ وہ جب چاہتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے اس کے مقفل دلوں کو کھول دیتا ہے۔ مطرف بن شخیر رحمہ اللہ جو علمائے تابعین میں سے ہیں، کہتے ہیں: اگر میرے دل کو نکال کر میرے بائیں ہاتھ پر رکھ دیا جائے اور ہر قسم کی خیر و بھلائی کو لا کر میرے دائیں ہاتھ میں رکھ دیا جائے تب بھی میں خود سے اس خیر و بھلائی کو اپنے دل میں نہیں ڈال سکتا، جب تک اللہ تعالیٰ نہ اسے میرے دل میں ڈال دے۔ 1

اللہ تعالیٰ نے اخلاق، رزق، اعمال اور صلاحیتوں کو بندوں کے درمیان تقسیم کر دیا ہے۔ ہم ان سب کے دروازے کو اپنے لئے اسی صورت میں کھول سکتے ہیں جبکہ ہم اللہ تعالیٰ کے سامنے روئیں، گڑگڑائیں اور اس کے لئے خوب دعائیں مانگیں جیسا کہ ابن قیم رحمہ اللہ کا قول ہے: ہر قسم کے خیر و بھلائی کی اصل یہ ہے کہ بندہ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی توفیق حاصل ہو اور اس کی کنجی دعا ہے۔ نیز اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں یہ خبر دی ہے کہ "اللہ تعالیٰ کے نزدیک دعا سے زیادہ مکرم و معزز کوئی چیز نہیں ہے۔" 2

آپ اپنے رب کے سامنے اس کے لئے دست سوال دراز کرنے کے محتاج ہیں کہ وہ آپ کے لئے نفع بخش علم اور نیک اعمال کا دروازہ کھول دے، آپ کے سینہ کو روشن و کشادہ کر دے جس کے ذریعہ آپ حق کو پہچانیں اور اسے قبول کریں، آپ کا ہاتھ پکڑ کے خیر کی طرف آپ کی رہنمائی کرے، ہر طرح سے آپ کی اعانت و مدد کرے، آپ کو طاقت و قوت عطا کرے اور آپ کو حسن اخلاق کی دولت سے نواز دے۔ آپ اچھے اخلاق کے بغیر لوگوں کے لئے خیر کا ذریعہ نہیں بن

---

1 حلیۃ الأولیاء (۲/۲۰۱) سیر أعلام النبلاء (۴/۱۹۰) بحوالہ "کیف تکون مفتاحاً للخیر"

2 امام احمد نے اپنی مسند میں اسے نقل کیا ہے اور ابن حبان نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔

سکتے۔ اس اخلاق کے متعلق بعض سلف کا قول ہے: یہ اخلاق بھی اللہ تعالیٰ کی نوازش اور اس کے انعامات میں سے ہے۔ اللہ تعالیٰ جب کسی بندہ سے محبت کرتا ہے تو اسے اس میں سے ایک حصہ عطا فرماتا ہے۔ [1] پھر جب آپ اپنے رب سے اس دروازہ کو کھولنے کی درخواست کریں تو اس کے دروازہ پر رک کر ایک عرصہ تک انتظار بھی کریں اور اس معاملہ میں جلد بازی سے بچیں، کیونکہ باصرار عرض پرداز ہونے والا ہی اس کا مستحق ہوتا ہے کہ اس کے لئے دروازہ کھول دیا جائے۔

3۔ نفع بخش علم:

جو شخص خیر و بھلائی کا ذریعہ بننے اور شر و فساد کا سد باب کرنے کا ارادہ رکھتا ہو اسے نفع بخش علم کا طالب و متلاشی ہونا چاہیے، اس لئے کہ ہر منافع بخش چیز کے حصول کا راستہ یہی ہے کہ اسے سیکھا جائے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿قُلْ هَٰذِهِۦ سَبِيلِىٓ أَدْعُوٓا۟ إِلَى ٱللَّهِ ۚ عَلَىٰ بَصِيرَةٍ أَنَا۠ وَمَنِ ٱتَّبَعَنِى ۖ وَسُبْحَٰنَ ٱللَّهِ وَمَآ أَنَا۠ مِنَ ٱلْمُشْرِكِينَ ﴿١٠٨﴾﴾ [سورة يوسف:108]

(ترجمہ: آپ کہہ دیجئے میری راہ یہی ہے، میں اور میرے متبعین اللہ کی طرف بلا رہے ہیں، پورے یقین اور اعتماد کے ساتھ اور اللہ پاک ہے اور میں مشرکوں میں نہیں)

اس آیت کریمہ میں لفظ "البصیرة" سے مراد نفع بخش علم ہے۔ جس کے پاس علم نافع نہ ہو وہ کیسے حق و باطل، ہدایت و گمراہی اور سنت و بدعت کے درمیان فرق کرے گا؟

دین کا علم رکھنے والے کی حیثیت نور کی ہوتی ہے۔ اس نور سے وہ خود بھی مستفید ہوتا ہے، اپنے آس پاس کے لوگوں کو بھی فائدہ پہنچاتا ہے اور جو اس کی بات سنتا ہے اسے بھی فائدہ پہنچتا ہے۔ اس بلیغ تشبیہ پر غور کیجئے جسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک ارشاد میں استعمال کیا ہے: "إن

---

[1] کیف تکون مفتاحاً للخیر، ص۱۱

فضل العالم على العابد كفضل القمر ليلة البدر على سائر الكواكب" 1 (عابد پر عالم کی فضیلت ایسی ہی ہے جیسے کہ چودھویں رات میں چاند کی فضیلت تمام ستاروں پر ہے۔)

ستارہ کے ارد گرد روشنی کا ایک ہالہ ہوتا ہے۔ یہ عابد کے نفع بخش ہونے کی مثال ہے۔ وہ خود بھی مستفید ہوتا ہے اور اپنے چند ساتھیوں کو بھی نفع پہنچاتا ہے، لیکن اس کی نفع رسانی کا عمل دوسروں کو عبادت وریاضت پر آمادہ کرنے سے قاصر ہوتا ہے، لیکن عالم کالی سیاہ رات میں چاند کی طرح ہوتا ہے جس کی روشنی چاروں طرف بہت دور تک پھیلتی ہے۔ چاند کی روشنی صحراؤں، پہاڑوں، بلندیوں، میدانوں اور سمندروں سب کو روشن کر دیتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عالم کا دائرہ اثر عابد کے مقابلہ بہت بڑا ہے۔ عالم سے اس کے گھر والے، پڑوسی، اہل مسجد سب مستفید ہوتے ہیں۔ وہ سفر و حضر ہر حالت میں نفع رسانی کا کام کرتا ہے، یہاں تک کہ اس کے دنیا سے رخصت ہو جانے کے بعد بھی اس کا فیضان علم و آگہی جاری رہتا ہے۔ اس کے مرنے کے بعد بھی اس کا وہ عمل باقی رہتا ہے جو اس نے کسی کو سکھایا ہوتا ہے یا جسے اس نے پھیلایا ہوتا ہے۔ اس کا جسم تو مر کر پیوند خاک ہو جاتا ہے لیکن وہ اپنے پیچھے اپنا علم چھوڑ جاتا ہے۔ اسی وجہ سے علماء سب سے زیادہ خیر و بھلائی کے دروازے کو کھولنے والے اور شر و فساد کا سد باب کرنے والے ہیں۔ ان کے نامۂ اعمال میں مستفید ہونے والوں کی ایک لمبی فہرست ہوتی ہے۔ کسی نے ان سے فائدہ اٹھایا، کسی نے ان کی وجہ سے خود کو تبدیل کیا، کسی نے ان سے اچھا اثر قبول کیا، کسی نے ان کے کہنے پر گناہوں کو چھوڑ دیا اور کسی نے ان کی رہنمائی کی وجہ سے رب تعالیٰ کے حضور سچی توبہ کر لی۔ یہ کئی عمروں کی برکت ہے جو انہیں حاصل ہوتی ہے، گویا کہ اس مصلح وقت کے لئے زمانہ کی بساط لپیٹ دی گئی ہو۔ ان کے حصہ میں خود اس کا اجر، اس سے استفادہ کرنے والوں کا اجر اور اس سے علم سیکھنے والوں کا اجر سب ایک ساتھ جمع ہو جاتا ہے۔

---

1 امام احمد اور اصحاب سنن نے اس روایت کو نقل کیا ہے۔ دیکھئے صحیح الجامع (۵/ ۳۰۲)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "إن الله و ملائكته و أهل السماوات و الأرض حتى النملة في جحرها و حتى الحوت ليصلون على معلم الناس الخير" 1 (اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتے، آسمانوں اور زمین کی مخلوق، یہاں تک کہ چیونٹیاں اپنے سوراخ میں اور مچھلیاں لوگوں کو خیر و بھلائی کی تعلیم دینے والے کے حق میں رحمت کی دعا کرتی ہیں۔)

4۔ اسلام کے فرائض کا اہتمام جن میں سر فہرست نماز ہے:

نماز ہر خیر و بھلائی کی کنجی ہے۔ بندہ اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے خیر کی توفیق، علم و عمل، روزی کی کشادگی اور اس کی خاص مدد و اعانت کے لئے دست سوال دراز کر سکتا ہے۔ صحیح بخاری میں منقول ہے کہ ایک رات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہوئے اور آپ نے "لا إله إلّا الله" کہا، ایک روایت میں ہے کہ آپ نے "سبحان الله" کہا، اس کے بعد آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اس رات میں کون سے فتنے نازل کیے ہیں؟ اور اس رات کون سے خزانے کھول دیئے ہیں؟

محترم قارئین! غور کیجئے، فتنے نازل ہوئے اور خیر و بھلائی کے خزانوں کے دروازے کھول دیئے گئے۔ پھر اس پر غور کیجئے کہ آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے اس کے بعد کس چیز کی طرف رہنمائی کی؟ آپ نے فرمایا: ان حجرے والیوں کو کون جگائے گا کہ یہ نماز پڑھ لیں۔" آپ نے نماز کی طرف رہنمائی فرمائی۔

آپ خیر و بھلائی کے دروازے کو کھولنے والے اور شر و فساد کا سدباب کرنے والے بننا چاہتے ہیں تو اپنی نمازوں کی فکر کیجئے۔ اگر آپ اس میں کامیاب ہو گئے تو آپ کے سارے اعمال فوز و فلاح سے ہمکنار ہوں گے اور اس کی وجہ سے آپ اپنے لئے بھی خیر کا دروازہ کھولیں گے اور دوسروں کو بھی اس سے فائدہ پہنچائیں گے۔

1۔ امام ترمذی نے اسے نقل کیا ہے۔ دیکھئے صحیح الجامع (۱۸۳۸)

اور جب آپ اپنی نمازوں میں کمی و کوتاہی کریں گے اور اسے ضائع کر دیں گے تو خیر و بھلائی کے دروازے آپ پر بند ہو جائیں گے اور آپ نقصان و خسارہ کی آزمائش سے دوچار ہوں گے۔ پھر نماز آپ کو بد دعا دے گی کہ اللہ تم کو ضائع کر دے جس طرح تم نے مجھے ضائع کر دیا۔

نماز روشنی ہے۔ 1 اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی خبر دی ہے۔ نماز نمازی کے لئے دنیا و آخرت دونوں جگہ نور ہے، لیکن ہم میں سے بہت سے ایسے ہیں جنہیں اس نور کا بہت معمولی حصہ ہی حاصل ہو پاتا ہے، اس لئے کہ ہم نماز ادا کرنے والے بن کر رہ گئے ہیں۔ ہم نماز کو قائم کرنے والے نہیں بن سکے ہیں جبکہ قرآن مجید میں ہر جگہ اقامت صلاۃ (نماز قائم کرنے) کا حکم دیا گیا ہے۔ نماز قائم کرنا، جسمانی حرکات کے ذریعہ نماز کی ادائیگی کے علاوہ ایک الگ چیز ہے۔ قیام، رکوع، سجود اور تلاوت یہ نماز کی ادائیگی کا عمل ہے اور نماز قائم کرنے کا مطلب یہ ہے کہ نماز حضور قلب اور خشوع کے ساتھ ادا کی جائے تاکہ اس نور میں سے وافر حصہ آپ کو حاصل ہو۔

جس کا سر نماز کی ادائیگی کی وجہ سے بوجھل ہوتا ہو وہ کیسے اس کی امید کر سکتا ہے کہ اس کے لئے خیر کے دروازے کھول دیئے جائیں گے؟ خاص طور پر فجر کی نماز جو دن کی شروعات، اس کی اساس اور اس کا نقطۂ آغاز ہے، یہ روزی کے نازل ہونے اور خیر و بھلائی و برکتوں کے دروازے کھلنے کا وقت ہے۔ جو شخص فجر کی نماز سے محروم ہو گیا، خیر کے سارے دروازے اس کے لئے بند ہو گئے اور رزق کے دروازے اس کے لئے بند کر دیئے گئے۔

جب فجر کی دو رکعات سنت کو "خير من الدنيا و ما فيها" 2 (دنیا اور اس کی ساری چیزوں سے بہتر) کہا گیا ہے جیسا کہ یہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی بھی ہے تو آپ اندازہ لگائیے کہ

---

1 امام مسلم وغیرہ نے اسے نقل کیا ہے۔ دیکھئے صحیح الترغیب والترھیب (۱/۲۷۷)

2 امام مسلم وترمذی نے اسے نقل کیا ہے، بحوالہ صحیح الترغیب والترھیب (۱/۳۷۹)

فجر کی دو رکعات فرض نماز کی خیر و برکت کا کیا عالم ہو گا اور اس کے ذریعہ بندہ کو کتنی خیر و برکت، فتح و کامرانی اور توفیق حاصل ہو گی؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "جس نے صبح کی نماز ادا کر لی وہ اللہ کی ذمہ داری میں چلا گیا، اس کا حساب اللہ کے ذمہ ہے۔" 1

جو شخص چاہتا ہے کہ وہ لوگوں کے لئے نفع رسانی کا ذریعہ بنے اور انہیں زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچائے اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ نمازوں کے اہتمام کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی مدد طلب کرے اور اس کے لئے وہی زاد راہ اختیار کرے جو انبیائے کرام کا زاد راہ ہے۔ یعنی ﴿وَٱسْتَعِينُوا۟ بِٱلصَّبْرِ وَٱلصَّلَوٰةِ﴾ (صبر اور نماز کے ذریعہ مدد چاہو) ایسے شخص کو خاص طور سے قیام اللیل (تہجد کی نماز) کا اہتمام کرنا چاہیے۔ یہ وہ زاد راہ ہے جس میں ثابت قدمی، حصول قوت اور استقامت و استمرار کی ضمانت ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلْمُزَّمِّلُ ۝١ قُمِ ٱلَّيْلَ إِلَّا قَلِيلًا ۝٢ نِّصْفَهُۥٓ أَوِ ٱنقُصْ مِنْهُ قَلِيلًا ۝٣ أَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ ٱلْقُرْءَانَ تَرْتِيلًا ۝٤﴾ [سورة المزمل: 1-4].

(ترجمہ: اے کپڑے میں لپٹنے والے، رات کے وقت نماز میں کھڑے ہو جاؤ مگر کم، آدھی رات یا اس سے بھی کچھ کم کر لے، یا اس پر بڑھا دے اور قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر (صاف) پڑھا کر)

5۔ گناہوں سے دوری اختیار کر کے مجاہدۂ نفس:

اگر آپ خود پر برائی اور گناہ کے دروازہ کو بند نہیں کر سکتے تو آپ دوسروں پر اس دروازہ کو بدرجہ اولیٰ بند نہیں کر پائیں گے اور آپ کسی حال میں خیر و بھلائی کے دروازہ کو کھولنے والا اور شر و فساد کا سد باب کرنے والا نہیں بن پائیں گے۔

---

1 طبرانی نے المعجم الکبیر اور المعجم الأوسط میں اسے نقل کیا ہے، بحوالہ صحیح الترغیب والترھیب (۱/ ۳۱۴)

امام احمد نے اپنی مسند میں نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے صراط مستقیم کی مثال بیان کی ہے، اس صراط (راستہ) کے دونوں جانب دروازے ہیں، ان دروازوں پر پردے لٹک رہے ہیں، صراط کے شروع میں ایک پکارنے والا پکار رہا ہے: اے اللہ کے بندو! تم اس صراط پر سیدھے چلتے رہو اور دائیں بائیں نہ مڑو، صراط کے بیچ میں اور ایک روایت کے الفاظ کے مطابق صراط کے اوپر ایک آواز لگانے والا آواز لگا رہا ہے: اے اللہ کے بندے! کسی دروازہ کو مت کھولو، اگر تم اسے کھولو گے تو اس کے اندر داخل ہو جاؤ گے۔ پھر اس کی وضاحت کرتے ہوئے آپ نے فرمایا: صراط سے مراد اسلام ہے، صراط کے دونوں جانب چہار دیواری اللہ کے حدود ہیں، دروازے جن پر پردے لٹک رہے ہیں اللہ کے حرام کردہ امور ہیں۔ راستہ کے شروع میں پکارنے والے سے مراد اللہ کی کتاب ہے۔ راستہ کے بیچ میں یا راستہ کے اوپر سے پکارنے والے سے مراد ہر مسلمان کے دل میں اللہ کا مقرر کردہ واعظ ہے۔ [1]

اس حدیث نبوی کی کچھ مزید وضاحت:

جو شخص یہ چاہت رکھتا ہے کہ وہ خیر و بھلائی کے دروازے کو کھولے اور شر و فساد کا سد باب کرے اور جنت تک اس کی رسائی ہو جائے اسے اس صراط مستقیم پر چلنا چاہیے جس کا ذکر حدیث نبوی میں آیا ہے۔ اسے یہ علم ہونا چاہیے کہ اس راستہ کے دونوں کنارے دائیں اور بائیں بہت سے دروازے ہیں، ان دروازوں پر صرف پردے لٹک رہے ہیں، ان دروازوں پر نہ تو تالے پڑے ہیں اور نہ ان کی کنجیاں ہیں، ان پر صرف پردے پڑے ہوئے ہیں، ان دروازوں میں داخل ہونے کے لئے جہد و مشقت اور طویل زور آزمائی کی بھی ضرورت نہیں ہے، کوئی شخص صرف پردے کو ہٹا کر ان دروازوں میں داخل ہو سکتا ہے۔ یہ دروازے جن پر پردے لٹک رہے ہیں، ان سے فعل حرام، شر

---

[1] مسند امام احمد

وفساد و معاصی اور فتنوں کے دروازے مراد ہیں۔ اس طرح کے دروازے صراط مستقیم کے دونوں جانب بڑی تعداد میں موجود ہیں، ان دروازوں کے اندر داخل ہونا نہایت آسان ہے۔ آپ سے ذرا سی تساہلی اور چوک ہوئی تو آپ آسانی کے ساتھ ان میں سے کسی دروازہ کے پردہ کو ہٹا کر اس کے اندر داخل ہو جائیں گے۔ اس طرح سب سے پہلے آپ اپنے لئے برائی کا دروازہ کھولیں گے۔ اور یہ نفس انسانی کی فطرت ہے کہ جب وہ کسی حرام کا ارتکاب کر بیٹھتا ہے اور اس میں پوری طرح ملوث ہو جاتا ہے تو اس گناہ میں اکیلے پڑا رہنا اسے اچھا نہیں لگتا، بلکہ وہ دوسروں کو بھی اس گناہ کی طرف بلاتا ہے۔ اس طرح اس حرام کے ارتکاب کا دوسرا مرحلہ یہ ہوتا ہے کہ وہ دوسرے کے لئے بھی اس برائی کے دروازے کو کھول دیتا ہے۔ اس طرح انسان حرام کا ارتکاب کرنے کے ساتھ اس کی طرف دوسروں کو بلانے والا بھی بن جاتا ہے، العیاذ باللہ۔ اور یہی وہ حالت ہے جس میں انسان برائی و گناہ کے دروازہ کو کھولنے والا اور خیر و بھلائی کے دروازہ کو بند کرنے والا بن کر رہ جاتا ہے۔

امام شاطبی رحمہ اللہ کا قول ہے: خوشخبری ہے اس شخص کے لئے جس کے مرنے کے ساتھ ہی اس کے گناہ بھی مر گئے اور ہلاکت ہے اس شخص کے لئے جس کے مر جانے کے بعد بھی اس کے گناہ سو دو سو سال تک باقی رہتے ہیں، اس کی وجہ سے اسے قبر میں عذاب دیا جاتا ہے اور جب تک وہ گناہ مٹ نہ جائے اس کا مؤاخذہ ہوتا رہتا ہے۔ [1]

6۔ خیر و بھلائی کی طرف سبقت اور اہل خیر کی مصاحبت اختیار کرنا اور اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے خیر کے جو دروازے کھول دیئے اسے ہرگز حقیر نہ سمجھیں:

انسان اس وقت تک خیر و بھلائی کے دروازے کھولنے والا اور شر و فساد کا سد باب کرنے والا نہیں بن سکتا ہے جب تک وہ بذات خود خیر کے کاموں کی طرف متوجہ نہ ہو اور خیر کی

---

[1] کتاب "کیف تطیل عمرک الإنتاجي" سے منقول

طرف سبقت کرنے کا جذبہ اس کے اندر نہ پایا جائے۔ شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم سے ﴿وَمَآ أُرِيدُ أَنْ أُخَالِفَكُمْ إِلَىٰ مَآ أَنْهَىٰكُمْ عَنْهُ﴾ کہہ کر اسی جذبہ کا اظہار کیا تھا، یعنی جس چیز سے میں تمہیں روکتا ہوں اسے خود انجام دینے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا ہوں۔ اس کے لئے انسان کو اہل خیر اور نیک لوگوں کی صحبت اختیار کرنے کا اہتمام کرنا چاہیے۔ اس سے خیر کے لئے اس کے عزائم کو قوت حاصل ہوگی، اس کی ہمت بلند ہوگی، خیر کی راہ اختیار کرنے میں اسے مدد ملے گی اور اس کی وجہ سے خیر پر استقامت نصیب ہوگی۔ کہا جاتا ہے کہ لوگ ایک دوسرے کی تقلید میں پرندہ کے جھنڈ کے مانند ہوتے ہیں۔ انسان بظاہر اکڑ کے چلتا ہے لیکن طبیعت و مزاج سے دوسروں کی نقالی کرنے کی لت ختم نہیں ہوتی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "اچھے ساتھی اور برے ساتھی کی مثال مشک رکھنے والے انسان اور بھٹی پھونکنے والے آدمی کی ہے، مشک رکھنے والے انسان سے تم مشک خرید سکتے ہو یا اس کے پاس بیٹھنے سے تم کو اچھی خوشبو حاصل ہوگی، جبکہ بھٹی پھونکنے والا آدمی یا تو تمہارے کپڑے جلا دے گا یا پھر اس کے پاس بیٹھ کر تم کو خبیث بو ہی حاصل ہوگی۔"[1]

خیر کے دروازے بہت سے ہیں اور مختلف نوعیت کے ہیں۔ کسی کے لئے خیر کا کوئی دروازہ کھول دیا گیا ہے تو اسے لازم پکڑ لینا چاہیے جیسا کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا حکیمانہ قول ہے: جسے کسی چیز میں خیر و برکت دی جائے، وہ اسے لازم پکڑ لے۔[2]

1۔ صحیح بخاری (5534) صحیح مسلم (2628)

2۔ ڈاکٹر سلمان عودہ کی کتاب "شكراً لكم أيها الأعداء" سے ماخوذ

آپ حاصل ہونے والے خیر و بھلائی کو اپنے لئے لازم کر لیں، اس کی حفاظت کریں اور اس پر مداومت برتیں، ایسا نہ ہو کہ کوئی دوسری چیز آپ کے اور اس خیر و بھلائی کے درمیان حائل ہو جائے۔ جو شخص نعمت کی قدر نہیں کرتا ہے وہ بالآخر اس سے محروم ہو جاتا ہے۔ آپ خیر و بھلائی کے چھوٹے سے چھوٹے عمل کو بھی حقیر نہ سمجھیں، اس لئے کہ خیر کا ایک ذرہ بھی آپ کے لئے نفع بخش ثابت ہو سکتا ہے اور اللہ تعالیٰ اسے آپ کے حق میں باعث نفع بنا سکتا ہے۔ اسی معمولی خیر سے آپ کے لئے خیر و بھلائی کے دوسرے دروازے کھل سکتے ہیں جو کمیت و کیفیت دونوں اعتبار سے حاصل شدہ خیر سے بڑھ کر ہو سکتا ہے۔ نیکیوں کا حال یہ ہے کہ وہ ایک دوسرے کو آواز دیتی ہیں۔ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ﴿هَلۡ جَزَآءُ ٱلۡإِحۡسَٰنِ إِلَّا ٱلۡإِحۡسَٰنُ ۝٦٠﴾ [سورة الرحمن:60].

(ترجمہ: احسان کا بدلہ احسان کے سوا کیا ہے) اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "انسان جب بھی صدقہ یا صلہ رحمی کے ذریعہ عطیہ کا دروازہ کھولتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے مال و اسباب کی کثرت میں اضافہ فرماتا ہے۔"[1]

آپ جو بھی نیک عمل کریں اور خیر و بھلائی کا کوئی کام جب بھی آپ کے ہاتھوں سے انجام پائے تو اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کو اپنے پیش نظر رکھیں ﴿وَلَا تَمۡنُن تَسۡتَكۡثِرُ ۝٦﴾ [سورة المدثر:6]. (ترجمہ: اور احسان کر کے زیادہ لینے کی خواہش نہ کر)

نیک عمل کی قبولیت کی نشانی یہ ہے کہ انسان اسے انجام دے کر بھول جائے اور یہ سمجھے کہ اس نے ایک چھوٹی سی نیکی کی ہے۔ آپ اللہ تعالیٰ کے اس احسان عظیم کو یاد رکھیں کہ اس نے آپ کو چنا، آپ کا انتخاب کیا اور آپ کے ہاتھوں اس خیر کو جاری کیا۔ آپ کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و

---

[1] السلسلة الصحيحة (۲۲۳۱)

سلم کی یہ بشارت بھی کافی ہونی چاہیے کہ "جس نے کسی مسلمان کی دنیا کی ایک مصیبت کو دور کیا تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی ایک مصیبت کو دور کر دے گا۔ جس نے دنیا میں کسی تنگ دست کے ساتھ آسانی کا معاملہ کیا تو اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں اس کے ساتھ آسانی کا معاملہ کرے گا۔ جس نے کسی مسلمان کی پردہ پوشی کی اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں اس کی پردہ پوشی کرے گا۔ اللہ تعالیٰ اس وقت تک بندہ کی مدد کرتا رہتا ہے جب تک وہ اپنے مسلمان بھائی کی مدد میں لگا رہتا ہے۔ 1

محترم قارئین! آپ ذرا مظلومین اور دبے کچلے لوگوں کے ساتھ کھڑے ہونے کے اس اجر عظیم کو بھی ملاحظہ کیجئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "جو شخص کسی مظلوم کے ساتھ چل کر گیا تاکہ اسے اس کا حق دلوا دے، اللہ تعالیٰ پل صراط پر اس کے قدموں کو اس دن جما دے گا جس دن وہاں لوگوں کے قدم لڑکھڑا رہے ہوں گے۔ 2

اللہ اکبر، مظلوم و مقہور طبقے کا ساتھ دینے کا کتنا بڑا اجر و ثواب ہے۔ آپ نیکی کر کے کسی کے شکریہ ادا کرنے کا انتظار کبھی نہ کریں، اس لئے کہ جس نے اپنی نیکی کا بدلہ لوگوں سے طلب کیا اس نے اللہ تعالیٰ کے پاس اپنے معاوضہ کو ضائع کر دیا۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملنے والا اجر زیادہ بہتر اور ہمیشہ باقی رہنے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَمَا تُقَدِّمُوا۟ لِأَنفُسِكُم مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوهُ عِندَ ٱللَّهِ هُوَ خَيْرًا وَأَعْظَمَ أَجْرًا ۚ وَٱسْتَغْفِرُوا۟ ٱللَّهَ ۖ إِنَّ ٱللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٢٠﴾﴾ [سورة المزمل:20].

---

1 صحیح مسلم و سنن ابی داؤد، شیخ البانی نے اسے صحیح الترغیب والترھیب (۲/۷۰۶) میں حسن قرار دیا ہے۔
2 ابن ابی الدنیا نے اسے نقل کیا ہے اور شیخ البانی نے اسے حسن قرار دیا ہے، صحیح الترغیب و الترھیب (۲/۷۰۹)

(ترجمہ: اور جو نیکی تم اپنے لئے آگے بھیجو گے اسے اللہ تعالیٰ کے یہاں بہتر سے بہتر اور ثواب میں بہت زیادہ پاؤ گے، اللہ تعالیٰ سے معافی مانگتے رہو، یقیناً اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔)

اس بحث کے تعلق سے آخری وصیت

اے وہ شخص جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے خیر کے دروازے کھول دیئے، بھلائی کی طرف اس کی رہنمائی کی اور لوگوں کی ضرورتیں پوری کرنے کی اسے توفیق بخشی، خیر کے ان کاموں میں حصہ لینے سے کبھی زچ نہ ہو، نہ اذیت وتکلیف کا اظہار کرو اور نہ اس کار خیر سے اپنا ہاتھ روکنے کی کوشش کرو۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''اللہ تعالیٰ کچھ لوگوں کو اپنی نعمتوں سے نوازتا ہے اور اس وقت تک اپنی نعمتیں ان کے لئے باقی رکھتا ہے جب تک وہ لوگوں کی ضرورتیں پوری کرنے میں لگے رہتے ہیں اور جب تک کہ ضرورت مند انہیں اکتاہٹ میں مبتلا نہ کر دیں، جب وہ صاحب خیر ضرورت مندوں سے زچ ہونے لگتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنی نعمتیں دوسرے بندہ کی طرف منتقل کر دیتا ہے۔'' [1]

اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی ضرورتیں جس کے سپرد کر دیں اور اس نے اس ذمہ داری کو ادا کرنے سے راہ فرار اختیار کیا تو عین ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کام کو کسی دوسرے کے حوالہ کر دے گا۔

اخیر میں میں اللہ تعالیٰ سے اس کے اسمائے حسنیٰ اور صفات عُلیٰ کے واسطہ سے دست بدعا ہوں کہ وہ ہم سب کے لئے اپنے وسیع فضل وکرم اور عظیم عطا وبخشش کے دروازے کھول دے، ہمیں خیر کے دروازے کو کھولنے والا اور شر کا سد باب کرنے والا بنائے اور جہاں کہیں بھی ہوں ہمیں بابرکت بنائے۔

---

[1] طبرانی کی نقل کردہ روایت ہے، شیخ البانی نے اسے حسن قرار دیا ہے، دیکھئے صحیح الترغیب و الترھیب (۲/۷۰۷)

اللہ تعالیٰ کا نام "الصمد" جل جلالہ

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿قُلْ هُوَ ٱللَّهُ أَحَدٌ ۝١ ٱللَّهُ ٱلصَّمَدُ ۝٢ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ ۝٣ وَلَمْ يَكُن لَّهُۥ كُفُوًا أَحَدٌۢ ۝٤﴾ [سورة الإخلاص: 1-4].

(ترجمہ: آپ کہہ دیجئے کہ وہ اللہ تعالیٰ ایک ہی ہے، اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے، نہ اس سے کوئی پیدا ہوا نہ وہ کسی سے پیدا ہوا اور نہ کوئی اس کا ہمسر ہے۔)

☆ الصمد: اللہ تعالیٰ کا یہ نام قرآن مجید میں صرف ایک مرتبہ سورہ اخلاص میں ذکر ہوا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے اس نام پر آپ غور کریں تو اس میں آخری درجہ کی ہیبت، حروف کی طاقت، معنی کی بلندی اور خاص قسم کے جاہ و جلال کو آپ بخوبی محسوس کر سکتے ہیں۔ [1]

☆ الصمد: کے معنی ہیں وہ سردار جس کی سرداری ہر اعتبار سے مکمل ہو، اسی لئے عرب اپنے اشراف اور بلند پایہ شخصیات کو اسی نام سے موسوم کرتے تھے، کیونکہ ان کے اندر پسندیدہ صفات بکثرت پائی جاتی تھیں۔

☆ الصمد: سے مراد وہ ذات ہے جو خیر و بھلائی کا منبع اور اوصاف حمیدہ کا مجموعہ ہے، اسی وجہ سے لوگوں کے دل چاہت اور خوف کے ملے جلے احساس کے ساتھ اس کی طرف مائل ہوتے ہیں۔

اسی لئے بشمول عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما جمہور سلف کا قول ہے کہ الصمد سے مراد وہ سردار ہے جس کی سرداری ہر اعتبار سے مکمل ہو۔ وہ ایسا عالم ہے جس کا علم مکمل ہے، وہ ایسا قادر مطلق ہے جس کی قدرت مکمل ہے، وہ ایسا حکیم و دانا ہے جس کی حکمت اور اس کا حکم مکمل ہے،

---

[1] دیکھئے شیخ علی الفیفی کی کتاب "لأنک اللہ" ص(۱۳)

وہ ایسا رحیم ہے جس کی رحمت مکمل ہے اور وہ ایسا سخی وفیاض ہے جس کی سخاوت وفیاضی مکمل ہے۔[1]

دنیا کی تمام مخلوقات اپنی ضرورتوں کے لئے اسی کی طرف رجوع کرتی ہیں، سمندر میں مچھلی اسی کی طرف رجوع کرتی ہے، آسمان میں پرندہ اسی کا قصد کرتا ہے، شجر وحجر اسی کی طرف رجوع کرتے ہیں، پانی حکم بجالانے کے لئے اسی کا رُخ کرتا ہے، یہاں تک کہ چوپائے اپنی ضرورت کی تکمیل کے لئے اسی کی طرف دیکھتے ہیں۔

ایک عابد کی آنکھوں سے اس وقت آنسو نکل پڑے جب انہوں نے ایک چوپائے کو دیکھا، ولادت کے وقت اسے مشکل درپیش تھی، اس کا بچہ اس کے پیٹ میں پھنس گیا تھا، یہ بے زبان جانور نہ تو شکایت کے بول اپنی زبان سے نکال سکتا تھا، نہ کسی کو اپنے درد وتکلیف کا حال بتا سکتا تھا، نہ زبان سے اپنی تکلیف کا اظہار کر سکتا تھا۔ ایسے درد والم کی کیفیت میں اس چوپائے نے آسمان کی طرف اپنی نگاہیں اٹھائیں اور اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ اس طرح اس چوپائے نے اس سختی وتکلیف کے عالم میں اپنے رب کی طرف رجوع کیا۔ اس منظر کو دیکھ اس عابد کی آنکھوں سے بھی آنسو جاری ہوگئے اور انہوں نے روتے ہوئے یہ بات کہی: چوپائے تک اپنے رب کی طرف رجوع کرتے ہیں اور ایک ہم انسان ہیں جنہیں اس کی توفیق حاصل نہیں ہوتی ہے۔[2]

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بوڑھے دیہاتی حصین سے دریافت فرمایا: اے

---

[1] المرتبع الأسنی ص(۳٦٦)

[2] شیخ خلف عنزی نے یہ باتیں ۱۴۲۵ھ میں جدہ میں منعقد ابن باز رحمہ اللہ کے نام سے موسوم علمی مذاکرہ میں اللہ پاک کے اسمائے حسنی کی تشریح کرتے ہوئے بیان کی تھیں۔

حصین! تم کتنوں کی پرستش کرتے ہو؟ انہوں نے جواب دیا: چھ سات کی زمین میں اور ایک کی آسمان میں۔ آپ نے دریافت فرمایا: تم کس سے خوف کھاتے ہو؟ انہوں نے جواب دیا: اس سے جو آسمان میں ہے۔ آپ نے پھر دریافت فرمایا: مصیبت کے وقت کس سے امید اور لو لگاتے ہو؟ انہوں نے جواب دیا: اس سے جو آسمان میں ہے۔ تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پھر تم ان معبودوں کو چھوڑ دو جو زمین میں ہیں اور صرف اس کی عبادت کرو جو آسمان میں ہے۔ اس کے بعد حصین مسلمان ہو گئے۔

اس لئے کہ امید اور خوف کی حالت میں آپ جس ذات کی طرف رجوع کرتے ہیں اور جس سے لو لگاتے ہیں صرف وہی اکیلی ذات آپ کے سجدہ کی مستحق ہے۔ [1]

اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے اور اس سے لو لگانے کی کیفیت

1۔ اس عبودیت صمدیت کی بنیادی حقیقت یہ ہے کہ انسان اپنی ہر سانس میں اللہ پاک کی حی و قیوم ذات کا محتاج بنا رہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿۞ يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ أَنتُمُ ٱلْفُقَرَآءُ إِلَى ٱللَّهِ ۖ وَٱللَّهُ هُوَ ٱلْغَنِىُّ ٱلْحَمِيدُ ﴿١٥﴾﴾ [سورة فاطر: 15]. (ترجمہ: اے لوگو! تم اللہ کے محتاج ہو اور اللہ بے نیاز خوبیوں والا ہے)

صرف اللہ پاک کا محتاج ہونے کا مطلب یہ ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے علاوہ ہر ایک کو اپنے دل سے نکال دیں، اس لئے کہ اللہ پاک کے علاوہ جو کچھ بھی ہے وہ مخلوق ہے اور مخلوقات کی صفات میں سے جو چیزیں خاص طور پر قابل ذکر ہیں وہ ہیں کمزوری و لاچاری، عاجزی و بے بسی، نقص و عیب اور زوال و اکتاہٹ۔ جس کی یہ صفات ہوں اس سے ضرورت اور مصیبت کے وقت لَو لگانا

---

[1] کتاب "لأنک اللہ" ص(١٦)

دانائی نہیں ہو سکتی۔

اپنے رب کی صفات کا گہرا علم و شعور آپ کے اندر ہونا چاہیے۔ آپ کو اپنے رب کی صفات کا جتنا علم و شعور ہو گا اتنا زیادہ آپ اس کے عبادت گزار ہوں گے، اتنا زیادہ اس کے سامنے اپنی محتاجی و ذلت کا اظہار کرنے والے ہوں گے اور اتنا زیادہ آپ اس کے مطیع و فرمانبردار ہوں گے۔ جس نے اپنے رب کو غنی مطلق کے طور پر پہچان لیا وہ اپنے کو محتاج مطلق کے طور پر پہچان لے گا، جس نے اپنے رب کی قدرت کاملہ کا تصور کر لیا اس کے لئے اپنی مکمل عاجزی و بے بسی کا تصور آسان ہو گا، جس نے اپنے رب کی عزت و بلندی کا تصور کر لیا وہ اپنے کو ہر حال میں غایت درجہ مسکین و حقیر سمجھے گا۔

عبودیت کے اعتبار سے کامل ترین وہی ہے جسے اپنے رب کے سامنے اپنے فقر و محتاجی اور ضرورتمندی و عدم استغناء کا ہر وقت احساس و استحضار ہے اور وہ ایک لمحہ کے لئے بھی اس شعور و آگہی سے بیگانہ و غافل نہیں ہوتا ہے۔ اسی لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رب سے یہ دعا بھی مانگتے تھے: "أصلح لي شأني كلّه و لا تكلني إلى نفسي طرفة عين" [1] (اے اللہ! میری حالتوں کی اصلاح کر دے اور تو مجھے ایک لمحہ کے لئے بھی میرے نفس کے حوالہ نہ کر۔)

ایک لمحہ کے لئے بھی آپ اللہ عز و جل سے بے نیاز و لاتعلق نہیں ہو سکتے۔ جو چیز بھی آپ حاصل کرنا چاہتے ہیں اس کے لئے اللہ تعالیٰ ہی کی طرف رجوع کیجئے اور اسی سے لو لگائیے۔ آپ ہرگز ہرگز ایسا نہ کریں کہ اپنی کسی ضرورت کے لئے کسی کو قبلہ و کعبہ بنالیں یا دل سے کسی کی طرف متوجہ ہو جائیں یا کسی پر توکل کر بیٹھیں۔ آپ صرف ایک رب واحد کو اپنا مطلوب و

---

[1] اسے امام بخاری نے اپنی کتاب "الادب المفرد" میں نقل کیا ہے۔

مقصود اور اپنی غایت و منزل بنائیں اور اپنے دل کو صرف اسی کی محبت، توجہ اور التفات سے بھر لیں۔

آپ اس حقیقت کو اچھی طرح جان لیں کہ دل کے جس حصہ میں کسی مخلوق کو جگہ دی جاتی ہے تو اس کی وجہ سے تنگی و بے آبروئی ہی ہاتھ آتی ہے۔ بندہ جس چیز پر بھروسہ کرکے رب سے بے نیاز ہونے کی کوشش کرتا ہے اسی چیز کے ذریعہ وہ آزمائش میں ڈالا جاتا ہے۔ اور جب بھی بندہ کسی چیز کو پاکر رفعت وبلندی کا مظاہرہ کرتا ہے تو اسی کی آگ میں تپایا جاتا ہے۔

2۔ اس کا موازنہ کیجئے کہ اللہ اور مخلوق میں سے کون آپ سے زیادہ قریب ہے۔

اللہ تعالیٰ کے علاوہ ہر ایک آپ سے دور ہی ہے چاہے وہ بظاہر جتنا بھی قریب ہو۔ جب آپ اللہ اور کسی مخلوق کی قربت کا موازنہ کریں گے تو آپ کو اندازہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ آپ سے آپ کے نفس سے بھی زیادہ قریب ہے اور وہ آپ کی شہ رگ سے بھی زیادہ آپ سے قریب ہے۔ اللہ عزوجل نے اپنی کتاب قرآن مجید میں اور اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی حدیث رسول میں اپنے بارے میں یہ خبر دی ہے کہ وہ اپنے بندوں سے بہت قریب ہے۔ اللہ پاک کا ارشاد ہے: ﴿وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ ۖ أُجِيبُ دَعْوَةَ ٱلدَّاعِ إِذَا دَعَانِ ۖ فَلْيَسْتَجِيبُوا۟ لِي وَلْيُؤْمِنُوا۟ بِي لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ ﴿١٨٦﴾﴾ [سورة البقرة:186].

(ترجمہ: جب میرے بندے میرے بارے میں آپ سے سوال کریں تو آپ کہہ دیں کہ میں بہت ہی قریب ہوں، ہر پکارنے والے کی پکار کو جب کبھی وہ مجھے پکارے قبول کرتا ہوں، اس لئے لوگوں کو بھی چاہیے کہ وہ میری بات مان لیا کریں اور مجھ پر ایمان رکھیں، یہی ان کی بھلائی کا باعث ہے۔)

صحیحین میں ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی گئی ہے کہ وہ لوگ ایک سفر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے اور تکبیر کہتے ہوئے اپنی آواز بلند کر رہے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اے لوگو! ٹھہرو، تم کسی بہرے اور غیر موجود کو نہیں پکار رہے ہو، تم ایسی ذات کو پکار رہے ہو جو سننے والی ہے اور قریب ہے، تم جسے پکار رہے ہو وہ تمہاری سواری کے جانور کی گردن سے بھی زیادہ تم سے قریب ہے"۔

اللہ تعالیٰ ہر شخص کے بالکل قریب ہے۔ وہ پکارنے والوں کی عمومی پکار کو بھی سنتا ہے اور اسے قبول کرتا ہے، چاہے وہ جو کوئی بھی ہو، جہاں بھی ہو اور جس حال میں بھی ہو۔ اور اس کی شریعت اور احکام پر چلنے والے اس کے جو خاص بندے ہیں ان کی خصوصی دعاؤں کو بھی قبول کرتا ہے۔ وہ ان پریشان حالوں کی بھی سنتا ہے اور ان کی ضرورت پوری کرتا ہے مخلوقات سے جن کی امیدیں بالکل ختم ہو چکی ہوں اور چاہت، امید اور خوف کے ساتھ انہوں نے اپنے رب سے تعلق مضبوط کر لیا ہو۔ [1] ان حقائق سے آگاہ ہو جانے کے بعد ایک بڑا سوال یہ ہے کہ ہم اس کی طرف رجوع کیوں نہیں کرتے جو ہمارے بے حد قریب ہے؟

3۔ ایک ہے مخلوق سے مانگنا اور ایک ہے خالق سے مانگنا، دونوں کے درمیان موازنہ کیجئے۔

مخلوق میں سے کوئی انسان چاہے جتنا سخی و شریف اور احسان کرنے والا ہو، اس کے سامنے ہاتھ پھیلانا اور اس سے مانگنا ایک مشکل کام ہے، مانگنے والے کے نفس پر اس کی وجہ سے بوجھ محسوس ہوتا ہے۔ اگر بکثرت اس سے کوئی چیز مانگی جائے اور اس کے لئے اصرار کیا جائے تو اس کی وجہ

---

[1] دیکھئے المنہج الاسمی (۲/ ۳۰۲) میں "الکریم" کی تفسیر

سے دینے والے کے دل میں اکتاہٹ و بے زاری پیدا ہو سکتی ہے۔ دوسری طرف خالق کا معاملہ یہ ہے کہ آپ اس کے سامنے جتنا زیادہ اپنے دامن کو پھیلائیں گے، جتنی کثرت سے اس کے سامنے دست سوال دراز کریں گے اور اپنے طلب و سوال کے لئے جتنا زیادہ اس سے اصرار کریں گے اتنا زیادہ وہ آپ سے خوش ہو گا اور آپ کو اپنی محبوبیت سے سرفراز کر دے گا۔ اللہ پاک دعا میں اصرار و الحاح کرنے والوں کو محبوب رکھتا ہے۔

لا تسألن بني آدم حاجة و سل الذی أبوابہ لا تحجب

اللہ یغضب إن ترکت سؤالہ و بني آدم حین یسأل یغضب

(بنی آدم کے سامنے کسی ضرورت کے لئے ہاتھ نہ پھیلاؤ، اس ذات کے سامنے ہاتھ پھیلاؤ جس کے دروازے پر کوئی روک اور پردہ نہیں ہے۔ اگر تم نے اللہ کے سامنے ہاتھ پھیلانا چھوڑ دیا تو وہ ناراض ہوتا ہے اور بنی آدم کا حال یہ ہے کہ اس سے مانگو تو وہ غصہ ہوتا ہے۔)

اللہ عزوجل کے سامنے دست سوال دراز کرنے والے اور مانگنے میں اصرار کرنے والے سے اس کی محبت کے ساتھ یہ بات بھی ہے کہ جو اس کے سامنے دعا کے لئے ہاتھ پھیلاتا ہے اور اس سے کسی چیز کے لئے سوال کرتا ہے تو اسے خالی ہاتھ لوٹاتے ہوئے اللہ پاک کو حیا آتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "اللہ تعالیٰ حیا کرنے والا اور کریم و فیاض ہے۔ کوئی بندہ جب اس کے سامنے دست سوال دراز کرتا ہے تو اسے خالی ہاتھ واپس کرتے ہوئے اللہ پاک کو حیا آتی ہے۔" [1]

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: انسانی فہم بندہ سے رب تعالیٰ کے حیا کرنے کی نوعیت کا ادراک نہیں کر سکتی اور انسانی عقلیں اس کی کیفیت کو بیان نہیں کر سکتی ہیں، یہ حیا اللہ پاک کے جود و کرم اور بر و احسان سے تعلق رکھتی ہے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کو اس بات سے حیا آتی ہے کہ کوئی بندہ تواضع و انکساری کے ساتھ اس کے سامنے دست سوال دراز کرے اور وہ اسے نامراد و خالی ہاتھ واپس کر دے۔ اس کے

---

1. صحیح الترغیب والترھیب، مؤلفہ: شیخ محمد ناصر الدین البانی (۲/۱۳۵)

بعد بھی اگر ہم اور آپ اللہ کے سامنے ہاتھ نہ پھیلائیں اور اس سے اپنی ضرورتوں کے لئے سوال نہ کریں تو یہ کیسی بات ہے؟

4۔ اس نکتہ پر غور کیجئے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے بے نیاز ہے، اس کے باوجود وہ ان پر احسان کرتا ہے، ان کے ساتھ رحم و کرم کا معاملہ کرتا ہے۔ یہ اللہ پاک کی بے نیازی اور کرم و رحمت کی انتہاء ہے۔

بندے ایک دوسرے کے ساتھ احسان و بھلائی کا معاملہ اس لئے کرتے ہیں کہ ان کے ایک دوسرے کے ساتھ مفادات وابستہ ہوتے ہیں اور دیر سویر انہیں ایک دوسرے سے فوائد حاصل ہونے کی امید ہوتی ہے۔

جب کوئی مخلوق آپ کو فائدہ پہنچانے کی کوشش کرتی ہے تو پہلے مرحلہ میں اس کا مقصد آپ کو فائدہ پہنچانا نہیں ہوتا ہے، بلکہ شروع میں اس کا مقصد آپ سے فائدہ اٹھانا ہوتا ہے، جبکہ رب تعالیٰ کا معاملہ یہ ہے کہ وہ شان بے نیازی کے ساتھ صرف آپ کو فائدہ پہنچانا چاہتا ہے۔ آپ سے فائدہ اٹھانے کا اس کا کوئی ارادہ نہیں ہوتا، نہ اسے اس کی ضرورت ہے۔ اور اللہ پاک کی طرف سے نفع رسانی کا جو کام ہوتا ہے اس میں مضرت کا کوئی پہلو نہیں ہوتا ہے۔ دوسری طرف جب کوئی مخلوق آپ کو فائدہ پہنچانے کا ارادہ کرتی ہے اس سے آپ کو بسا اوقات نقصان پہنچنے کا بھی اندیشہ رہتا ہے اور آپ اس کے زیر بار احسان بھی ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿إِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ ٱللَّهِ لَا نُرِيدُ مِنكُمْ جَزَآءً وَلَا شُكُورًا ﴿٩﴾﴾ [سورة الإنسان:9]. (ترجمہ: ہم تو تمہیں صرف اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے لئے کھلاتے ہیں، نہ تم سے بدلہ چاہتے ہیں نہ شکر گزاری)

5۔ مخلوق بندہ اس وقت تک آپ کے فائدہ اور منفعت سے واقف نہیں ہو سکتا جب تک اللہ تعالیٰ اسے اس سے واقف نہ کرادے۔ اس کے بعد وہ اس وقت تک آپ کو فائدہ پہنچانے کی قدرت نہیں رکھتا جب تک کہ اللہ تعالیٰ اسے اس پر قدرت نہ عطا کر دے، پھر اس وقت تک اس کے دل میں

آپ کو فائدہ پہنچانے کا ارادہ و خیال پیدا نہیں ہو سکتا جب تک کہ اللہ تعالیٰ اس کے دل میں یہ بات نہ ڈال دے۔ اس طرح گھوم پھر کر معاملہ اسی ذات تک پہنچتا ہے جو اس کا نقطۂ آغاز ہے۔ تمام خیر و بھلائی اسی کے ہاتھ میں ہے اور ہر معاملہ اسی کی طرف لوٹتا ہے۔۔۔ سوال یہ ہے کہ اس حقیقت کے بعد بھی بندوں کے دل غیر اللہ کی طرف کیوں متوجہ ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر کسی دوسرے سے کیوں لو لگاتے ہیں؟

ان سب کا خلاصہ: یہ ہے کہ آپ اس بات کو جان لیں اور اسے گرہ میں باندھ لیں کہ اگر ساری مخلوق آپ کو کوئی فائدہ پہنچانے کے لئے متفق ہو جائے تو وہ سب مل کر آپ کو اتنا ہی فائدہ پہنچائیں گے جتنا اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے مقدر کر دیا ہے۔ اور اگر ساری مخلوق آپ کو کوئی نقصان پہنچانے پر متفق ہو جائے تو وہ سب مل کر آپ کو اتنا ہی نقصان پہنچائیں گے جتنا اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے مقدر کر دیا ہے۔[1]

اگر آپ ان باتوں کو اچھی طرح سمجھ لیں اور ان کی اثر اندازی کا ادراک کر لیں تو آپ کو ہر چھوٹے بڑے معاملہ میں صرف اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے میں اس سے مدد ملے گی۔

ابن سعدی رحمہ اللہ "اللہ الصمد" کے بارے میں کہتے ہیں: تمام ضرورتوں کی تکمیل کے لئے اللہ تعالیٰ کی ذات ہی مخلوقات کے لئے منزل مقصود ہے۔ عالم بالا اور عالم ارضی کی تمام مخلوقات حد درجہ اللہ پاک کے محتاج ہیں، سب اسی سے اپنی حاجتوں کے لئے سوال کرتے ہیں اور اپنے تمام اہم معاملات میں اسی کی طرف رخ کرتے ہیں۔

بنی اسرائیل کے ایک شخص کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ اس کے پاس ایک صنم (بت) تھا، اسی (80) سال سے وہ اس کی عبادت کرتا چلا آرہا تھا۔ ایک مرتبہ اس کا ایک لڑکا بیمار ہو گیا۔ وہ اپنے صنم

---

[1] یہ حدیث صحیح ہے، اسے امام احمد اور امام ترمذی نے نقل کیا ہے، بحوالہ النھج الأسمیٰ (۲/۲۲۹)

(بت) کا طواف کرتا اور یہ دعا کرتا: اے صنم! میرے بیٹے کو شفایاب کر دے، وہ بار بار دعا کے یہ الفاظ دہراتا: اے صنم! میرے بیٹے کو شفایاب کر دے، لیکن اس کا بیٹا شفایاب نہیں ہوا۔ ایک مرتبہ دعا کرتے ہوئے غلطی سے اس کی زبان سے یہ جملہ ادا ہو گیا: اے صمد! تو میرے بیٹے کو شفایاب کر دے، اللہ تعالیٰ نے اس کے بیٹے کو شفا عطا کر دی۔ فرشتوں نے دریافت کیا: اے میرے رب! آپ کا بندہ مشرک ہے، وہ آپ کے سامنے دعا کے لئے ہاتھ نہیں پھیلاتا ہے، وہ تو آپ کو چھوڑ کر اپنے اس صنم کے آگے دعا کے لئے ہاتھ پھیلاتا ہے جس کی وہ پرستش کرتا ہے۔ اللہ عزوجل نے جواب دیا: "کیا کائنات میں میرے علاوہ بھی کوئی صمد ہے؟"[1]

آپ غور کیجئے، جب اللہ پاک نے اس کافر کی دعا قبول کر لی جس نے غلطی سے "یا صنم" کے بجائے "یا صمد" کہہ دیا، اس نے سچے دل سے اللہ تعالیٰ کے صمد ہونے کا عقیدہ رکھتے ہوئے دعا نہیں کی تھی، اس کے باوجود اللہ نے اس کے رجوع اور اس کی دعا کو قبول کر لیا تو جو شخص اپنے دل و جان اور پورے وجود سے اس کی طرف متوجہ ہو کر مکمل اخلاص اور الحاح وزاری کے ساتھ اپنی ضرورت کے لئے اس کے سامنے ہاتھ پھیلائے گا اور "یا صمد" کہہ کر اسے پکارے گا تو کیا اللہ پاک اسے نامراد خالی ہاتھ واپس کرے گا؟ ناممکن ہے کہ اسے خالی ہاتھ لوٹا دے۔ جو اللہ کا ہو گیا اللہ پاک اس کا ہو گیا۔ اللہ اپنے اس بندہ کو کبھی نامراد نہیں کرتا جو اس کے ساتھ حسن ظن رکھتا ہے، اس کی طرف رجوع کرتا، اس کی طرف لپکتا ہے اور اپنی شکایت اور حاجتیں اس کے سامنے پیش کرتا ہے۔

ہم سب کو اللہ پر یقین کی ضرورت ہے۔ ہمیں آج تک جو نامرادی ہاتھ لگی اس کی اصل وجہ ہمارے یقین کی کمی اور ہمارے دلوں کا فساد و بگاڑ ہے۔ ہمیں آج تک جو نقصان ہوا وہ ہمیں رب کی معرفت حاصل نہ ہونے اور اس کی ذات پر یقین و بھروسہ نہ ہونے کی وجہ سے ہوا۔

---

[1] یہ قصہ، شیخ محمد علی شنقیطی کی تفسیر سورہ اخلاص سے ماخوذ ہے۔

اگر ہمیں رب کا عرفان حاصل ہو جائے جیسا کہ ہونا چاہیے تو ہمیں اپنی دعا کے قبول ہونے کا یقین ہو گا، ہمیں تنگی سے کشادگی حاصل ہونے کا یقین ہو گا، ہمیں اللہ کی عطا و بخشش اور اس کی خصوصی مدد کا یقین ہو گا، ہمیں اللہ کی طرف سے نقصان کی بھرپائی اور عظیم الشان عوض و بدلہ ملنے کا یقین ہو گا، لیکن ساری مصیبت ہمارے اپنے اندر ہے، ہمارے یقین و توکل ہی کو مرض لاحق ہے، ہمارا دل رب تعالیٰ پر بھروسہ و توکل کرنے میں ناکام و بے بس ہے، ہمیں اپنے رب سے حسن ظن ہونا چاہیے تھا لیکن ہم اپنے رب سے بدگمانی کا شکار ہیں۔ ہمارے رب نے یہ کہہ کر ہمارے احوال کی سچی ترجمانی کی ہے: ﴿وَمَا قَدَرُوا۟ ٱللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِۦٓ﴾ [سورة الزمر:67]. (ترجمہ: ان لوگوں نے اللہ کی ویسی قدر نہیں کی جیسی کرنی چاہیے تھی)

موسیٰ علیہ السلام جب اپنی قوم کو فرعون کے ظلم سے بچانے کی خاطر لے کر نکلے تو سمندر ان کے سامنے تھا اور فرعون اپنے لشکر کے ساتھ ان کے پیچھے تھا، اس موقع پر موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے کہا تھا: ﴿إِنَّا لَمُدْرَكُونَ﴾ [سورة الشعراء:61].

(ترجمہ: ہم تو یقینا پکڑ لئے گئے)

یعنی اس میں اب کوئی شک نہیں اگر ہم سمندر میں ڈوب کر ہلاک نہیں ہوئے تو ہمیں فرعون اور اس کا لشکر موت کے گھاٹ اتار دے گا، لیکن موسیٰ علیہ السلام اللہ کے نبی تھے، رب پر ان کا ایمان و یقین متزلزل نہیں ہوا اور نہ رب پر ان کے توکل و بھروسہ میں کمی آئی۔ انہوں نے رب پر زبردست بھروسہ کرنے والے مرد مومن کے انداز میں اپنی قوم کو جواب دیا: ﴿قَالَ كَلَّآ ۖ إِنَّ مَعِىَ رَبِّى سَيَهْدِينِ﴾ [سورة الشعراء:62]. (ترجمہ: موسیٰ نے کہا ہرگز نہیں، یقین مانو میرا رب میرے ساتھ ہے جو ضرور مجھے راہ دکھائے گا)

جب موسیٰ علیہ السلام نے اس عظیم الشان یقین کے ساتھ رب پر توکل کا اظہار کیا تو فوراً ہی چند لمحوں میں پلک جھپکتے مشکل آسان کر دی گئی اور موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کے لئے سمندر خشک زمین کی شکل میں ان کے سامنے تھا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿فَأَوْحَيْنَآ إِلَىٰ مُوسَىٰٓ أَنِ ٱضْرِب بِّعَصَاكَ ٱلْبَحْرَ ۖ فَٱنفَلَقَ فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَٱلطَّوْدِ ٱلْعَظِيمِ ﴿٦٣﴾﴾ [سورة الشعراء: 63].

(ترجمہ: ہم نے موسیٰ کی طرف وحی بھیجی کہ دریا پر اپنی لاٹھی مار، پس اسی وقت دریا پھٹ گیا اور ہر ایک حصہ پانی کا مثل بڑے پہاڑ کے ہو گیا)

عقل کو حیران کر دینے والے اس معجزہ کے ظاہر ہونے کا آخر سبب کیا تھا؟ اس کا جواب ہے کہ اس کا سبب اللہ تعالیٰ کی ذات پر غیر متزلزل یقین اور زبردست بھروسہ تھا۔ اللہ تعالیٰ پر عقیدہ و ایمان کی طاقت کی برکت ہی سے ایسا ممکن ہوا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "انسانوں کے دل برتنوں کی طرح ہیں، چیزوں کو محفوظ کرنے کے اعتبار سے ان کے درمیان تفاوت ہے۔ جب تم اللہ عزوجل سے کسی چیز کے لئے سوال کرو تو تم اس طرح اس کے سامنے ہاتھ پھیلاؤ کہ تمہیں قبولیت کا یقین ہو، اللہ تعالیٰ اس بندہ کی دعا قبول نہیں کرتا جو غافل دل سے دعا مانگتا ہے۔" [1]

آپ زکریا علیہ السلام کے اس معاملہ پر غور کیجئے، جب وہ حجرہ میں مریم علیہا السلام کے پاس پہنچے اور ان کے پاس کھانے پینے کا سامان نظر آیا جسے انہوں نے فراہم نہیں کیا تھا تو انہوں نے حیرت کے ساتھ دریافت کیا: ﴿قَالَ يَٰمَرْيَمُ أَنَّىٰ لَكِ هَٰذَا ۖ﴾ (ترجمہ: زکریا علیہ السلام نے کہا: اے مریم! کھانے پینے کی اشیاء تمہارے پاس کہاں سے آئی؟) مریم علیہا السلام نے جواب دیا: ﴿قَالَتْ

---

[1] صحیح الترغیب والترھیب (۲/ ۱۶۵۲)

هُوَ مِنْ عِندِ ٱللَّهِ ۖ إِنَّ ٱللَّهَ يَرْزُقُ مَن يَشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴾ (ترجمہ: مریم نے کہا: یہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، بیشک اللہ جسے چاہتا ہے بے حساب رزق دیتا ہے)

مریم علیہا السلام کی اس بات نے کہ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے بے حساب رزق عطا کرتا ہے، رب کی ذات میں زکریا علیہ السلام کی امید کو روشن کر دیا اور رب پر ان کے یقین و اعتماد میں بے تحاشہ اضافہ کر دیا کہ اللہ بے حساب دیتا ہے، وہ کبھی بغیر اسباب و وسائل کے انعامات کی بارش کر دیتا ہے، وہ ان حالات میں بھی اپنی طرف سے عطا کرتا ہے جبکہ اسباب و وسائل کا دور دور تک پتہ نہیں ہوتا۔

جب زکریا علیہ السلام کا اللہ پر یقین و ایمان آسمان کی بلندیوں کو چھونے لگا تو انہوں نے اپنے رب سے ایک بیٹے کے لئے درخواست کی اور وہ بھی اس صورت حال میں جبکہ ظاہری طور پر ان کے اندر باپ بننے کی صلاحیت مفقود ہو چکی تھی، کیونکہ وہ کبر سنی کو پہنچے ہوئے تھے اور ان کی اہلیہ بانجھ ثابت ہو چکی تھی۔ ظاہری اسباب کی رو سے وہ کسی بچہ کو جنم دینے کی اہلیت سے محروم تھی۔ ظاہری اسباب کے اعتبار سے ایسی عاجزی و بے بسی کی صورت حال تھی، اس کے باوجود زکریا علیہ السلام نے اپنے رب سے دعا کی: ﴿رَبِّ هَبْ لِي مِن لَّدُنكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۖ إِنَّكَ سَمِيعُ ٱلدُّعَآءِ ﴾ [آل عمران:38]. (ترجمہ: اے میرے پروردگار! مجھے اپنے پاس سے پاکیزہ اولاد عطا فرما، بے شک تو دعا کا سننے والا ہے)

زکریا علیہ السلام نے یہ دعا ایسے عالم میں کی جبکہ انہوں نے ظاہری اسباب کو بالکل نظر انداز کر دیا اور اپنی تمام تر امید و آرزو اللہ تعالیٰ کی ذات سے وابستہ کر دیا۔ انہوں نے رب سے عطیہ اور ہبہ کے لئے سوال کیا اور عطیہ وہ ہوتا ہے جو کسی عوض اور بدلہ کے بغیر ہو۔ جب ایسے توکل اور اعتماد کا مظاہرہ کیا گیا تو رب نے جس انداز سے شرف قبولیت بخشا وہ بھی حیران کن ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ فَنَادَتْهُ ٱلْمَلَٰٓئِكَةُ وَهُوَ قَآئِمٌ يُصَلِّي فِي ٱلْمِحْرَابِ أَنَّ ٱللَّهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيَىٰ ﴾ [سورۃ آل عمران:39].

(ترجمہ: پس فرشتوں نے انہیں آواز دی جبکہ وہ حجرے میں کھڑے نماز پڑھ رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ تجھے یحییٰ کی یقینی خوشخبری دیتا ہے)

فرشتوں نے زکریا علیہ السلام کے نماز سے فارغ ہونے اور حجرہ سے باہر نکلنے کا انتظار بھی نہیں کیا، بلکہ نماز ہی کی حالت میں انہیں خوشخبری سنادی۔

آپ کو دل کے یقین کے ساتھ یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ ﴿وَٱللَّهُ غَالِبٌ عَلَىٰٓ أَمْرِهِۦ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ ٱلنَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٢١﴾﴾ [سورة يوسف:21].

(ترجمہ: اللہ اپنے ارادہ پر غالب ہے لیکن اکثر لوگ بے علم ہوتے ہیں)

آپ اس بات کو جان لیں کہ اگر اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے رحمت کے دروازے کھول دیئے ہیں تو کوئی بھی انسان اسے آپ پر بند نہیں کر سکتا ہے۔

اگر یہ نوازش اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے تو آپ اس کی مقدار اور وسعت و عظمت کا تصور بھی نہیں کر سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿إِنَّ هَٰذَا لَرِزْقُنَا مَا لَهُۥ مِن نَّفَادٍ ﴿٥٤﴾﴾ [ص:54].

(ترجمہ: بے شک روزیاں (خاص) ہمارا عطیہ ہیں جن کا کبھی خاتمہ ہی نہیں)

جب اللہ تعالیٰ نے زکریا علیہ السلام کو اولاد کی نعمت عطا کی تو اسی کے ساتھ ایک دوسری نعمت سے بھی انہیں نوازا اور وہ نعمت یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے بیٹے کا نام بھی متعین کر دیا۔ عام طور پر باپ اپنے بیٹوں کا نام رکھتے ہیں، لیکن یہاں اللہ تعالیٰ نے زکریا علیہ السلام کے بیٹے کا نام رکھا اور ایسا نام رکھا جس سے پہلے کبھی کسی انسان کو موسوم نہیں کیا گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿لَمْ نَجْعَل لَّهُۥ مِن قَبْلُ سَمِيًّا﴾ [سورة مريم:7]. (ترجمہ: ہم نے اس سے پہلے اس کا ہم نام بھی کسی کو نہیں کیا)

آپ اللہ تعالیٰ کے تجویز کردہ نام "یحییٰ" پر غور کیجئے۔ اس نام میں اس بات کا اشارہ موجود تھا کہ یہ

نومولود ایک نمایاں زندگی جئے گا اور اس کی زندگی دوسروں سے ممتاز ہوگی۔ بعض مفسرین کا قول ہے کہ یہ نام "حیاۃ" سے مشتق ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اس کا قلب، اس کی روح اور اس کا ایمان زندہ رہے گا۔ گناہوں کی کثرت اور بداعمالیاں اس کے دل کو مردہ نہیں کر سکیں گی جیسا کہ بہت سے اولاد آدم کے دلوں کو مردہ کر دیا ہے۔ یہ نومولود "حی" زندہ اس معنی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے ذریعہ اس کی والدہ کے مردہ رحم کو زندہ کر دیا اور یہ اس معنی میں "حی" زندہ ہے کہ اللہ نے اس کے ذریعہ لوگوں کو ہدایت دے کر زندگی بخشی۔ اور آخر میں اس نبی کو لوگ ظلماً قتل کر کے شہید کر دیں گے تو شہادت کی وجہ سے بھی وہ زندہ ہی رہے گا، گویا وہ ہمیشہ زندہ ہی رہا، اس لئے کہ شہداء کے بارے میں قرآن مجید میں کہا گیا ہے کہ وہ زندہ ہیں، اپنے رب کے پاس پہنچ کر رزق پاتے ہیں۔

اس قصہ سے آپ کو اللہ پر یقین کے معاملہ میں ایک عظیم سبق حاصل ہوتا ہے۔ آپ کے دل میں بحیثیت صمد اللہ کی عبودیت پختہ تر ہوتی ہے اور آپ اس قدیم حکیمانہ قول کا باریکی سے ادراک کرنے والے بن کر جینے لگتے ہیں جس میں کہا گیا ہے کہ "من كان له أب فلا يحمل هما فكيف إذاً بمن له رب؟" (جس کا باپ ہوتا ہے اسے کوئی فکر نہیں ہوتی تو جس کا رب ہو اسے کس بات کی فکر ہوگی؟)

آسمان و زمین اسی کی ملکیت اور ان دونوں کے درمیان جو کچھ ہے سب اس کی دسترس میں ہے۔

ایک ایسا انسان جو اللہ پر توکل کرتا ہو، اگر اسے کوئی مشکل درپیش ہوگی یا ضرورت و حاجت کا کوئی دروازہ اس پر بند ہو جائے گا، کیا وہ مشرق و مغرب کی خاک چھانے گا یا وہ اپنی ذات تک محدود رہنے کی کوشش کرے گا؟ جس نے اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے ایک "الصمد" کے معنی کو سمجھ لیا اور اس صمدیت کی حقیقت کو جان لیا وہ کسی معاملہ میں بہت کم ہی اپنی ذات پر بھروسہ کرے گا۔ وہ اپنے دل سے اللہ عزوجل کی طرف متوجہ رہے گا اور اسی کی ذات کو اپنا قبلہ و کعبہ بنائے گا۔ اس کی سوچ و فکر کا محور اللہ تعالیٰ سے لو لگانا اور اس کی طرف رجوع کرنا ہوگا۔ یہ بندہ کی زندگی کی سب سے بہترین کمائی ہے۔ یہ دنیاوی اعتبار سے انتہائی درجہ کی نفیس کمائی ہے اور اخروی اعتبار سے یہ بلند ترین کمائی ہے۔

یہ سب سے بہترین کمائی کیوں ہے؟

اللہ تعالیٰ کی توحید کے اثبات و حصول کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ بندہ ہر لمحہ اللہ کو پکارے اور اسی کے سامنے ہاتھ پھیلائے۔ کچھ مانگتے وقت اسی سے دعا کرے، عبادت کے وقت اسی کا نام لے اور اسی کو پکارے، کوئی بھی حالت ہو اسی کا نام زبان پر آئے، کوئی بات منہ سے نکالے تو اس میں اس کا ذکر شامل ہو۔

بندہ کو جب اس بات کا یقین ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے تو وہ اپنی دعا و پکار میں اضافہ کر دیتا ہے اور اس کے لئے اصرار و الحاح سے کام لیتا ہے اور جب بندہ کا اللہ کی ذات پر یقین و بھروسہ کمزور ہوتا ہے تو اس کی دعا و پکار، اصرار و الحاح اور سوال و مناجات میں کمی ہو جاتی ہے۔

جب جنت جیسی عظیم الشان نعمت عقیدۂ توحید کے ذریعہ حاصل ہو سکتی ہے تو دنیاوی منزلیں و مقاصد اور دنیاوی آرزوئیں بدرجہ اولیٰ عقیدۂ توحید کی برکت سے حاصل ہو سکتی ہیں۔ دنیا کی یہ ساری چیزیں چاہے یہ جتنی بڑی ہوں اور جتنی بڑی تعداد میں ہوں عقیدۂ توحید کے ذریعہ ان کا حصول ممکن ہے۔ عقیدۂ توحید کے ذریعہ کسی بھی منزل تک پہنچنا ممکن ہے، اس سے ساری مرادیں حاصل ہو سکتی ہیں۔

ایسا نہیں ہو سکتا کہ کوئی بندہ اپنے عقیدۂ توحید میں سچا ہو، صدق دلی سے اللہ کے سامنے تذلل و انکساری اختیار کرنے والا ہو، اپنے ایمان و یقین، رب کے ساتھ حسن ظن اور اسے اپنا ملجا و مأوی بنانے میں سچا ہو، پھر رب تعالیٰ اسے بے آسرا چھوڑ دے یا اُسے نامراد کر دے، اللہ جل جلالہ کی ذات سے ایسا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ سچا ہو گا، اللہ تعالیٰ اسے سچ ثابت کر دے گا۔

یوسف ابن اسباط کہتے ہیں: "ما صدق عبد الله إلا صنع له" یعنی جو بندہ اللہ تعالیٰ کے لئے سچا ہو گا اللہ تعالیٰ اس کی مدد کرے گا، اسے خیر کی توفیق دے گا، اس کے معاملات کی تدبیر کرے گا اور اس کے لئے آسانیاں پیدا کر دے گا، بلکہ اس طرح

کے سچے بندہ کے لئے اگر آسمان و زمین بھی اپنے دروازے بند کر لے تو اللہ تعالیٰ اس مشکل و تنگی کے درمیان بھی اس کے لئے کشادگی اور راہ نجات پیدا کر دے گا۔

اگر کسی ایسے بندہ کا نمونہ دیکھنا ہو جس پر دنیا کے سارے دروازے بند ہو گئے تھے تو آپ سورہ توبہ میں کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کا واقعہ پڑھیے۔ وہ غزوہ تبوک میں شرکت سے پیچھے رہ گئے۔ جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس غزوہ سے مدینہ واپس تشریف لائے تو آپ نے، آپ کے صحابہ کرام نے اور تمام اہل مدینہ نے اللہ کے حکم سے کعب رضی اللہ عنہ سے قطع تعلق کر لیا۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل میں کوئی بھی شخص ان سے بات نہیں کرتا تھا۔

کعب بن مالک رضی اللہ عنہ خود اپنے بارے میں بیان کرتے ہیں: وہ آئے اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا تو پتہ نہیں چلا کہ سلام کا جواب دیتے ہوئے آپ کے ہونٹ نے حرکت کی یا نہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ جب میں نماز کی حالت میں ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے دیکھتے اور جب نماز کے بعد میں آپ کی طرف متوجہ ہوتا تو آپ اعراض فرماتے۔ کعب رضی اللہ عنہ اپنے چچا زاد بھائی ابو قتادہ کے پاس سے گزرتے تو ان کو سلام کرتے لیکن وہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی خاطر ان کے سلام کا جواب نہیں دیتے تھے جبکہ ابو قتادہ انہیں لوگوں میں سب سے زیادہ محبوب تھے۔ کعب رضی اللہ عنہ اپنی اس حالت پر رو دیئے اور اپنے چچازاد بھائی ابو قتادہ کے پاس جا کر ان سے دریافت کرنے لگے کہ میں تمہیں اللہ کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا میں اللہ اور اس کے رسول سے بغض رکھتا ہوں؟ ان کے چچازاد بھائی اس سوال پر بھی خاموش رہے اور کوئی جواب نہیں دیا، کعب رضی اللہ عنہ نے دوسری بار اپنا سوال دہرایا تب بھی وہ خاموش رہے، کعب رضی اللہ عنہ نے تیسری

بار اپنا سوال دہرایا تو انہوں نے بس اتنا سا جواب دیا کہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ کعب رضی اللہ عنہ اپنے بہتے ہوئے آنسوؤں اور تنگیٔ نفس کے ساتھ واپس آ گئے۔ کچھ ہی دیر بعد ان کے پاس روم کے بادشاہ کا ایک خط پہنچا جو خود اپنے آپ میں ان کے ایمان و عقیدہ کی ایک بڑی آزمائش تھی، اس خط میں لکھا ہوا تھا کہ ہمیں معلوم ہوا ہے کہ آپ کے ساتھی نے آپ سے بے رخی اختیار کر لی ہے، آپ ہمارے پاس آ جایئے ہم آپ کی مدد کریں گے۔ خط کو پڑھنے کے بعد کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے کہا یہ خود اپنے آپ میں ایک آزمائش ہے، انہوں نے اس خط کو تندور میں ڈال کر نذر آتش کر دیا۔ اس تکلیف اور گھٹن کی صورت حال کا انہوں نے سامنا کیا جس کا تذکرہ اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ میں کیا ہے: ﴿حَتَّىٰٓ إِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ ٱلْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ أَنفُسُهُمْ﴾ [سورة التوبة:118]. (ترجمہ: یہاں تک کہ جب زمین باوجود اپنی فراخی کے ان پر تنگ ہونے لگی اور وہ خود اپنی جان سے تنگ آ گئے)

زمین اپنی کشادگی، شادابی اور نرمی کے باوجود ان کے لئے اور ان کے دو دیگر ساتھیوں کے لئے تنگ ہو گئی تھی۔ زمین کی تنگی پر مستزاد وہ تنگی بھی تھی جو انہیں اپنے دلوں کے اندر محسوس ہو رہی تھی۔ کیا اس سے زیادہ تکلیف دہ تنگی بھی ہو سکتی ہے؟ کبھی جگہ کی تنگی وجود کی تنگی کے مقابلہ آسان ہوتی ہے۔ جب انسان کو اپنے سینہ کے اندر تنگی محسوس ہونے لگے تو بھاگ کر کہیں جا بھی نہیں سکتا، آخر وہ اپنے وجود سے بھاگ کر کہاں جائے گا؟

بالآخر کعب بن مالک رضی اللہ عنہ اس آزمائش میں کامیاب اور سرخرو ہوئے۔ انہوں نے دنیا کی دلفریبی و چمک دمک پر اللہ تعالیٰ کو ترجیح دی، وہ اپنے رب سے لو لگائے ہوئے کشادگی کے منتظر رہے۔ اس تنگی و بائیکاٹ کی حالت میں کچھ دن گزارنے کے بعد ان کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف کشادگی آ گئی اور ایک شخص نے آواز لگا کر اس کشادگی کی خوشخبری انہیں سنائی کہ اے کعب! خوش ہو جایئے، اللہ

تعالیٰ نے آپ کے لئے کشادگی پیدا کر دی ہے، آپ کو خوشخبری ہو، اللہ نے آپ کی توبہ قبول کر لی ہے، خوشخبری ہو، اللہ نے آپ کی دعاؤں کو شرف قبولیت عطا کیا ہے۔ کعب رضی اللہ عنہ کے لئے اللہ تعالیٰ کی یہ نوازش و کشادگی ان کے تصور و خیال سے بڑھ کر تھی، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول ہونے کی خبر قرآن مجید کی آیات کے ذریعہ دی تھی، قیامت تک جس کی تلاوت کی جاتی رہے گی۔

اللہ تعالیٰ کی ان صفات کمال کا آپ کے ذہن میں استحضار ہونا چاہیے جن سے اس نے اپنی کتاب مقدس میں خود کو متصف کیا ہے، پھر آپ ان صفات کو اپنی دعاؤں میں اپنی زبان سے دہرائیں۔

مثلاً آپ کہیں: اے رب! آپ نے اپنے بارے میں کہا ہے اور آپ کا قول برحق ہے: ﴿إِنَّ ٱللَّهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيدُ﴾ (ترجمہ: اللہ جو چاہتا ہے کر گزرتا ہے)

آپ نے اپنے بارے میں یہ بھی کہا ہے اور آپ کا قول برحق ہے: ﴿وَٱللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾ (ترجمہ: اللہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے)

آپ نے اپنے بارے میں یہ بھی کہا ہے اور آپ کا قول برحق ہے: ﴿إِنَّمَآ أَمْرُهُۥٓ إِذَآ أَرَادَ شَيْـًٔا أَن يَقُولَ لَهُۥ كُن فَيَكُونُ ﴿٨٢﴾﴾ (ترجمہ: اللہ تعالیٰ کا معاملہ یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو کہتا ہے ہو جا اور وہ ہو جاتی ہے)

آپ اپنی دعاؤں میں اللہ پاک کو اس طرح بھی مخاطب کر سکتے ہیں:

اے وہ ذات جس نے بچھڑ جانے کے بعد یوسف اور یعقوب علیہما السلام کو ایک دوسرے سے ملا دیا، اے وہ ذات جس نے موسیٰ علیہ السلام کو ان کی والدہ کے گود میں پہنچا دیا۔

اے وہ ذات جس نے دہکتی ہوئی آگ کو ابراہیم علیہ السلام کے لئے ٹھنڈک اور سلامتی کا ذریعہ بنا دیا۔

اے وہ ذات جو جب دینے پر آتی ہے تو دنیا کی بڑی سے بڑی چیز کوئی معنی نہیں رکھتی ہے۔ وغیرہ۔

اللہ پاک کا نام "الرب" جل جلالہ

☆ جس شخص کو اللہ پاک کے نام "الرب" کی فہم حاصل ہو گئی اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی پرورش و اصلاح کیسے کرتا ہے، جس نے اسے جان لیا تو زندگی کے بارے میں اس کی فکر و نظر میں انقلابی تبدیلی پیدا ہو جائے گی۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی جس طرح پرورش و اصلاح کرتا ہے دنیا میں اس کی کوئی نظیر موجود نہیں ہے۔ یہ تربیت آپ کو کتابوں اور نصابوں میں بھی کہیں نہیں ملے گی، آپ اللہ کے اسماء و صفات کی فہم حاصل کرنے کے بعد ہی اس تربیت کا سراغ پا سکتے ہیں۔

☆ اللہ پاک کا نام "الرب" قرآن مجید میں بکثرت آیا ہے جس کی تعداد تقریباً ایک سو اکاون ہے۔

☆ "الرب" تین معانی کے لئے استعمال ہوتا ہے:

1۔ السید بمعنی سردار و آقا

2۔ المصلح بمعنی اصلاح کرنے والا

3۔ المالک بمعنی ملکیت رکھنے والا

☆ لفظ "السید" حدیث نبوی میں بھی استعمال ہوا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "تم منافق کو سید نہ کہو، اس لئے کہ سید اللہ پاک کی ذات ہے۔

☆ "المصلح" کا معنی اس طور پر نکلتا ہے کہ عربی میں کہا جاتا ہے: رَبَّ الشيءَ أي أصلحه اس نے فلاں چیز کی اصلاح کی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَلَٰكِن كُونُوا۟ رَبَّٰنِيِّـۧنَ بِمَا كُنتُمْ تُعَلِّمُونَ ٱلْكِتَٰبَ وَبِمَا كُنتُمْ تَدْرُسُونَ﴾ [سورة آل عمران:79].

(ترجمہ: تم سب رب کے ہو جاؤ تمہارے کتاب سکھانے کے باعث اور تمہارے کتاب پڑھنے کے سبب)

الربانیۃ کے معنی ہیں اصلاح اور ربانیوں سے مراد وہ لوگ ہیں جو علم و حکمت کے ذریعہ لوگوں کی اصلاح کرتے ہیں۔

☆ المالک: اسی معنی میں عبد المطلب کا یہ قول ہے "أنا رب الإبل و للبيت ربّ يحميه" (میں اونٹوں کا مالک ہوں، خانہ کعبہ کا مالک کوئی اور ہے، وہی اس کی حفاظت کرے گا۔)

اللہ عزوجل کے حق میں "الرب" کے معنی ہیں: اللہ مخلوقات کا مالک، ان کا آقا، ان کا مربی اور ان کا مصلح ہے۔

پرورش دو طرح کی ہوتی ہے:

1۔ عام پرورش

2۔ خاص پرورش

عام پرورش

اس پرورش میں ساری مخلوقات شامل ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہی نے ساری مخلوق کو پیدا کیا، ان کی مدد کی اور ان کی ذاتی، جسمانی اور معاشی امور کی تدبیر کی۔

سورج مومن و کافر سب کو روشنی دیتا ہے، بارش اللہ کی عبادت کرنے والوں اور بتوں کے پجاریوں سب کے لئے برستی ہے، کھلی ہوا میں لا إله إلّا الله کہنے والے اور نہ کہنے والے سب سانس لیتے ہیں۔ یہ ساری نعمتیں اللہ تعالیٰ کی نوازش اور عطا ہیں۔ یہ سب عطائے ربوبیت ہے۔

یہ ربوبیت تخلیق، ملکیت، تدبیر اور علم پر قائم ہے۔

اللہ تعالیٰ کی ربوبیت اس کی وسیع ترین رحمت پر مبنی ہے جس سے ساری مخلوق مستفید ہوتی ہے اور اللہ کے سارے بندے اس کے دائرہ میں آجاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا نام نامی "الرحمٰن" اس پر

دلالت کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ﴾ (ترجمہ: میری رحمت ہر چیز کو محیط ہے) دوسری جگہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ٱلرَّحْمَٰنُ ۝١ عَلَّمَ ٱلْقُرْءَانَ ۝٢ خَلَقَ ٱلْإِنسَٰنَ ۝٣ عَلَّمَهُ ٱلْبَيَانَ ۝٤﴾ [سورة الرحمن: 1-4].

(ترجمہ: رحمٰن نے قرآن سکھایا، اسی نے انسان کو پیدا کیا اور اسے بولنا سکھایا)

اللہ تعالیٰ کے ذریعہ مخلوق کی یہ پرورش، پیدا کرنے، روزی دینے اور معاملات کی تدبیر کرنے کے ذریعہ انجام پاتی ہے۔ اور اس سے اس کا کوئی بندہ محروم نہیں ہوتا ہے۔

خاص پرورش

اس سے مراد اللہ کے خاص بندوں کی پرورش ہے، اس کے ذریعہ وہ ان کے دلوں، روحوں اور اعمال کی اصلاح کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں ایمان کی غذا فراہم کرتا ہے، انہیں تاریکیوں سے روشنی کی طرف لے جاتا ہے، ان کے لئے ہر خیر کی راہ آسان کر دیتا ہے اور ہر قسم کے شر سے ان کی حفاظت فرماتا ہے۔ اسی لئے اللہ کے خاص بندوں کی اکثر دعائیں اس کے اس جلیل الشان نام "رب" کے ذریعہ ہوتی ہیں۔ وہ اپنی ہر دعا کو "ربنا" سے شروع کرتے ہیں اور اس کے ذریعہ اسی خصوصی پرورش کے لئے سوال کرتے ہیں۔ 1؎ آپ قرآن مجید میں انبیائے کرام کی دعاؤں پر غور کیجئے اور سورۃ البقرۃ اور سورۃ آل عمران کے آخر میں وارد ہونے والی دعاؤں پر غور کیجئے۔

ان دعاؤں میں اگر کسی لفظ کی تکرار ہے تو وہ ربنا، ربنا، ربنا ہے۔ کہیں پر آیا ہے "يا رب ربّنا بالإيمان" (اے رب! ایمان کے ذریعہ ہماری پرورش کیجئے) کہیں آیا ہے: "ربّنا بما جاء في كتبك" (اے رب! تیری نازل کردہ کتابوں میں جو کچھ آیا ہے ہم اس کے واسطے سے تجھ سے سوال کرتے ہیں) کہیں آیا ہے

1؎ أسماء اللہ الحسنیٰ جلالھا ولطائف اقترانھا، ص(۳۷) معمولی حذف واضافہ کے ساتھ

"ربنا بما أرسلت به رُسُلَكَ" (اے رب! تو نے اپنے رسولوں کو جن احکام و تعلیمات کے ساتھ بھیجا ہے ہم اس کے واسطے سے سوال کرتے ہیں) کہیں پر ہے "یا ربّ ثبتنا" (اے رب! ہمیں ثابت قدم رکھ) کہیں آیا ہے: "یا رب اهدنا" (اے رب! ہمیں ہدایت عطا کیجئے) کہیں پر ہے "یا رب أصلِحنا" (اے رب! ہماری اصلاح فرما دیجئے)

یہ ساری دعائیں اسی خاص قسم کی پرورش کے لئے ہیں تاکہ اللہ تعالیٰ انہیں درجہ بدرجہ ترقی عطا فرمائے اور انہیں تقصیر کی حالت سے کمال کی طرف منتقل کر دے۔

اللہ تعالیٰ کے ذریعہ بندوں کی تربیت کا طریقہ:

1۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو محروم کر کے بھی تربیت کرتا ہے اور عطا کر کے بھی ان کی تربیت کرتا ہے۔ (ہم تمہیں شر کے ذریعہ آزماتے ہیں اور کبھی خیر بھی آزمائش ہوتی ہے۔)

درد و الم کے ذریعہ بھی ہماری تربیت کی جاتی ہے، کسی چیز کو کھو دینے کے ذریعہ بھی ہماری تربیت ہوتی ہے، بیماری کے ذریعہ بھی ہماری تربیت ہوتی ہے، غم میں مبتلا کر کے بھی ہماری تربیت کی جاتی ہے، تنگی و کشادگی کے ذریعہ بھی ہماری تربیت کی جاتی ہے، کسی چیز کے حاصل ہونے میں تقدیم و تاخیر کے ذریعہ بھی ہماری تربیت کی جاتی ہے، اسی طرح اقبال مندی، شکست و ناکامی و زوال اور نعمتوں سے محرومی اور ان کے حصول سب کے ذریعہ ہماری تربیت ہوتی ہے۔

اللہ پاک کے ذریعہ ہماری تربیت کی یہ مختلف شکلیں ہیں۔

2۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی تربیت ان کے لئے متعین کی گئی تقدیروں کے ذریعہ بھی کرتا ہے، چاہے یہ تقدیر بظاہر کتنی ہی زیادہ المناک، پر مشقت اور سخت کیوں نہ نظر آتی ہوں اور چاہے اس کی وجہ سے انسان کا کتنا ہی قیمتی سرمایہ ہاتھ سے نکل گیا ہو اور چاہے اس کی وجہ سے کتنی بڑی محرومی ہی کیوں نہ ہاتھ لگی ہو، لیکن اس سے بندے کے اتنے زیادہ مفادات وابستہ ہوتے ہیں کہ وہ ان کا تصور بھی

نہیں کر سکتے ہیں۔

اس خاص قسم کی تربیت میں بھی رحمت ہی کی صورت ہوتی ہے، ایسی رحمت جس میں اللہ پاک کا لطف و کرم شامل ہوتا ہے۔ بندے کو اس سے خیر ہی حاصل ہوتا ہے لیکن وہ سمجھ نہیں پاتا کہ یہ اس کے حق میں خیر ہے۔

ہمارے لئے اس معاملہ کو سمجھنا اس لئے مشکل ہو جاتا ہے کہ ہمارے ذہنوں میں یہ بات بیٹھی ہوئی ہے کہ رحمت سے مراد عطا و بخشش اور انعام اور تسلسل کے ساتھ نعمتوں کا حصول ہے جبکہ حقیقت یہ ہے کہ بندہ پر اللہ کی رحمت کی مختلف نوعیتیں ہیں۔ کبھی اللہ تعالیٰ بندے کو عطا کر کے اس پر رحم کرتا ہے اور کبھی اسے آزمائش میں مبتلا کر کے اس پر رحم کرتا ہے۔ اللہ پاک کی ذات حکمت والی اور دانا ہے، اس کا کوئی بھی کام بے کار و بے مقصد نہیں ہے اور اس کی متعین کردہ کوئی تقدیر بے فائدہ نہیں ہے۔

اللہ پاک نے کتنے ہی انسانوں کو ان لذتوں اور آرزوؤں سے محروم رکھا ہے جن کے وہ متمنی ہوتے ہیں، لیکن اس انسان کو یہ معلوم نہیں ہوتا کہ اللہ نے اس سے محروم کر کے اس کے درجات کو بلند کیا ہے۔ کتنے ایسے لوگ ہیں جنہیں ان کی محبوب و پسندیدہ چیزوں سے محروم رکھا گیا ہے لیکن اس بندہ کو یہ معلوم نہیں کہ اللہ نے اس کی اصلاح قلب کی خاطر اس کے ساتھ یہ معاملہ کیا ہے۔ بہت سے ایسے لوگ ہیں جنہیں ان کی جان، ان کے جسم اور اہل عیال کے تعلق سے آزمائش میں ڈالا گیا ہے اور یہ آزمائش ان کے لئے دین پر استقامت کا اور رب تعالیٰ کی طرف رجوع کا سبب بنی ہے۔ نیز ان کے اصلاح حال، نیکیوں میں اضافے اور گناہوں کی معافی کا سبب بنی ہے۔ یہ ہے اللہ پاک کا لطف و کرم۔ وہ ارشاد فرماتا ہے: ﴿اَللّٰهُ لَطِيفٌۢ بِعِبَادِهٖ﴾ (اللہ اپنے بندوں پر لطف و کرم کرنے والا ہے)

3۔ اگر آپ اللہ تعالیٰ کے مختلف انداز کو سمجھنا چاہتے ہیں تو آپ اس حقیقت کو کبھی فراموش نہ کریں کہ مومن بندوں کو لامحالہ آزمائش سے گزرنا ہے۔ یہ کائنات کے لئے اللہ کی

سنت اور اس کا اختیار کردہ طریقہ ہے۔ اس کا ارشاد ہے: ﴿الٓمٓ ۝١ أَحَسِبَ ٱلنَّاسُ أَن يُتْرَكُوٓاْ أَن يَقُولُوٓاْ ءَامَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُونَ ۝٢﴾ [سورة العنكبوت: 1-2].

(ترجمہ: الم، کیا لوگوں نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ ان کے صرف اس دعوے پر کہ ہم ایمان لائے ہیں ہم انہیں بغیر آزمائے ہوئے ہی چھوڑ دیں گے)

ہلکی پھلکی آزمائش جو آتی ہے اور فوراً ہی گزر جاتی ہے، اس کا اعتبار نہیں ہے، بلکہ اعتبار اس کا ہے کہ آزمائش بار بار آئے اور انسان بار بار آزمائش کے منجدھار میں ہچکولے کھائے، یہاں تک کہ وہ آزمائشوں سے گزر کر کندن بن جائے۔ جس طرح اصلی سونا کی پرکھ آگ میں تپا کر کی جاتی ہے اسی طرح بندہ نیک ہے یا نہیں اس کی جانچ آزمائش کے ذریعہ ہوتی ہے۔

اللہ پاک جب کسی بندہ کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے تو اسے دنیا کی الجھنوں اور آزمائش کے تھپیڑے لگاتا ہے تاکہ اس بات کا پتہ لگ جائے کہ بندہ ہر حال میں اللہ کی رسی کو مضبوطی کے ساتھ تھامنے والا ہے یا نہیں۔

آپ اسے اچھی طرح سمجھنے کے لئے موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ پر غور کیجئے:

اللہ تعالیٰ کے ان فیصلوں پر غور کیجئے جن کی وجہ سے موسیٰ علیہ السلام پیدائش کے بعد ہی سے کئی طرح کے حالات سے دوچار ہوئے۔

سب سے پہلے وہ اپنی والدہ سے جدا ہوئے جبکہ ابھی وہ ایک دودھ پیتے ہوئے بچہ تھے، اس چھوٹی سی عمر میں ان کو دریا میں ڈال دیا گیا جہاں ان کے ہلاک ہونے کا پورا اندیشہ تھا، تاہم وہ ان کے لئے اللہ کے حکم سے نجات کا ذریعہ بن گیا۔ اللہ تعالیٰ نے سمندر کو حکم دیا کہ وہ انہیں فرعون کے محل کے قریب ساحل پر ڈال دے تاکہ موسیٰ علیہ السلام زندہ رہیں حالانکہ فرعون نے بنی اسرائیل کے مذکر بچوں کو مار ڈالنے کی مہم چھیڑ رکھی تھی، اس لئے کہ اسے اپنے ملک اور اقتدار کے ہاتھ سے نکل جانے کا خطرہ

تھا۔ اللہ تعالیٰ جب کسی بات کا ارادہ کر لیتا ہے تو اس کے اسباب پیدا فرما دیتا ہے۔

جب اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو زندہ رکھنے کا ارادہ کر لیا تو زوجۂ فرعون کے دل میں ان کی محبت ڈال دی۔ وہ اپنے شوہر سے کہنے لگی: "قرة عين لي و لك" (یہ ہمارے اور آپ کے آنکھوں کی ٹھنڈک بنے گا)

انسان کا دل اللہ کی مخلوق اور اس کے لشکر کا ایک سپاہی ہے۔ دل اللہ کے حکم کی تعمیل کا پابند ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مشیئت سے موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے محل میں پرورش پائی۔ جب وہ جوان ہوئے تو ان کے ہاتھوں ایک قبطی کے قتل کا واقعہ پیش آگیا جو اہل مصر میں سے تھا۔ اس کے بعد موسیٰ علیہ السلام قتل کے انجام سے خوفزدہ ہو کر مصر سے بھاگ کھڑے ہوئے، انہیں اپنی منزل کا بھی پتہ نہیں تھا، اس لئے کہ انہوں نے اس سے پہلے کبھی مصر سے باہر قدم نہیں رکھا تھا۔

موسیٰ علیہ السلام مصر سے بھاگ کر مدین پہنچے جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ وہی علاقہ ہے جسے آج تبوک کہا جاتا ہے۔ انہوں نے مصر سے مدین تک کا سفر جس حالت میں کیا وہ حیرت انگیز ہے۔ وہ مصر سے مدین تک تقریباً ایک ہزار کیلو میٹر ننگے پاؤں اور پیدل چلے، سفر میں کوئی بھی ان کے ساتھ نہیں تھا، دوران سفر درخت کے پتے کھاتے رہے۔ مدین میں پانی کے گھاٹ پر پہنچے اور دو عورتوں کے جانوروں کو پانی پلا دیا۔ مدین میں دس سال تک ان دونوں عورتوں کے والد کی بکریاں چرانے اور ان کے دیگر کاموں کو انجام دینے پر مامور رہے۔ پھر مدین سے اپنی اہلیہ کے ساتھ ایک نہایت سرد اور تاریک رات میں مصر کے لئے روانہ ہوئے، پھر اللہ کی مشیئت سے راستہ بھٹک گئے۔ اسی دوران انہیں آگ نظر آئی جس سے انہیں انسیت کا احساس ہوا، کیونکہ اس تاریک رات میں چلتے ہوئے انہیں خوف اور وحشت کا بھی احساس ہو رہا تھا، ﴿فَقَالَ لِأَهْلِهِ ٱمْكُثُوٓا۟ إِنِّىٓ ءَانَسْتُ نَارًا لَّعَلِّىٓ ءَاتِيكُم مِّنْهَا بِقَبَسٍ﴾ (تو انہوں نے اپنی اہلیہ سے کہا، تم یہیں پر رکو، آگ کو دیکھ کر مجھے انسیت کا احساس ہوا ہے، ممکن ہے میں تمہارے لئے اس کا کوئی شعلہ لے کر آجاؤں) جس سے تم اس سرد رات میں گرمی حاصل کر

سکو یا ممکن ہے کہ آگ کے پاس کوئی انسان مل جائے جو صحیح راستہ کی طرف ہماری رہنمائی کر دے۔ جب موسیٰ علیہ السلام آگ کے پاس پہنچے تو وہاں کیا پایا؟

وہاں انہیں ایک آواز سنائی دی کہ اے موسیٰ! میں تمہارا رب ہوں۔

غور کیجئے۔۔۔

ایک بندہ۔۔۔ مخلوق۔۔۔ کمزور انسان۔۔۔ ایک نہایت سرد اور تاریک رات میں دوران سفر راستہ بھٹک گیا۔۔۔ آگ کی تلاش میں گیا تاکہ اس سے گرمی حاصل کر سکے۔۔۔ جب واپس آیا تو مقام کلیمی سے سرفراز ہو چکا تھا!!!

موسیٰ علیہ السلام تقدیروں اور آزمائشوں سے گزرنے کے بعد کیسے بلند مقام پر فائز ہوئے۔۔۔ کیسی عظیم الشان نعمت سے بہرہ ور ہوئے۔

4۔ آپ یہ بات بھی جان لیں کہ اللہ تعالیٰ جب آپ کو کوئی مقام و مرتبہ عطا کرنا چاہتا ہے تو وہ آپ کو پہلے اس کی اہلیت عطا کر دیتا ہے اور وہ مقام و مرتبہ جتنا بلند اور اعلیٰ ہوتا ہے اس کے لئے ویسی ہی بڑی آزمائش سے گزرنا پڑتا ہے۔

اس کے لئے آپ ابوالانبیاء اور اللہ کے مخلص بندوں کے سردار ابراہیم علیہ السلام کی مثال کو اپنے سامنے رکھئے۔ اللہ تعالیٰ نے صاحب قلب منیب کہہ کر ان کی تعریف کی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿إِنَّ إِبْرَٰهِيمَ لَحَلِيمٌ أَوَّٰهٌ مُّنِيبٌ ﴿٧٥﴾﴾ [سورة هود:75].

(ترجمہ: یقیناً ابراہیم بہت تحمل والے، نرم دل اور اللہ کی جانب جھکنے والے تھے)

ابراہیم علیہ السلام کا دل نرمی و مہربانی اور لطف و کرم سے بھرا ہوا تھا۔ انہوں نے ایسا مہربان دل پایا تھا کہ کوئی انسان ان کے لطف و کرم سے محروم نہیں ہو سکتا تھا۔ یہ ان کا غایت درجہ رحم و کرم کا جذبہ ہی

تھا جس کی بناء پر وہ قوم لوط کو عذاب دینے والے فرشتوں کا ہاتھ پکڑنے کے لئے تقریباً تیار ہی ہو گئے تھے۔

ابراہیم علیہ السلام کی آزمائش کیسے ہوئی؟

اللہ تعالیٰ کا حکم ہوا کہ تم اپنے بیٹے کو ذبح کر دو۔۔۔یہ بیٹا بھی کون سا تھا؟ ایسا بیٹا جو بڑھاپے میں حاصل ہوا تھا۔۔۔اللہ تعالیٰ کے سامنے بہت رونے گڑگڑانے اور دعاوالحاح کے بعد ملا تھا جس کے لئے وہ برسوں سے مشتاق اور خواہشمند تھے۔وہ بیٹا جب جوان ہو گیا اور باپ کے دل میں اس کی شدید محبت جوش مارنے لگی اور باپ کا دل پوری طرح اس سے لگ گیا تو یہ سخت ترین آزمائش درپیش ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے بھی اسے ﴿إِنَّ هَٰذَا لَهُوَ ٱلْبَلَٰٓؤُا۟ ٱلْمُبِينُ﴾ کہہ کر کھلی آزمائش قرار دیا۔اس آزمائش میں ابراہیم علیہ السلام کی طرف سے سچائی اور اخلاص کا زبردست مظاہرہ ہوا۔جب انہوں نے اپنے رب کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا اور اس کے حکم کے آگے سر جھکا دیا اور اللہ کے امتحان میں سرخرو اور کامیاب ہو گئے تب اللہ کی طرف سے ان کے پاس یہ خوشخبری آئی:﴿ وَفَدَيْنَٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيمٍ ﴿١٠٧﴾ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِى ٱلْءَاخِرِينَ ﴿١٠٨﴾ سَلَٰمٌ عَلَىٰٓ إِبْرَٰهِيمَ ﴿١٠٩﴾ كَذَٰلِكَ نَجْزِى ٱلْمُحْسِنِينَ ﴿١١٠﴾ إِنَّهُۥ مِنْ عِبَادِنَا ٱلْمُؤْمِنِينَ ﴿١١١﴾ وَبَشَّرْنَٰهُ بِإِسْحَٰقَ نَبِيًّا مِّنَ ٱلصَّٰلِحِينَ ﴿١١٢﴾﴾ [سورۃ الصافات:107-112].

(ترجمہ:اور ہم نے ایک بڑا ذبیحہ اس کے فدیہ میں دے دیا اور ہم نے ان کا ذکر خیر پچھلوں میں باقی رکھا، ابراہیم پر سلام ہو۔ ہم نیکوکاروں کو اسی طرح بدلہ دیتے ہیں، بے شک وہ ہمارے ایمان دار بندوں میں سے تھا اور ہم نے اس کو اسحاق (علیہ السلام) نبی کی بشارت دی جو صالح لوگوں میں سے ہو گا۔)

ابراہیم علیہ السلام بجاطور پر خلیل الرحمٰن کہلانے کے مستحق ہیں۔ وہ مقام خلیلیت کے بجاطور پر حقدار ہیں۔

☆ حدیبیہ کے موقع سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے ساتھ جو کچھ پیش آیا، آپ اس پر غور کیجئے۔ اللہ تعالیٰ نے جب یہ ارادہ کر لیا کہ اس کے آخری دین کو استحکام حاصل ہو اور لوگ اس دین میں فوج در فوج داخل ہو جائیں اور جب اللہ پاک نے اپنے آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اس عظیم مقام و مرتبہ پر فائز کرنے کا ارادہ کر لیا جو دنیا کے کسی بھی دوسرے انسان کے حصہ میں نہیں آیا۔ اس بلند مقام اور فضیلت کا تذکرہ اس آیت کریمہ میں آیا ہے "لیغفر لك ما تقدم من ذنبك و ما تأخر" (تاکہ اللہ تعالیٰ آپ کے اگلے پچھلے سارے گناہ معاف کر دے)

اللہ تعالیٰ نے جب مسلمانوں کو دوسرے دنیوی فوائد و منافع سے نوازنے کا تہیہ کر لیا جو اپنے آپ میں صرف عمرہ کی غرض سے مکہ میں داخل ہونے سے بڑھ کر تھا۔ جب اللہ تعالیٰ نے ان تمام نوازشات اور مرتبوں کا مسلمانوں کے حق میں فیصلہ کر لیا تو اس نے مسلمانوں کے حق میں اپنے فیصلے اور تقدیر کو جاری کر دیا۔ صلح حدیبیہ ظاہر میں مسلمانوں کو آزمائش اور بہت سخت بلاء محسوس ہوئی جس کی وجہ سے وہ غمگین ہوئے اور انہیں درد و الم کا احساس بھی ہوا، دب کر صلح کرنے کی وجہ سے بظاہر انہیں ذلت و اہانت سے گزرنا پڑا اور لگا کہ مشرکین کو ان پر غلبہ حاصل ہو گیا ہے، لیکن جب انہوں نے اس پر صبر کر لیا، اللہ کے فیصلے کے سامنے جھک گئے اور اس کی تقدیر سے راضی ہو گئے تو ان پر اللہ کی نعمتوں کا دروازہ کھل گیا اور اس کا ایک لامتناہی سلسلہ جاری و ساری ہو گیا۔

جو شخص بھی اللہ تعالیٰ کی تربیت کو قبول کرتا ہے اور اس کی لکھی ہوئی تقدیر پر راضی رہتا ہے، اس پر اللہ کی نعمتوں کی بارش ہوتی ہے۔

☆ جب آپ اللہ پاک کی تربیت سے راضی و خوش ہوں تو آپ کے لئے ایک اہم بات کو سمجھ لینا بہت ضروری ہے:

وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ جب اپنی حکمت سے آپ کے لئے کسی راستہ کو بند کر دیتا ہے تو وہ اپنی رحمت سے آپ کے لئے ایک دوسرا راستہ کھول بھی دیتا ہے جو آپ کے لئے زیادہ سود مند ہوتا ہے۔

ابن قیم رحمہ اللہ کا قول ہے: آپ اس پر غور کریں کہ بچہ جب رحم مادر میں ہوتا ہے تو اس وقت اس کی غذا پہنچنے کا صرف ایک راستہ ہوتا ہے اور وہ ناف کا راستہ ہے جس سے جنین کو غذا فراہم کی جاتی ہے۔ جب وہ پیدائش کے بعد دنیا میں اپنی آنکھیں کھولتا ہے تو حصول غذاء کا وہ راستہ بند ہو جاتا ہے، لیکن اب اللہ تعالیٰ اس کے لئے رزق کے دو راستے کھول دیتا ہے اور ان دو راستوں کے ذریعہ اسے ایسا رزق فراہم کرتا ہے جو پہلے حاصل ہونے والے رزق سے زیادہ پاکیزہ اور لذیذ ہوتا ہے، یعنی ماں کا خالص و لذیذ دودھ جس سے وہ پرورش پاتا ہے۔ پھر مدت رضاعت مکمل ہونے کے بعد دودھ چھوڑنے کی وجہ سے رزق کے یہ دونوں راستے بھی بند ہو جاتے ہیں۔ اب اللہ تعالیٰ اس کے لئے رزق کے چار راستے کھول دیتا ہے، یعنی دو وقت کھانے کی چیزیں اور دونوں وقت پینے کی چیزیں۔ اور جب اس کا انتقال ہو جاتا ہے تو کھانے پینے کے یہ چاروں راستے بھی بند ہو جاتے ہیں۔ اب اگر وہ وفات پانے والا نیک بندہ ہے تو اس کے لئے آٹھ دروازے کھول دیئے جاتے ہیں، یہ جنت کے آٹھ دروازے ہیں، ان میں سے جس دروازہ سے چاہے جنت میں داخل ہو جائے گا اور اس کی لامتناہی نعمتوں سے مستفید ہوتا رہے گا۔

6۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندہ کی تربیت اس طرح بھی کرتا ہے کہ انہیں اپنی آیات سے سامنا کرتا ہے۔ اس کی وہ آیات تنبیہ اور تخویف کے طور پر ہوتی ہیں۔ ان نشانیوں کو بھیج کر بندے کو اپنی طرف متوجہ کرنا چاہتا ہے اور انہیں چوکنا کرتا ہے کہ وہ خواب غفلت سے جاگیں، ہوش میں آئیں اور اپنی اصلاح کریں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَمَا نُرْسِلُ بِٱلْـَٔايَـٰتِ إِلَّا تَخْوِيفًا﴾ (ہم اپنی آیات بندوں کو ڈرانے کے لئے بھیجتے ہیں)

اللہ تعالیٰ کی طرف سے ڈرانے کا عمل کبھی اپنے حالات پر غور و فکر کرنے کی توفیق عطا کر کے ہوتا ہے۔ اس حالت سے بندہ ڈرتا ہے، یہ صورتحال اس کا پیچھا کرتی رہتی ہے اور اسے ملامت و سرزنش کرتی

ہے، گویا اس سے کہہ رہی ہو کہ تم گنہگار ہو، اپنے گناہوں سے توبہ کرو۔

اللہ تعالیٰ اپنی نشانیوں سے کبھی اس طرح سامنا کراتا ہے کہ بندے کے دل پر خوف طاری کر دیتا ہے تاکہ وہ میری پکار کو سنے، مجھ سے شفایابی مانگے اور مجھے پہچاننے کی کوشش کرے۔ ایک پریشان کن خوف بندے کے دل پر طاری کر دیتا ہے تاکہ بندہ غفلت سے جاگے۔

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بندہ کو بحران میں مبتلا کرتا ہے تاکہ اس کی تلخی کا مزہ چکھے، حالات سے خوف کھائے، زندگی کے تکدر کو محسوس کرے اور ناموافق حالات اسے اندر سے ہلا کے رکھ دے۔ پھر اللہ تعالیٰ اپنے لطف و مہربانی کے ذریعہ بندے کو ان سخت حالات سے باہر نکال دیتا ہے تاکہ بندہ یہ جان لے کہ اللہ اس پر قادر ہے، وہ اللہ کو عاجز نہیں کر سکتا، لیکن وہ بندے کو مہلت دیتا ہے اور اسے بار بار سنبھلنے کا موقع دیتا ہے۔

کبھی اللہ پاک کی یہ تربیت آسانی کی جگہوں پر تنگی دے کر ہوتی ہے یا ہمارے آس پاس جو لوگ ہوتے ہیں ان کے حالات کو تبدیل کر کے ہوتی ہے۔ چنانچہ جو لوگ دینے والے تھے وہ اپنا ہاتھ روک لیتے ہیں، جو نرمی کرنے والے تھے وہ سخت بن جاتے ہیں اور اذیت دینے لگتے ہیں یا کسی کو اللہ تعالیٰ مسلط ہی کر دیتا ہے۔ ایسے مواقع پر ہم میں سے بیشتر لوگ انسانوں ہی کو برا بھلا کہنے لگتے ہیں اور ہم یہ بھول جاتے ہیں کہ یہ سب کچھ ہماری اپنی کوتاہی کی وجہ سے ہوا ہے۔ یا تو اللہ پاک کے کسی حق کو ادا کرنے میں ہم سے کوتاہی ہوئی ہے یا پھر انسان کے عائد ہونے والے حق کی ادائیگی میں ہم نے کوتاہی کی ہے۔ جو بدل جاتا ہے اللہ اس کے حالات کو بدل دیتا ہے اور جو پلٹ جاتا ہے اللہ اس کے حال کو پلٹ دیتا ہے۔

کبھی اللہ پاک کی تربیت اس طرح ہوتی ہے کہ انسان کی زندگی میں ایسے حادثات پیش آتے ہیں جو اسے اپنی ہی نگاہ میں بے نقاب کر دیتے ہیں، اس کے دل میں جو فساد اور گندگی تھی اسے عیاں کر دیتے ہیں، کیونکہ برتن کے اندر جو کچھ ہوتا ہے وہی چھلک کر باہر آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿أَمْ حَسِبَ ٱلَّذِينَ فِى قُلُوبِهِم مَّرَضٌ أَن لَّن يُخْرِجَ ٱللَّهُ أَضْغَٰنَهُمْ﴾ (جن کے دلوں میں مرض

ہے کیا ان لوگوں نے یہ سمجھ لیا کہ اللہ ان کے دلوں کی آلائشوں کو باہر نہیں نکالے گا)

7۔ بندہ یہ کیسے سمجھے گا کہ گناہ کے بعد یہ سزا اللہ کی تربیت کا حصہ ہے اور اللہ کا یہ لطف و کرم بھی اس کی تربیت کا حصہ ہے؟

پہلی بات: بندہ کو یقینی طور پر جان لینا چاہیے کہ اس کے رب نے اس پر ظلم نہیں کیا ہے، بلکہ اللہ سبحانہ کی ذات صحیح فیصلہ کرنے والی اور عدل و انصاف کرنے والی ہے۔ وہ ہر قسم کے عیوب، نقائص اور ظلم سے پاک ہے، اس نے بندہ کے ساتھ انصاف کا معاملہ کیا ہے۔ وہ اپنے گناہ کی وجہ سے اس کا مستحق تھا جو اس کے ساتھ پیش آیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ وَمَآ أَصَٰبَكُم مِّن مُّصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ وَيَعْفُواْ عَن كَثِيرٍ ﴾ (تم پر جو مصیبت آئی ہے وہ تمہارے اپنے ہاتھوں کی کمائی ہے اور بہت سی کوتاہیاں تو وہ معاف کر دیتا ہے)

دوسری بات: اس کی حکمت اس کے عدل و انصاف میں عیاں ہے۔ اللہ تعالیٰ بندہ کو ایسی سزا سے دوچار کرتا ہے جو اس کے لئے نفع بخش ہوتی ہے، جو اسے گناہ سے پاک کر دیتی ہے اور جس سے اس کے احوال درست ہو کر راہ راست پر آجاتے ہیں۔ بندہ کو چاہیے کہ وہ اللہ کی سزا کو اپنے لئے رحمت تصور کرے۔ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ بندہ کا بھلا ہی چاہتا ہے۔

تیسری بات: بندہ اللہ تعالیٰ کی تربیت کو بہر صورت قبول کرے یعنی اسے مثبت طور پر لے، تقدیر کو صرف ایک زاویۂ نگاہ سے نہ دیکھے، یعنی اسے صرف سزا اور تکلیف کے طور پر نہ لے، بلکہ اس میں کئی طرح کی حکمتیں تلاش کرنے کی کوشش کرے۔ اگرچہ وہ تربیت بظاہر سزا نظر آتی ہو لیکن وہ اس میں اللہ تعالیٰ کے لطف و کرم اور اس کی رحمت کے پہلو کو تلاش کرنے کی کوشش کرے کہ اللہ نے اس آزمائش کے ذریعہ اسے بہت طرح کے فضائل سے بھی نواز دیا ہے۔ اسے یہ احساس ہو کہ یہ اگرچہ بظاہر آزمائش ہے لیکن اللہ نے اس کے ذریعہ اسے گناہوں سے پاک صاف کرنے اور آخرت میں عزت و سربلندی عطا کرنے کا ارادہ کیا ہے، اب وہ جب آخرت میں قدم رکھے گا تو اس پر کوئی گناہ نہیں

ہو گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "کچھ مومن مرد اور عورت اپنی جان و مال اور آل و اولاد میں مسلسل آزمائش میں مبتلا رہتے ہیں، یہاں تک کہ جب وہ مرنے کے بعد اللہ سے ملاقات کرتے ہیں تو ان پر کوئی گناہ نہیں ہوتا۔ 1

ایسے مومن بندے کو اس بات کے لئے اللہ پاک کی حمد و ثنا بیان کرنی چاہیے کہ اس نے اس کے گناہوں کی سزا دنیا ہی میں دے دی اور اسے آخرت کے لئے مؤخر نہیں کیا۔ دنیا کا عذاب آخرت کے عذاب کے مقابلہ میں آسان ہے، بلکہ ان دونوں کے درمیان موازنہ ہی نہیں کیا جا سکتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "اللہ تعالیٰ جب بندہ کے ساتھ خیر کا ارادہ کرتا ہے تو اسے دنیا ہی میں گناہوں کی سزا دے دیتا ہے۔ اور جب اللہ بندہ کے ساتھ شر کا ارادہ رکھتا ہے تو اس کے گناہوں کو آخرت کے لئے باقی رکھتا ہے جس کی سزا اسے قیامت کے دن دے گا۔" 2

آپ جب اللہ پاک کی تربیت کو اس طرح قبول کریں گے جیسا کہ بیان کیا گیا تو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کے اثرات اور اپنے لطف و کرم کی نشانیاں آپ کو دکھا دے گا۔

چوتھی بات: جب بندہ بری تقدیر کو اپنے حق میں مصیبت سمجھ لیتا ہے تو وہ اس کے لئے مصیبت ہی بن جاتی ہے۔ یہ معاملہ انسان کی سوچ اور اس کے گمان کے مطابق چلتا ہے۔ مناوی رحمہ اللہ کہتے ہیں 3: اللہ تعالیٰ بندہ کے ساتھ اس کے گمان کے مطابق معاملہ کرتا ہے۔ جو بندہ اپنے رب کے ساتھ حسن ظن رکھتا ہے تو وہ بندہ کو اس کے خیال کے مطابق پورا اجر دیتا ہے۔ اور جو بدشگونی کی طرف مائل ہوتا اور بدظنی میں مبتلا ہو جاتا ہے تو وہ جلد ہی اللہ کی سزا سے دوچار ہوتا ہے اور اس کے حصہ میں مصیبت ہی آتی ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بندہ کے ساتھ میرا معاملہ اس کے گمان اور خیال کے مطابق

---

1 السلسلۃ الصحیحۃ، یہ روایت تمام سندوں کو جمع کرنے سے صحیح قرار پاتی ہے۔

2 صحیح سنن الترمذی (حسن صحیح ہے)

3 الجزاء من جنس العمل (۲۴۸)

ہے، اگر اچھا گمان رکھتا ہے تو اس کے ساتھ اچھا معاملہ ہوتا ہے اور اگر برا گمان رکھتا ہے تو اس کے ساتھ ویسا ہی معاملہ ہوتا ہے۔ اگر اس نے اچھا گمان کیا تو اسے خیر حاصل ہو گا اور اگر اس نے یہ گمان کیا کہ میں اس کے ساتھ برا معاملہ کر رہا ہوں تو اس کے ساتھ برا ہی معاملہ ہو گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ ایک دیہاتی کی عیادت کی، وہ بخار کی شدت کی وجہ سے تڑپ رہا تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے ساتھ اظہار ہمدردی کرتے ہوئے اور مرض کی شدت کو برداشت کرنے کے لئے اس کی ہمت افزائی کرتے ہوئے فرمایا: "طھور" یعنی اللہ نے چاہا تو یہ تکلیف گناہوں سے پاکی کا ذریعہ ثابت ہو گی، لیکن اس دیہاتی نے جواباً کہا: بلکہ یہ شدت بخار ہے جس کی تپش میں ایک معمر بوڑھا ابل رہا ہے اور لگتا ہے یہ اسے قبر میں پہنچا کے چھوڑے گی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر فرمایا: تب پھر یہ تمہارے گمان وخیال کے مطابق ہے۔

اللہ پاک کے نام "الرب" کی معرفت حاصل کرنے کے فوائد وبرکات

جس بندہ کو اللہ کے نام "الرب" کی معرفت حاصل ہو جاتی ہے اسے مندرجہ ذیل فوائد حاصل ہوتے ہیں:

1۔ وہ یہ جان لیتا ہے کہ حقیقت میں اللہ کے علاوہ کوئی پالنے اور تربیت کرنے والا نہیں ہے۔ اور رب جس طرح اپنی مخلوق کو پالتا اور اس کی تربیت کرتا ہے وہ کسی انسان کے بس کی بات نہیں ہے۔

2۔ وہ اپنے رب کے اس نام کی کچھ خصوصیات اپنے اندر پیدا کر لیتا ہے۔ چنانچہ جس کی پرورش اور تربیت اس کے ذمہ ہوتی ہے اسے احسن طریقہ سے انجام دینے کی کوشش کرتا ہے۔ اسے مرحلہ وار پروان چڑھاتا ہے اور اس کے مفادات کا خیال رکھتا ہے۔

3۔ وہ اپنے رب کی وحدانیت کو تسلیم کرنے والا ہوتا ہے اور اسے اس کے نام "الرب" ہی سے پکارتا ہے اور اسی کے ذریعہ اس سے دعا کرتا ہے۔ وہ اپنے رب سے اسی خاص تربیت کے حصول

کے لئے سوال کرتا ہے۔ قرآن مجید میں انبیائے کرام کی بیشتر دعائیں اللہ پاک کے نام "الرب" ہی کے ذریعہ وارد ہوئی ہیں۔

آدم اور حواء علیہما السلام نے دعا کی تھی: ﴿قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ أَنفُسَنَا وَإِن لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ ٱلْخَٰسِرِينَ﴾ (ان دونوں نے کہا: اے ہمارے رب! ہم نے اپنے آپ پر ظلم کیا ہے، اگر تو نے ہمارے گناہوں کو معاف نہ کیا تو ہم خسارہ اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے)

نوح علیہ السلام نے ان الفاظ میں دعا کی تھی: ﴿رَّبِّ ٱغْفِرْ لِى وَلِوَٰلِدَىَّ وَلِمَن دَخَلَ بَيْتِىَ مُؤْمِنًا وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَٱلْمُؤْمِنَٰتِ﴾ (اے میرے رب! تو مجھے، میرے والدین، ایمان کی حالت میں میرے گھر میں داخل ہونے والوں اور تمام مومن مردوں اور مومن عورتوں کے گناہ معاف کر دے)

ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام نے ان الفاظ میں دعا کی تھی: ﴿وَإِذْ يَرْفَعُ إِبْرَٰهِـۧمُ ٱلْقَوَاعِدَ مِنَ ٱلْبَيْتِ وَإِسْمَٰعِيلُ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّآ إِنَّكَ أَنتَ ٱلسَّمِيعُ ٱلْعَلِيمُ﴾ (جب ابراہیم اور اسماعیل خانہ کعبہ کی بنیاد اٹھا رہے تھے تو انہوں نے دعا کی: اے ہمارے رب! تو ہماری طرف سے اسے قبول فرما، بیشک تو سننے اور جاننے والا ہے۔)

عیسیٰ علیہ السلام نے ان الفاظ میں دعا کی تھی: ﴿قَالَ عِيسَى ٱبْنُ مَرْيَمَ ٱللَّهُمَّ رَبَّنَآ أَنزِلْ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ ٱلسَّمَآءِ﴾ (عیسیٰ ابن مریم نے دعا کی: اے اللہ ہمارے رب! تو ہمارے اوپر کھانے کا دستر خوان نازل فرما)

4۔ وہ یہ سمجھ لیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بطور نشانی بندہ کو ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف منتقل کرنے کا مقصد ایک طرف اسے توبہ و استغفار کی طرف متوجہ کرنا اور اللہ کی طرف رجوع کرنے پر آمادہ کرنا ہوتا ہے، دوسری طرف بندہ پر حجت تمام کرنا ہوتا ہے کہ اسے بار بار تنبیہ کی گئی۔ اور اللہ کے ہاتھوں وہی ہلاک ہوتا ہے جو اس کا مستحق ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا نام "الرحمٰن الرحیم" جل جلالہ

الرحمٰن اور الرحیم اللہ تعالیٰ کے دو نام ہیں، یہ دونوں رحمۃ سے مشتق ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: اللہ تعالیٰ نے کہا کہ میں رحمٰن ہوں، میں نے رحم (رشتہ داری) کو پیدا کیا اور اپنے نام ہی سے میں نے اس کا اشتقاق کیا۔ جس نے اسے جوڑا میں اسے جوڑتا ہوں اور جس نے اسے کاٹا میں نے اسے کاٹ دیا۔ [1]

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے: یہ دونوں اللہ تعالیٰ کے ایسے نام ہیں جن میں رقت پائی جاتی ہے۔ ان میں سے ایک میں دوسرے کے مقابلہ زیادہ رقت پائی جاتی ہے۔ یعنی ایک کے اندر رحمت کا مادہ دوسرے سے زیادہ ہے۔

الرحمۃ: یہ وہ صفت ہے جس سے اللہ پاک نے اپنے آپ کو متصف کیا ہے، اپنی اس صفت کے ساتھ وہ عرش پر مستوی ہوا اور اسے اپنے لئے لازم کر لیا، اس اعتبار سے یہ اللہ پاک کی سب سے اہم صفت ہے۔ اور اللہ پاک کا یہ نام جس میں رحمت کی یہ صفت پائی جاتی ہے، اس کے ناموں میں سب سے اہم نام ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی اس صفت رحمت کو اپنے دو ناموں کے درمیان تقسیم کر دیا ہے۔ ان میں پہلا نام "الرحمٰن" اور دوسرا "الرحیم" ہے۔ یہ تقسیم اس وجہ سے ہے کہ لوگ رحم کیے جانے کے معاملہ میں دو گروہوں میں تقسیم ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی رحمت وسیع و عریض ہے۔ ہر چیز اس کی رحمت سے مستفید ہوتی ہے، لیکن اسی کے ساتھ اللہ کی یہ رحمت بعض لوگوں تک پہنچتی ہے اور کچھ لوگ اس سے محروم رہتے ہیں۔ اس اعتبار سے اللہ کی رحمت کے دو پہلو ہیں:

---

[1] مسند احمد اور سنن ترمذی کی یہ صحیح روایت ہے۔

ایک وسعت و کشادگی اور شمولیت۔

دوسرے اس کا بندوں اور مخلوقات تک پہنچنا۔

اللہ تعالیٰ کے نام رحمٰن میں جو رحمت کا مادہ پایا جاتا ہے وہ بہت وسیع ہے اور یہ تمام مخلوقات کو محیط ہے۔ دنیا کا ہر انسان اور ہر جاندار دن رات اللہ کی اس رحمت کے سایہ میں جیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی اس رحمت کے دائرہ میں تمام مخلوقات داخل ہیں۔ اس میں انسان، جنات، مومن، کافر، جانور، چوپائے ساری مخلوق شامل ہیں۔ ایک گنہگار گناہوں کا ارتکاب کرتا ہے، اللہ کی نافرمانی میں ملوث ہوتا ہے اس کے باوجود اللہ کی رحمت اس پر سایہ فگن رہتی ہے۔ گناہ اور نافرمانی کے باوجود وہ عام انسانوں کی طرح سانس لیتا ہے اور عام لوگوں کی طرح ہی اس کے سارے جسمانی اعضاء گردے، جگر اور پھیپھڑے کام کرتے رہتے ہیں، اس لئے کہ اللہ کی رحمت اس کے شامل حال ہوتی ہے۔

جنین اپنی ماں کے پیٹ میں ایک بالکل تنگ و تاریک جگہ میں دنیا سے بالکل کٹا ہوا ہوتا ہے، وہاں اللہ کی رحمت اسے گھیرے ہوئے ہوتی ہے اور اسی وجہ سے وہاں بھی اسے غذا پہنچتی رہتی ہے۔

کوے کا چوزہ جب اپنے گھونسلہ میں انڈے سے باہر نکلتا ہے تو اس کے ماں باپ اسے چھوڑ دیتے ہیں اور اس سے اجنبیت برتتے ہیں، اس لئے کہ جب وہ انڈے سے باہر آتا ہے تو اس کی رنگت سیاہ کے بجائے سفید ہوتی ہے۔ کوؤں کی ذات برادری سے اس کی رنگت مختلف ہونے ہی کی وجہ سے اس کے ماں باپ اس کے ساتھ اجنبی جیسا سلوک کرنے لگتے ہیں۔ وہاں اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اس کے لئے ایک خاص قسم کے کیڑے فراہم کرتا ہے جو اس کی چونچ تک پہنچتا ہے اور کوے کے اس چوزے کی خوراک بنتا ہے۔ اس خوراک کی وجہ سے اس کے پر سیاہ ہو جاتے ہیں، تب اس کے ماں باپ اس کے قریب آنے لگتے ہیں اور اس پر اپنی محبت نچھاور کرتے ہیں۔ یہاں بھی رب تعالیٰ ہی اس کے ساتھ رحم و کرم کا معاملہ کرتا ہے اور اسے اولین رزق فراہم کرتا ہے۔

چوپائے اپنے کھروں کو اپنے بچے سے دور رکھتے ہیں تاکہ اسے گزند نہ پہنچ جائے۔ وحشی جانور اور درندے بھی اپنے بچے پر مہربان نظر آتے ہیں۔ کون ہے وہ ذات جس نے اپنے بندوں اور مخلوقات پر رحمت کی ایسی بارش کی ہے جس کی وجہ سے وہ آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ شفقت و مہربانی سے پیش آتے ہیں اور ایک دوسرے سے ہمدردی کا سلوک کرتے ہیں۔ بیشک وہ اللہ رحمٰن و رحیم کی ذات ہے۔

آیئے ہم ایک حدیث نبوی کی سیر کریں جس میں انسانی شفقت و محبت کا ایک عجیب منظر پیش کیا گیا ہے تاکہ اللہ پاک کی رحمت کی حقیقت اور زیادہ ہمارے لئے منکشف ہو جائے۔ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ قیدی آئے، ان میں ایک ایسی عورت تھی جس کی چھاتی دودھ سے لبریز تھی، اسے قیدیوں میں کوئی بچہ نظر آتا تو اسے گود میں لے کر اپنے سینہ سے چمٹا لیتی اور اسے اپنا دودھ پلا دیتی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ منظر دیکھ کر ہم لوگوں سے دریافت فرمایا: کیا تم لوگ سمجھتے ہو کہ یہ عورت اپنے بچہ کو آگ کے حوالہ کر دے گی؟ ہم لوگوں نے عرض کیا: نہیں، یہ کبھی اپنے بچہ کو آگ میں نہیں پھینکے گی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ عورت جتنی اپنے بچے پر شفیق و مہربان ہے اللہ تعالیٰ اس سے زیادہ اپنے بندوں پر رحم کرنے والا ہے۔[1]

ایک ایسی ماں جس کا شیر خوار بچہ قیدیوں میں لاپتہ ہو گیا تھا اور اس کی چھاتی دودھ سے لبریز ہو رہی تھی۔ آپ کو اندازہ ہو گا کہ ایسی ماں کو کیسی تکلیف سے گزرنا پڑتا ہے جس کی چھاتی میں دودھ جمع ہو اور پلانے کے لئے کوئی بچہ موجود نہ ہو۔ وہ عورت دوہری تکلیف سے گزر رہی تھی، ایک تو دودھ جمع ہونے کی جسمانی تکلیف میں مبتلا تھی، دوسری طرف وہ ایک نفسیاتی تکلیف سے بھی دوچار تھی جو اس کے لئے پہلی تکلیف سے بھی زیادہ سخت تھی، کیونکہ اس کا شیر خوار بچہ نہیں مل رہا تھا۔

---

[1] متفق علیہ

اس حدیث کے شارحین میں سے ایک نے لکھا ہے کہ یہ عورت دوہری تکلیف کی وجہ سے ہوش و حواس گم کر بیٹھی تھی، اسی وجہ سے اسے قیدیوں میں جو بچہ نظر آجاتا اسے گود میں اٹھالیتی اور اسے اپنے بچہ کی طرح سینہ سے لگا کر دودھ پلانے لگتی تھی تاکہ اس کی تکلیف کچھ کم ہو جائے۔ اسی طرح وہ ایک کے بعد دوسرے بچہ کے ساتھ کر رہی تھی، یہاں تک اسے اپنا بچہ مل گیا تو اس نے بچہ کو سینہ سے چمٹالیا۔ یہاں حدیث کے الفاظ پر غور کرنا چاہیے کہ گود میں لینے یا گود میں اٹھالینے کے الفاظ استعمال نہیں ہوئے ہیں بلکہ سینہ سے چمٹانے کی تعبیر استعمال کی گئی ہے۔ اس سے بچہ کے لئے اس عورت کی آخری درجہ کی رحمت و شفقت کا اظہار ہو رہا ہے۔

ایک طرف یہ عبرتناک اور اثر انگیز منظر ہے، دوسری طرف ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم جو ایک عظیم مربی تھے، صحابہ کرام سے دریافت فرماتے ہیں کہ تم لوگوں نے اس ماں کو دیکھا اس نے اپنے بچہ کے ساتھ کیسی شفقت و محبت کا اظہار کیا، اپنے بچہ کو اس طرح سینہ سے چمٹانے والی ماں کیا اسے آگ میں پھینک سکتی ہے؟

صحابہ کرام نے عرض کیا: نہیں، اے اللہ کے رسول! ایسی ماں کیسے اپنے بچہ کو آگ کے حوالہ کر سکتی ہے؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ عورت جتنی اپنے بچہ پر شفیق و مہربان ہے اللہ تعالیٰ اس سے بھی زیادہ اپنے بندوں پر رحم کرنے والا ہے۔

کوئی انسان آپ پر کتنا ہی مہربان کیوں نہ ہو، آپ کو یہ یقین ہونا چاہیے کہ آپ پر اللہ کی رحمت اس سے کہیں زیادہ بڑی اور عظیم الشان ہے اور اس کا دائرہ بہت وسیع و عریض ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے: ﴿وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ﴾ (میری رحمت ہر چیز کو محیط ہے) ایک جگہ ارشاد ہے: ﴿رَبُّكُمْ ذُو رَحْمَةٍ وَاسِعَةٍ﴾ (تمہارا رب

وسیع رحمت کا مالک ہے) ایک اور جگہ ارشاد ہے: ﴿فَٱنظُرْ إِلَىٰٓ ءَاثَٰرِ رَحْمَتِ ٱللَّهِ﴾ (پس اللہ کی رحمت کے آثار وعلامات پر غور کرو)

رحمت مطلق طور پر سب سے وسیع دروازہ ہے۔ یہ اللہ کا سب سے عظیم الشان دروازہ ہے جو بندہ اس دروازہ پر دستک دیتا ہے اس کے لئے اسے کھول دیا جاتا ہے اور وہ اس میں داخل ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی خصوصی رحمت جس کی طرف اللہ کے نام "الرحیم" کے ذریعہ اشارہ کیا گیا ہے:

اللہ تعالیٰ کی یہ رحمت مومن بندوں کے لئے خاص ہے، اس سے کافروں کو محروم رکھا گیا ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَكَانَ بِٱلْمُؤْمِنِينَ رَحِيمًا﴾ (اللہ مومنوں کے لئے رحیم ہے) یہاں اس نے یہ نہیں کہا کہ اللہ مومنوں کے لئے رحمٰن ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿إِنَّ ٱلَّذِينَ قَالُوا۟ رَبُّنَا ٱللَّهُ ثُمَّ ٱسْتَقَٰمُوا۟ تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ ٱلْمَلَٰٓئِكَةُ أَلَّا تَخَافُوا۟ وَلَا تَحْزَنُوا۟ وَأَبْشِرُوا۟ بِٱلْجَنَّةِ ٱلَّتِى كُنتُمْ تُوعَدُونَ ﴿٣٠﴾﴾ [سورة فصلت:30]. (ترجمہ: واقعی جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے، پھر اسی پر قائم رہے، ان کے پاس فرشتے یہ کہتے ہوئے آتے ہیں کہ تم کچھ بھی اندیشہ اور غم نہ کرو بلکہ اس جنت کی بشارت سن لو جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے۔ تمہاری دنیوی زندگی میں بھی ہم تمہارے رفیق تھے اور آخرت میں بھی رہیں گے، جس چیز کو تمہارا جی چاہے اور جو کچھ تم مانگو سب تمہارے لئے جنت میں موجود ہے، غفور ورحیم کی طرف سے یہ سب کچھ بطور مہمانی کے ہے۔)

یہاں پر ﴿نُزُلًا مِّنْ غَفُورٍ رَّحِيمٍ﴾ نہیں کہا گیا ہے۔ اور یہ خطاب مومنوں سے ہے اس سے یہ معلوم ہوا کہ اللہ کے نام رحیم کے ذریعہ جو رحمت ہوتی ہے وہ مومنوں کے ساتھ خاص ہے۔ اللہ کی یہ خصوصی رحمت اس کے خاص قسم کے مومن بندوں ہی کو حاصل ہوتی ہے۔ وہ دنیا میں ان خاص بندوں کو ہدایت کی توفیق عطا کر کے، دشمنوں پر فتح وکامرانی نصیب کر کے اور شر ور وفتن اور ہلاکتوں کو اس سے

دور کر کے اور پاکیزہ زندگی عطا کر کے ان کے ساتھ رحم و کرم کا معاملہ کرتا ہے۔ اور آخرت میں انہیں جنت میں داخل کر کے اور اپنے دیدار سے لطف اندوز کر کے ان پر اپنی خصوصی رحمت نازل کرے گا۔[1]

بندے کی زندگی پر ان دوناموں کے اثرات، اللہ تعالیٰ ان کے ذریعہ کیسے ان کی تربیت کرتا ہے؟

1۔ انسان جب بھی سورہ فاتحہ کی تلاوت کرتا ہے اور اپنی زبان سے بار بار یہ دہراتا ہے کہ ہمارا رب رحمٰن اور رحیم ہے۔ اس نے اپنے اوپر اس عمومی رحمت کو لازم کر لیا ہے۔ اس کی رحمت اس کے غصہ پر سبقت کرنے والی ہے۔ جب وہ اس رحمت کے مدلول و مفہوم کو بھی اچھی طرح ذہن میں بٹھالیتا ہے کہ اللہ کی یہ رحمت سب کو احاطہ کیے ہوئے ہے۔ اس کی زندگی کی ایک ایک جزئیات اس کے دائرہ میں آتی ہے۔ یہ رحمت ایک ایک بندہ تک پہنچنے والی ہے۔ وہ چاہے جہاں بھی ہو جس حال میں ہو، اللہ کی یہ رحمت اس تک پہنچے گی، ان تمام باتوں کو ذہن میں بٹھالینے سے رب کی اس رحمت کے دائرہ میں داخل ہونے کا اس کا عزم پختہ ہوتا ہے، پھر وہ بار بار رب سے اس رحمت کو طلب کرنے لگتا ہے، اس لئے کہ اسے معلوم ہے کہ وہ اس کا محتاج ہے، بلکہ وہ اگر کسی چیز کا سب سے زیادہ محتاج ہے تو وہ اللہ کی یہی رحمت ہے۔ اس کا احساس ہو جانے کے بعد وہ اللہ کی اس رحمت کو فقر و ذلت اور الحاح و اصرار کے ساتھ طلب کرتا ہے اور یہ کہتے ہوئے اپنے رب کے سامنے اپنا دامن پھیلا دیتا ہے: "یا ربّ تغمدنی برحمتك" (اے رب! تو مجھ پر اپنی رحمت کا سایہ دراز کر دے)

2۔ دوسری طرف جب بندہ کو اللہ کی اس رحمت کا شعور و ادراک ہو جاتا ہے تو ہمیشہ اپنے رب کی طرف امید بھری نگاہوں سے دیکھتا ہے، رب سے اس کی بہت سی امیدیں وابستہ ہو جاتی ہیں۔ اسے رب کی رحمت پر بھروسہ ہو جاتا ہے کہ اگر اس نے رب کی طرف رجوع کیا تو وہ اسے بے یار و مددگار نہیں چھوڑے گا، نہ کسی کے حوالہ کرے گا اور نہ دھتکارے گا، چاہے اس کے گناہ جتنے بھی زیادہ کیوں

---

[1] الأسماء الحسنیٰ جلالها ولطائف اقترانها، ص (۴۲) معمولی حذف و اضافہ کے ساتھ

نہ ہوں، چاہے وہ کسی ایک گناہ کا برسوں ارتکاب کرتا رہا ہو، چاہے اس کا ماضی کا نامۂ اعمال گناہوں سے سیاہ ہی کیوں نہ ہو چکا ہو۔ اس کے باوجود اسے رب کی اس رحمت پر یقین اور بھروسہ ہوتا ہے جو نہایت وسیع و عریض، ہر چیز کا احاطہ کیے ہوئے اور ایک ایک مخلوق تک رسائی رکھتی ہے اور کوئی بندہ ایک لمحہ کے لئے بھی اس سے دور نہیں ہوتا۔

سفاکیت اور خونریزی میں شہرت رکھنے والا حجاج بن یوسف جس نے نہ جانے کتنے مسلمانوں کا خون بہایا تھا، جان کنی کے عالم میں جب موت اور اس کی سختیوں کا مشاہدہ کیا تو وہ یہ کہتے ہوئے اپنے رب سے اس کی رحمت کا طلبگار ہوا "يا رب ارحمني فإنهم يظنون أنك لا تفعل" (اے میرے رب! مجھ پر رحم فرما، لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ تو مجھے اپنی رحمت سے محروم کر دے گا) اللہ اکبر، اس دعا میں کتنا رب سے وابستگی کا اظہار ہے اور کس قدر اس میں امید و رجاء کی کیفیت ہے، خاص طور پر اس وقت جب بندہ آخری وقت میں دل و جان سے رب کی متوجہ ہو کر اسے پکار رہا ہو۔

عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ ان الفاظ کے ساتھ دعا کرتے تھے: "اللهم إن لم أكن أهلا لرحمتك فإن رحمتك أهل أن تبلغني، رحمتك وسعت كل شيء و أنا شيء فلتسعني رحمتك يا أرحم الراحمين" (اے اللہ! اگر میں تیری رحمت کا اہل نہیں ہوں تو تیری رحمت مجھ تک پہنچنے کی اہل ہے، تیری رحمت ہر چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہے اور میں بھی ان چیزوں میں ایک چیز ہوں، لہٰذا اے رحم کرنے والوں میں سب سے زیادہ رحم کرنے والے! تیری رحمت مجھ پر بھی سایہ فگن ہو جائے اور میں اس سے محروم نہ رہوں۔)

3۔ سب سے عظیم چیز جس کے ذریعہ آپ خود کو رب کی رحمت کا مستحق بنا سکتے ہیں، یہ ہے کہ آپ اپنے نفس کو پاک و صاف رکھیے اور اس کا تزکیہ کرتے رہیے۔ اللہ تعالیٰ نے نفس کی صفائی کرنے والے کی تعریف کی ہے۔ اس کا ارشاد ہے: ﴿قَدْ أَفْلَحَ مَن زَكَّىٰهَا ﴿٩﴾﴾ [سورۃ الشمس:9]. (ترجمہ: جس نے اسے (یعنی نفس کو) پاک کیا وہ کامیاب ہوا)

اور رب کی رحمت کا مستحق بننے کا ذریعہ ہے کہ آپ اسے درجۂ کمال تک پہنچانے کے لئے زینہ بزینہ

آگے بڑھیے اور اسے بلندی تک پہنچانے کی کوشش کیجئے، اس لئے کہ کم تر اور حقیر چیز پر وہی قانع ہوتا ہے جو کمتر اور حقیر ہوتا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے ارشاد فرمایا: "اللہ تعالیٰ بلندی کے حامل امور و معاملات کو پسند کرتا ہے اور گھٹیا و کمتر امور و معاملات کو ناپسند کرتا ہے۔" [1]

یہ بات صحیح ہے کہ درجۂ کمال کو پہنچنا اتنا آسان کام نہیں ہے، اس لئے کہ وہ مشکل اور دشوار گزار مرحلہ ہے۔ لیکن کم از کم درجۂ کمال تک پہنچنے کا ہدف تو متعین کرنا ہی چاہیے تاکہ آپ اس مقام تک پہنچنے کی کوشش کریں۔ اور جو بلندی اور عزت و رفعت کا طالب ہوتا ہے وہ اس کے اسباب بھی اختیار کرتا ہے۔

ألم تــــر أن الله قـــــال لمـــــريم إليك فهزى الجذع يساقط الرطب
و لـو شـاء أن تجنيـه مـن غير هزهـا جنتـه و لكـن كل شيء لـه سـبب

(کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے مریم علیہا السلام سے کہا: تم کھجور کے درخت کے پاس جاؤ اور اس کے تنے کو ہلاؤ تو تازہ کھجوریں نیچے گریں گی۔ اگر اللہ چاہتا تو تنے کو ہلائے بغیر بھی مریم علیہا السلام کو کھجوریں حاصل ہو جاتیں، لیکن ہر چیز کا ایک ذریعہ و سبب ہوتا ہے۔)

چنانچہ آپ کے لئے یہ لازم ہو جاتا ہے کہ آپ اپنے نفس پر بہت زیادہ محنت کریں، اس کی تادیب و تہذیب کریں اور اسے صیقل کر کے چمکائیں تاکہ اس کے ذریعہ آپ اپنے مقصود اور ہدف تک پہنچ سکیں۔ بلندی کا چاہے کوئی بھی سفر ہو اس میں تھکاوٹ اور مشقت تو ہوتی ہی ہے۔ فوائد، خیر و برکات، لذتیں اور کمالات بغیر مشقت کے حاصل نہیں ہوتی ہیں۔ تھکاوٹ و جانفشانی سے گزرنے کے بعد ہی کوئی وہاں تک پہنچ سکتا ہے۔

---

[1] طبرانی کی روایت ہے، شیخ البانی نے اسے صحیح قرار دیا ہے (علو الھمۃ ۱۳۰)

فقل لمرتجي معالي الأمور بغير اجتهاد رجوت المحالا

(بلندی کے طالب سے کہہ دیجئے کہ محنت و کوشش کے بغیر تم نے ایک محال چیز کی تمنا کی ہے۔)

اس ہدف کو حاصل کرنے کی راہ میں۔۔۔

اپنے باطن کی اصلاح و تزکیہ سے آغاز کیجئے، اپنے دل کو نفس پرستی سے دور رکھنے کی کوشش کیجئے۔ تبدیلی ہمیشہ اندرون سے شروع ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿إِنَّ ٱللَّهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتَّىٰ يُغَيِّرُوا۟ مَا بِأَنفُسِهِمْ﴾ (اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت کو اس وقت تک نہیں بدلتا جب تک کہ وہ خود اپنی حالت کو تبدیل کرنے کے لئے تیار نہ ہو۔)

باطن کی اس اصلاح اور تبدیلی کو بتدریج آگے بڑھایئے۔ اگر کسی اچھی عادت کو اختیار کرنا مشکل ہو رہا ہو تو شروع میں اسے بہ تکلف اختیار کیجئے تاکہ وہ وقت کے ساتھ اور کثرت مشق کے ذریعہ آپ کی عادت و مزاج کا جزء اور آپ کی ایک صفت بن جائے۔

اس راہ پر آگے بڑھنے میں مدد اس سے ملے گی جب آپ اپنے رب کی نازل کردہ کتاب ہدایت میں غور و فکر کرنا شروع کریں گے۔ وہاں آپ دیکھیں گے کہ کسی کام کو بتدریج انجام دینا مخلوقات کے تعلق سے اللہ کا طریقہ ہے۔ وہ کسی کو کوئی چیز ایک دم سے عطا نہیں کرتا ہے۔ مخلوق کی طرف سے عجلت کا مظاہرہ کیے جانے کے باوجود وہ عجلت سے کام نہیں لیتا ہے۔ اس کے لئے آپ کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کو بھی سمجھنے کی ضرورت ہے کہ "علم سیکھنے سے حاصل ہوتا ہے اور حلم و بردباری اس کی عادت ڈالنے سے پیدا ہوتی ہے۔

اگر آپ حلیم و بردبار بننا چاہتے ہیں تو شروع میں آپ کو بہ تکلف غصہ کو برداشت کرنے کی عادت ڈالنی ہوگی۔

اگر آپ حکمت و دانائی سے متصف ہونا چاہتے ہیں تو آپ کو صبر و انتظار کی عادت ڈالنی ہوگی اور عجلت

پسندی سے بچنا ہو گا۔ اسی طرح دیگر عمدہ اوصاف کے لئے مشق اور محنت کرنی ہو گی۔

جب آپ اصلاح نفس کی راہ میں بتدریج آگے بڑھ رہے ہوں گے تو آپ کو اپنی کمی کا بھی احساس ہو گا اور اپنی کوتاہیوں پر بھی آپ کی نگاہ پڑے گی۔ ایسی صورت میں اپنے نفس کے ساتھ کچھ نرمی برتیئے اور اسے مکمل طور پر ناکام و نامراد مت کیجئے، اپنے نفس سے یہ وعدہ کیجئے کہ اللہ تعالیٰ حسن عمل کا مظاہرہ کرنے والوں کے اجر کو ضائع نہیں کرے گا۔ آپ اپنے نفس کے تئیں بہت زیادہ صبر و برداشت سے کام لیجئے۔ آپ صبر کرنے کے معاملہ میں اپنے رب کو اپنا نمونہ و آئیڈیل بنایئے کہ وہ اپنے بندوں کی کوتاہیوں پر مسلسل صبر کرتا ہے اور اس کی طرف سے بندے کی تربیت کا سلسلہ برابر جاری رہتا ہے۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "کوئی بھی انسان تکلیف دہ بات کو سن کر اللہ تعالیٰ سے زیادہ صبر کرنے والا نہیں ہے۔ لوگ اللہ کے لئے اولاد ہونے کا دعوی کرتے ہیں اور وہ انہیں معاف کرتا ہے اور رزق دیتا ہے۔" [1] آپ کو یہ سارے فضائل و خصائص ایک دن یا چند گھنٹوں میں حاصل ہونے والے نہیں ہیں، اس کے لئے آپ کو صبر، برداشت، مجاہدہ اور استقامت کا مظاہرہ کرنا ہو گا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اصْبِرُوا وَصَابِرُوا وَرَابِطُوا وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿٢٠٠﴾﴾ [سورة آل عمران: 200]. (ترجمہ: اے ایمان والو! تم ثابت قدم رہو اور ایک دوسرے کو تھامے رکھو اور جہاد کے لئے تیار رہو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو تاکہ تم مراد کو پہنچو) اس آیت مبارکہ میں جن تین باتوں کا حکم دیا گیا ہے اگر آپ ان پر عمل کر گزریں تو آپ کو اس راہ میں کامیابی ضرور ملے گی۔

☆ آپ اپنی غلطیوں، لغزشوں، ناکامیوں، عدم حصولیابیوں اور اپنے ماضی کو دوسروں سے پوشیدہ رکھیں۔ اللہ تعالیٰ بہت زیادہ پردہ پوشی کرنے والا ہے اور وہ پردہ پوشی کو پسند کرتا ہے۔ اور سب سے ترجیح یافتہ ستر پوشی یہ ہے کہ آپ اپنی کمیوں کو دوسروں کے سامنے آشکارانہ کریں۔ آپ اس نکتہ کو یاد

---

[1] متفق علیہ

رکھیں کہ دنیا میں شاید ہی کوئی ایسا انسان ہو جس نے لغزش نہ کھائی ہو۔ ابتداء میں کمی اور کوتاہی کا اعتبار نہیں ہے، انتہاء اگر کمال پر ہو تو اس کا اعتبار ہے۔

☆ یہ بات ہمیشہ آپ کے پیش نظر رہنی چاہیے کہ انسان کے باطن کا اعتبار کر کے اللہ تعالیٰ بندہ کو نجات عطا کرتا ہے۔ یہ معاملہ دل کا معاملہ ہے۔ دل میں جو کچھ ہوتا ہے اور دل میں جو چیز جگہ بنا لیتی ہے، اس کا اعتبار ہوتا ہے۔ رافعی کے بقول: "لوگوں کی نگاہ میں لوگوں کا ظاہری روپ ہوتا ہے۔ لوگ اس کی ہیئت اور حلیے کا اعتبار کرتے ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کے دل کی حالت کا اعتبار ہوتا ہے۔ انسان کے جسم اور اس کے دل کی مثال انڈے کی ہے جس کے اوپر تو چھلکا ہوتا ہے لیکن چھلکے کے اندر جو چیز ہوتی ہے وہ اہمیت کی حامل ہوتی ہے۔ یہ کتنی مضحکہ خیز بات ہے کہ آپ چھلکے کو اس وجہ سے اہمیت دیں کہ لوگ اسی کا اعتبار کرتے ہیں اور آپ چھلکے کے اندر کی چیز کو کوئی اہمیت نہ دیں۔

☆ آپ اس بات کا بھروسہ رکھیں کہ اگر آپ اپنی اصلاح، تزکیۂ نفس اور بلندی کی طلب کے معاملہ میں اپنے رب کے ساتھ سچے ہیں اور اس کے ذریعہ آپ رب کے پسندیدہ مقام تک پہنچنے کے خواہشمند ہیں تو اللہ تعالیٰ آپ کی سچائی کا اعتبار کرے گا، اسی کے مطابق آپ کے ساتھ معاملہ کرے گا اور آپ کی کوشش و محنت کو کامیاب کرے گا۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کا اس طرح ہو گیا جیسا وہ چاہتا ہے تو اللہ تعالیٰ بندہ کے تصور سے بڑھ کر اس کا ساتھ دے گا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿إِنَّهُۥ مَن يَتَّقِ وَيَصْبِرْ فَإِنَّ ٱللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ ٱلْمُحْسِنِينَ﴾ (بے شک جو پرہیز گاری اختیار کرتا ہے اور صبر سے کام لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ نیک لوگوں کے اجر کو ضائع نہیں کرتا ہے۔)

☆ آپ یہ جان لیں کہ اللہ پاک دنیا و آخرت دونوں کا رحمٰن و رحیم ہے، لہٰذا آپ عبادت، شکر گزاری اور دعا و مناجات کے ذریعہ اس کی طرف متوجہ ہوں اور آپ ہر معاملہ میں اپنے رب کو پکاریں۔

آپ اس حدیث کو دل کی توجہ کے ساتھ سنیں۔ اللہ تعالیٰ ہمارے اور آپ کے دل کو کھول دے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک مرتبہ ان کے والد ابو بکر رضی اللہ عنہ ان کے پاس آئے اور

کہنے لگے: تم نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے وہ دعا سنی ہے جو آپ نے مجھے سکھائی ہے؟ میں نے دریافت کیا: وہ کونسی دعا ہے؟ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ وہ دعا ہے جو عیسیٰ علیہ السلام اپنے ساتھیوں کو سکھاتے تھے۔ آپ نے فرمایا: اگر کسی کے اوپر سونے کے پہاڑ کے برابر قرض ہو اور وہ اس دعا کا اہتمام کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے قرض کی ادائیگی کے اسباب پیدا کر دے گا: "اللهم فارج الهمّ كاشف الغمّ مجيب دعوة المضطرّين رحمٰن الدنيا و الآخرة و رحيمها أنت ترحمني فارحمني برحمة تغنيني بها عن رحمة من سواك" (اے اللہ! غم میں کشادگی دینے والے، تفکرات کو دور کرنے والے، پریشان حالوں کی پکار کو سننے اور ان کی پریشانی کو دور کرنے والے، دنیا و آخرت کے رحمٰن و رحیم، تو ہی مجھ پر رحم کرتا ہے۔ تو مجھ پر اپنی ایسی رحمت کر دے کہ میں تیرے سوا کسی اور کی رحمت کا محتاج نہ رہوں) ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میرے اوپر کچھ قرض باقی تھا، اور میں قرض کو ناپسند کرتا تھا۔ میں اس دعا کو پڑھتا تھا تو اللہ تعالیٰ نے مجھے فائدہ عطا کیا اور میرے قرض کی ادائیگی کا انتظام کر دیا۔ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا کا مجھ پر ایک دینار اور تین درہم قرض تھا۔ وہ میرے پاس آتی تو شرمندگی کی وجہ سے میں ان سے نظر ملا کے بات نہیں کر پاتی تھی، اس لئے کہ ان کا قرض ادا کرنے کی کوئی سبیل مجھے نظر نہیں آتی تھی۔ تو میں ان کلمات کے ذریعہ دعا کرتی تھی، کچھ ہی عرصہ کے بعد اللہ تعالیٰ نے مجھے مال عطا کر دیا جو نہ تو صدقہ تھا اور نہ میراث کا مال تھا۔ اس طرح اللہ نے میرے قرض کی ادائیگی کا انتظام کر دیا۔ میں نے اس میں سے اچھا خاصہ حصہ اپنے گھر کے لوگوں میں تقسیم کیا، تین اوقیہ چاندی کا اپنے بھائی عبد الرحمٰن کی بیٹی کے لئے زیور بنا دیا، اس کے بعد بھی میرے پاس اچھا خاصہ مال باقی بچ گیا۔ [1]

☆ اپنے آس پاس کے لوگوں کے ساتھ رحم و کرم کا معاملہ کرنا اللہ کی رحمت کا مستحق بننے کے اسباب میں سے ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا ہے کہ دوسروں پر رحم کرنے والے اللہ کے بندے اس کی رحمت کے مستحق بنتے ہیں۔ حدیث کے الفاظ ہیں: "اللہ تعالیٰ اپنے ان بندوں پر رحم کرتا

---

[1] حاکم کی نقل کردہ روایت، انہوں نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔

ہے جو دوسروں پر رحم کرتے ہیں۔ 1ے انسان کی سب سے بڑی بدبختی یہ ہے کہ اس کے دل سے رحم کا مادہ ختم کر دیا جائے۔ بدبخت اور محروم انسان کے دل سے ہی رحم کا مادہ ختم کر دیا جاتا ہے۔ العیاذ باللہ۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ”جو لوگوں پر رحم نہیں کرتا، اللہ تعالیٰ اس پر رحم نہیں کرتا ہے۔“ 2ے جس شخص کے دل میں رحم کا مادہ نہ ہو، وہ اپنے والد، بچوں، بیوی، مسکین، یتیم اور کمزور پر رحم کرنے کا کوئی جذبہ نہ رکھتا ہو، کسی مصیبت زدہ، مغموم اور مظلوم کے لئے اس کے دل میں کوئی ہمدردی و رحم نہ ہو تو ایسا شخص بدرجہ اولیٰ اللہ کی رحمت سے محروم رہنے کا مستحق قرار پاتا ہے۔ اگر آپ مخلوق پر رحم کریں گے اور ان کے ساتھ نیکی و بھلائی کا معاملہ کریں گے تو مخلوق کا رب آپ پر رحم کرے گا اور اپنی نوازشات کے دروازے آپ کے لئے کھول دے گا۔ ﴿إِنَّ رَحۡمَتَ ٱللَّهِ قَرِيبٌ مِّنَ ٱلۡمُحۡسِنِينَ﴾ (بے شک اللہ کی رحمت نیکی و بھلائی کرنے والوں کے قریب ہے۔)

1ے متفق علیہ

2ے متفق علیہ

اللہ تعالیٰ کا نام "الولی" جل جلالہ

الولی: یعنی اپنے مخلوق کے معاملات زندگی کا متولی و سرپرست اور اس کی ملکیت کے تحت آنے والی ہر چیز کی تدبیر کرنے والا۔

یہ سرپرستی وولایت دو طرح کی ہے: عام سرپرستی اور خاص سرپرستی۔

عام سرپرستی: اس کے دائرہ میں ساری مخلوق آتی ہے۔ اس کے تحت اللہ تعالیٰ تقدیریں متعین کرتا ہے اور مخلوق کے معاملات زندگی کی تدبیر کرتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کی ذات عطا کرتی ہے، کسی چیز کو روک لیتی ہے، عزت دیتی ہے، ذلت سے ہمکنار کرتی ہے، پستی میں دھکیلتی ہے، بلندی عطا کرتی ہے اور رزق و تقدیریں متعین کرتی ہے۔ یہ عام سرپرستی ہے۔ کسی کی مخالفت اور نزاع کے بغیر وہ بندوں کے معاملات کی سرپرستی کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿أَمِ ٱتَّخَذُوا۟ مِن دُونِهِۦٓ أَوْلِيَآءَ ۖ فَٱللَّهُ هُوَ ٱلْوَلِىُّ وَهُوَ يُحْىِ ٱلْمَوْتَىٰ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَىْءٍ قَدِيرٌ ﴿٩﴾﴾ [سورة الشورى:9].

(ترجمہ: کیا ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے سوا اور کارساز بنا لیے ہیں، حقیقتاً تو اللہ تعالیٰ ہی کارساز ہے، وہی مردوں کو زندہ کرے گا اور وہی ہر چیز پر قادر ہے)

دوسری جگہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَهُوَ ٱلَّذِى يُنَزِّلُ ٱلْغَيْثَ مِنۢ بَعْدِ مَا قَنَطُوا۟ وَيَنشُرُ رَحْمَتَهُۥ ۚ وَهُوَ ٱلْوَلِىُّ ٱلْحَمِيدُ ﴿٢٨﴾﴾ [سورة الشورى:28].

(ترجمہ: اور وہی ہے جو لوگوں کے ناامید ہو جانے کے بعد بارش برساتا ہے اور اپنی رحمت پھیلا دیتا ہے، وہی ہے کارساز اور قابل حمد و ثنا)

خاص سرپرستی: یہ ایک عظیم اور اعزاز یافتہ سرپرستی ہے۔

اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ بندے کو گناہوں سے بچاتا ہے، اس کی طرف اپنی خاص توجہ مبذول کرتا ہے، اس کے ذریعہ بندہ کو رب کی مدد، محبت اور قربت حاصل ہوتی ہے، ہر معاملہ میں اللہ اس کی کفایت کرتا ہے، اسے توفیق و ثابت قدمی عطا کرتا ہے، ہر طرح سے اس کی حفاظت کرتا ہے اور اس کا دفاع کرتا ہے۔

اس کی سرپرستی میں آنے کے بعد بندہ پر اس کے اثرات ظاہر ہوتے ہیں۔

1۔ اللہ تعالیٰ جب بندہ کو اپنی خاص سرپرستی سے نوازتا ہے تو اسے تاریکیوں سے نکال کر روشنی کی طرف لاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ٱللَّهُ وَلِيُّ ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ يُخْرِجُهُم مِّنَ ٱلظُّلُمَٰتِ إِلَى ٱلنُّورِ﴾ [سورة البقرة: 257] (ترجمہ: ایمان لانے والوں کا کارساز اللہ تعالیٰ خود ہے، وہ انہیں اندھیروں سے روشنی کی طرف نکال لے جاتا ہے)

جب بندہ جہالت و غفلت کا شکار ہو جاتا ہے، آخرت کو فراموش کر بیٹھتا ہے یا دنیا کے کسی معاملہ میں اس کے قدم ڈگمگانے لگتے ہیں اور وہ گناہوں کا مرتکب ہو جاتا ہے یا دین کی راہ پر چلتے ہوئے سستی و سرد مہری کا شکار ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے اس کی حالت پر نہیں چھوڑتا بلکہ جلد ہی اسے اس گندگی و آلائش سے باہر نکال دیتا ہے اور پستی و ذلت سے بلندی کے راستہ پر ڈال دیتا ہے۔ یا اپنے کسی بندہ کو اس کے پاس بھیج کر غفلت کی نیند سے اسے جگاتا ہے، وہ بندہ اس کا ہاتھ پکڑ کے دوبارہ اللہ کی راہ پر اسے گامزن کر دیتا ہے۔ یہ بندہ کے لئے اللہ تعالیٰ کی خصوصی ولایت و سرپرستی ہے۔

2۔ جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ کو اپنی خصوصی سرپرستی سے نوازتا ہے تو اس کے معاملات کی تدبیر کرتا ہے اور اس کے لئے اس طرح کافی ہو جاتا ہے کہ اس کی نظیر نہیں مل سکتی۔

اس کو سمجھنے کے لئے مشہور صحابی رسول اور عشرہ مبشرہ میں سے ایک زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کا قصہ ہمارے لئے کافی ہے۔ وفات سے قبل انہوں نے اپنے صاحبزادہ عبداللہ رضی اللہ عنہ سے کہا: میرے بیٹے! میری طرف سے میرے قرض کو ادا کر دینا۔ قرض بھی کتنا؟ بارہ لاکھ۔ قرض کی مقدار بہت زیادہ

تھی، زبیر رضی اللہ عنہ کے مال سے اس کی ادائیگی نہیں ہو سکتی تھی۔

زبیر رضی اللہ عنہ نے اپنے فرزند سے یہ بھی کہا کہ اگر ان قرضہ جات کی ادائیگی میں تمہیں دشواری پیش آئے تو اس کے لئے میرے مولیٰ سے مدد طلب کرنا۔ عبداللہ رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا: ابا جان! کون آپ کا مولیٰ ہے؟ انہوں نے کہا: اللہ۔ عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ان کے قرضہ جات کی ادائیگی میں مجھے جب بھی تنگی و پریشانی محسوس ہوئی تو میں نے دعا کی: اے زبیر کے مولیٰ! ان کے قرض کی ادائیگی فرمادے، اللہ تعالیٰ فوراً ہی ان کے قرض کی ادائیگی کے اسباب مہیا فرمادیتا۔ [1]

زبیر رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ کی ولایت و سرپرستی طلب کی تو اللہ نے انہیں اپنی سرپرستی سے نواز دیا اور ان کے قرضہ جات کی ادائیگی کے اسباب فراہم کر دیئے، بلکہ ان کے باقی ماندہ مال میں بھی حیرت انگیز برکت عطا کی اور ان کی ہر زوجہ کے حصہ میں دس لاکھ کی میراث آئی۔

جب اللہ پاک آپ کو اپنی سرپرستی سے نواز دیتا ہے تو آپ کے مال اور ہر چیز میں بے حد و حساب برکت عطا کرتا ہے جس کا آپ تصور بھی نہیں کر سکتے۔ سبحانہ و بحمدہ (اللہ کی ذات پاک و بے عیب ہے اور وہی حمد و ثنا کے لائق ہے۔)

3۔ جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ کو اپنی سرپرستی میں لیتا ہے تو رب کی خاص توجہ اسے ہر طرف سے اپنی حفاظت کے دائرہ میں لے لیتی ہے۔ اوپر سے، نیچے سے، آگے سے، پیچھے سے، بچپن میں بھی اور معمر ہونے کے بعد بھی۔

موسیٰ علیہ السلام کے لئے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان پر غور کیجئے: ﴿وَلِتُصْنَعَ عَلَىٰ عَيْنِيٓ﴾ [طه:39]. (ترجمہ: تاکہ تیری پرورش میری آنکھوں کے سامنے کی جائے)

یعنی تاکہ تم میری نگاہوں کے سامنے اور میرے حفظ و امان اور میری سرپرستی میں پرورش پاؤ۔ اس

---

[1] فتح الباری، کتاب المناقب

طرح رب کریم نے موسیٰ علیہ السلام کی خاص انداز میں پرورش وپرداخت کی۔

رب تعالیٰ نے فرعون کے محل میں موسیٰ علیہ السلام کی پرورش کا انتظام کر دیا، وہ بھی اس طرح کہ کوئی انہیں گزند نہیں پہنچا سکتا تھا۔ اللہ نے انسانی دلوں میں ان کی محبت بھی ڈال دی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:. ﴿وَأَلْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّي﴾ [سورة طه:39].

(ترجمہ: اور میں نے اپنی طرف سے خاص محبت ومقبولیت تجھ پر ڈال دی)

جو شخص بھی ان کو دیکھتا تو ان سے محبت کرنے لگتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے وہاں موسیٰ علیہ السلام پر دودھ پلانے والیوں کو حرام کر دیا۔ چنانچہ انہوں نے اپنی والدہ کے علاوہ کسی بھی عورت کا دودھ قبول نہیں کیا۔ اس طرح اللہ نے موسیٰ علیہ السلام کو ان کی والدہ کے پاس لوٹا دیا اور فرعون نے خود اپنی طرف سے اس رضاعت کی اجرت ادا کی اور اس دودھ پلانے والی خاتون کی تکریم کی۔

اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی شروع سے ہر قسم کے انحرافات اور ظلم وفساد سے حفاظت کی جو فرعون کے محل میں رہنے والوں کی زندگی کا معمول تھا۔ زندگی کے ہر مرحلہ میں اللہ تعالیٰ کی خاص توجہ موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ رہی۔ یہ درحقیقت ان کے لئے اللہ کی ولایت وسرپرستی ہی تھی۔

4۔ جب بندہ کو اللہ تعالیٰ کی سرپرستی حاصل ہو جاتی ہے تو وہ ہر قسم کے وسوسے، شکوک و شبہات اور غلط قسم کے میلانات کو دور کرکے دل کو ان آلائش سے پاک کر دیتا ہے اور ایمان کی حفاظت کرتا ہے۔

یہ انسان کے لئے بہت بڑی نعمت ہے کہ اس کا دل ان آلائشوں سے محفوظ رہے۔ یہ وسوسے اور غلط قسم کے افکار ومیلانات اچانک انسان کے دل پر حملہ آور ہوتے ہیں۔ بعض اوقات انسان انہیں روک پانے کی استطاعت بھی نہیں رکھتا ہے۔ اس کی وجہ سے وہ اندر سے تکلیف محسوس کرتا ہے، دل کے اندر اضطراب وبے چینی محسوس کرتا ہے اور ایمان کی راہ پر اس کا قدم ڈگمگانے لگتا ہے، لیکن جب اللہ تعالیٰ

بندہ کی سرپرستی قبول کرلیتا ہے تو ان وساوس اور شکوک وشبہات کو دور کرنے میں اسے دیر نہیں لگتی، اس کی رحمت سے شکوک کے یہ بادل چھٹ جاتے ہیں۔ وہ بندہ کے دین وایمان کی حفاظت کرتا ہے اور اس کے دل کو اس طرح مضبوط کر دیتا ہے کہ شکوک وشبہات اس پر اثر نہیں کرتے۔

آپ غور کیجئے جب غزوۂ احد کے موقع سے منافقوں کا سردار عبداللہ بن ابی لشکر اسلام میں سے اپنے ایک تہائی ساتھیوں کو لے کر مدینہ واپس آگیا تو کچھ مسلمانوں کے دل اس صورت حال کی وجہ سے مضطرب اور پریشان ہوگئے۔ یہ لوگ بنو حارثہ اور بنو سلمہ سے تعلق رکھتے تھے۔ ان لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد کو چھوڑ کر مدینہ واپسی کا ارادہ کرلیا۔ قرآن مجید کی اس آیت میں اس صورت حال کی منظر کشی کی گئی ہے: ﴿إِذْ هَمَّت طَّآئِفَتَانِ مِنكُمْ أَن تَفْشَلَا وَٱللَّهُ وَلِيُّهُمَا ۗ وَعَلَى ٱللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ ٱلْمُؤْمِنُونَ ﴿١٢٢﴾﴾ [سورة آل عمران: 122].

(ترجمہ: جب تمہاری دو جماعتیں پست ہمتی کا ارادہ کر چکی تھیں، اللہ تعالیٰ ان کا ولی ومددگار ہے، اور اسی پاک ذات پر مومنوں کو بھروسہ رکھنا چاہیے)

یہ منفی فکر اس طرح غیر محسوس طور پر انسان کے دل میں جگہ بنالیتی ہے کہ لوگوں کو اس کا علم نہیں ہو پاتا، لیکن اللہ تعالیٰ دلوں کے حال سے باخبر ہے۔ وہ دل میں کھٹکنے والی باتوں، نیتوں اور مقاصد واحوال سب سے واقف ہے۔ جب اللہ کو بندہ کی سچائی واخلاص کا علم ہو جاتا ہے تو وہ اس کی سرپرستی فرماتا ہے اور اس کے معاملات زندگی کو اپنے ہاتھ میں لے لیتا ہے۔ اور شکوک وشبہات ومنفی کیفیات کو اس کے دل سے دور کر دیتا ہے۔

5۔ اللہ تعالیٰ جب بندہ کا سرپرست بن جاتا ہے تو اس کے اعضاء کو گناہوں سے بچاتا ہے، گناہوں سے بچنے میں اس کی مدد کرتا ہے اور اس کے اعضاء کو اطاعت کے کاموں میں لگا دیتا ہے۔

ایک حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "بندہ کا فرائض کی پابندی کے ذریعہ میری قربت حاصل

کرنا مجھے سب سے زیادہ پسند ہے۔ بندہ نوافل کے اہتمام کے ذریعہ مسلسل مجھ سے قریب ہوتا رہتا ہے، یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں۔ جب میں اس سے محبت کرتا ہوں تو میں اس کی کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے، میں اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، میں اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور میں اس کا پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔"[1]

جب سننے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد کی جاتی ہے تو وہ حرام نہیں سنتا، دیکھنے میں اس کی مدد کی جاتی ہے تو وہ حرام کو نہیں دیکھتا اور نہ حرام کی طرف قدم بڑھاتا ہے، اس کا دل حرام و مشکوک و مشتبہ چیز کی طرف مائل نہیں ہوتا۔ وہ جو کچھ لکھتا ہے، جو کچھ اپنے ہاتھوں سے کرتا ہے، جو کچھ اپنی زبان سے کہتا ہے اور جس کام کے لئے اپنے پاؤں سے چل کے جاتا ہے سب میں برکت عطا کی جاتی ہے۔ یعنی اس کی صبح و شام، اس کے قول و عمل اور اس کی آمد و رفت سب میں برکت رکھ دی جاتی ہے اور اللہ کی طرف سے اس کی رہنمائی و اصلاح کی جاتی ہے۔ یہ سب اللہ کی اعانت کی صورتیں ہیں اور یہ اعانت و مدد اللہ تعالیٰ کی ولایت و سرپرستی کی ایک شکل ہے۔

اہلیت و صلاحیت کے بغیر کسی کو یہ نہیں سمجھ لینا چاہیے کہ عنقریب اسے اللہ تعالیٰ کی ولایت و سرپرستی حاصل ہو جائے گی۔

اولیاء اللہ کون لوگ ہیں؟

اللہ تعالیٰ کا ولی کون ہے؟ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے لئے اس کی تعریف و پہچان کی گنجائش نہیں باقی رکھی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خود ہی ولی کی تعریف کرتے ہوئے اپنی کتاب ہدایت میں ارشاد فرمایا ہے: ﴿أَلَآ إِنَّ أَوْلِيَآءَ ٱللَّهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿٦٢﴾ ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ وَكَانُوا۟ يَتَّقُونَ ﴿٦٣﴾﴾ [سورة يونس: 62-63].

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الرقاق

(ترجمہ: یاد رکھو کہ اللہ کے دوستوں پر نہ کوئی اندیشہ ہے اور نہ وہ غمگین ہوتے ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور برائیوں سے پرہیز رکھتے ہیں)

اللہ کے ولی کی پہلی صفت اللہ پر خالص ایمان اور دوسری صفت اللہ کا تقوی اور ڈر ہے۔ جب ہم اوپر نقل کی گئی حدیث قدسی پر غور کرتے ہیں جس میں یہ بتایا گیا ہے کہ بندہ فرائض کی پابندی کے ذریعہ اللہ کا تقرب حاصل کرتا ہے اور اس کے ذریعہ تقرب الٰہی کا حصول رب تعالیٰ کو سب سے زیادہ پسند ہے۔ اس حدیث قدسی کے ذریعہ ہمیں اولیاء اللہ کی ایک تیسری صفت کا بھی علم ہوتا ہے اور وہ ہے فرائض کا اہتمام اور اس کے ذریعہ اللہ کا تقرب حاصل کرنے کی کوشش۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا قول ہے: ولی اللہ سے مراد وہ عالم دین ہے جو اطاعت الٰہی کا پابند اور رب کی عبادت میں مخلص ہو۔ [1]

لوگوں کے سامنے اللہ تعالیٰ کی ولایت و سرپرستی میں داخل ہونے کے لئے دروازہ کھلا ہوا ہے۔ ولایت کے مراتب اور درجات ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ثُمَّ أَوْرَثْنَا ٱلْكِتَٰبَ ٱلَّذِينَ ٱصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا ۖ فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهِۦ وَمِنْهُم مُّقْتَصِدٌ وَمِنْهُمْ سَابِقٌۢ بِٱلْخَيْرَٰتِ بِإِذْنِ ٱللَّهِ ۚ ذَٰلِكَ هُوَ ٱلْفَضْلُ ٱلْكَبِيرُ ﴿٣٢﴾﴾ [سورة فاطر:32].

(ترجمہ: پھر ہم نے ان لوگوں کو اس کتاب کا وارث بنایا جن کو ہم نے اپنے بندوں میں سے پسند فرمایا۔ پھر بعضے تو ان میں اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہیں اور بعضے ان میں متوسط درجے کے ہیں اور بعضے ان میں اللہ کی توفیق سے نیکیوں میں ترقی کیے چلے جاتے ہیں۔ یہ بڑا فضل ہے۔)

اس آیت کی روشنی میں اولیاء اللہ کی دو قسمیں ہیں:

---

[1] فتح الباری (۱۲۶/۱۴) بحوالہ القواعد والفوائد من الأربعین النوویۃ، مرتب: محمد سلطان

ایک متوسط درجے کے لوگ جنہیں قرآن مجید میں "أصحاب اليمين" داہنے ہاتھ والے کہا گیا ہے۔

دوسرے نیکی کے کاموں میں سبقت کرنے والے۔ قرآن مجید میں ان کو "المقربون" (اللہ کا تقرب حاصل کرنے والے) کہا گیا ہے۔

متوسط درجے والے سے وہ مومن مرد و عورت مراد ہیں جو فرائض و واجبات کی پابندی اور محرمات سے دور رہنے پر اکتفاء کرتے ہیں۔ اپنی نماز، روزے، زکاۃ اور دیگر تمام فرائض کو فکر مندی کے ساتھ ادا کرتے ہیں۔ فرائض و واجبات میں کوئی کوتاہی نہیں کرتے لیکن ان میں نوافل کا بہت اضافہ نہیں کرتے۔ کبھی نوافل و مستحبات کو چھوڑ بھی دیتے ہیں اور کبھی بعض مکروہات کا بھی ارتکاب کر لیتے ہیں۔

یہ ولایت کا پہلا زینہ ہے جس کے بارے میں اوپر نقل کردہ حدیث قدسی میں آیا ہے کہ "بندہ کا فرائض کی پابندی کے ذریعہ میری قربت حاصل کرنا مجھے سب سے زیادہ پسند ہے۔"

اولیاءاللہ کی دوسری قسم وہ ہے جو خیر کے کاموں کی طرف سبقت کرنے والے ہیں۔ یہ لوگ متوسط درجے والوں سے مقام و مرتبہ میں بلند تر ہیں۔ یہ لوگ فرائض و واجبات کے علاوہ نوافل کے ذریعہ اللہ کا تقرب حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ نوافل کی ادائیگی کے لئے کوشش و محنت کرتے ہیں، اطاعت الٰہی کے کاموں میں بڑھ چڑھ کے حصہ لیتے ہیں، اس معاملہ میں ایک دوسرے سے سبقت کرنے کے لئے کوشاں رہتے ہیں۔ وہ محرمات کے علاوہ مکروہات سے بھی دور رہتے ہیں، وہ مشتبہ چیزوں سے بھی بچتے ہیں اور تقوی و پرہیز گاری کے ذریعہ دین کو حاصل کرتے ہیں۔

ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی مکمل ولایت و سرپرستی حاصل ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ خود ان کی مدد و اعانت کی ذمہ داری سنبھالتا ہے۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ پہلی قسم کے لوگ جو متوسط درجے سے تعلق رکھتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی سرپرستی نہیں فرماتا ہے۔ یہ متوسط درجے والے بھی اولیاء اللہ کے زمرہ میں آتے ہیں اور انہیں بھی اللہ تعالیٰ کی مدد حاصل ہوتی ہے، لیکن وہ ان مقربین کے درجے میں نہیں ہوتے، خیر و بھلائی کی طرف سبقت کرنا جن کا شیوہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کا نام "الحفیظ" جل جلالہ

اللہ تعالیٰ کا نام "الحفیظ" فعیل کے وزن پر ہے جو مبالغہ کا صیغہ ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ بہت زبردست اور عظیم الشان طریقہ سے حفاظت کرنے والا ہے۔ اس کی حفاظت ہر چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔

یہ حفاظت دو طرح کی ہوتی ہے:

ایک عام حفاظت، دوسری خاص حفاظت۔

عام حفاظت میں ساری مخلوق شامل ہے۔ اس کے دائرہ میں مومن کافر، نیک و بد، آسمان و زمین، سمندر اور چوپائے سب آتے ہیں۔ اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: ﴿إِنَّ رَبِّي عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ حَفِيظٌ﴾ [سورة هود: 57].

(ترجمہ: یقیناً میرا پروردگار ہر چیز پر نگہبان ہے۔)

دوسری جگہ ارشاد ہے: ﴿وَرَبُّكَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ حَفِيظٌ﴾ [سورة سبأ: 21].

(ترجمہ: اور آپ کا رب ہر چیز پر نگہبان ہے۔)

اللہ پاک آسمانوں اور زمین اور ان میں جو کچھ ہے سب کی نگہبانی و حفاظت کرتا ہے۔ بسا اوقات ہمیں یہ شعور و ادراک بھی نہیں ہوتا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان عظیم الشان مخلوقات کی حفاظت و نگہبانی کیسے کی جارہی ہے، اس لئے کہ یہ ہمیشہ ہمیں اپنی اصلی حالت پر برقرار نظر آتے ہیں۔ ہمیں اس کا ادراک تب ہوتا ہے جب بھیانک زلزلے، ہلاکت خیز سیلاب اور آندھیاں آتی ہیں یا کہیں آتش فشاں پہاڑ پھٹ پڑتا ہے اور آپ دیکھتے ہیں کہ لوگ جان بچانے کے لئے راستوں پر بھاگ رہے

ہیں، درخت اکھڑ جاتے ہیں، مکانات ہلنے لگتے ہیں، زمین پھٹ جاتی ہے، اس وقت آپ کو اللہ تعالیٰ کی حفاظت و نگہبانی کا احساس ہوتا ہے۔ اور اس وقت آپ اللہ تعالیٰ کے ان ارشادات کی حقیقت کو بہت قریب سے محسوس کرنے لگتے ہیں: ﴿وَجَعَلْنَا ٱلسَّمَآءَ سَقْفًا مَّحْفُوظًا ۖ وَهُمْ عَنْ ءَايَٰتِهَا مُعْرِضُونَ﴾ [سورة الأنبياء:32].

(ترجمہ: آسمان کو محفوظ چھت بھی ہم نے ہی بنایا ہے، لیکن لوگ اس کی قدرت کے نمونے پر دھیان ہی نہیں دیتے۔)

دوسری جگہ ارشاد ہے: ﴿وَيُمْسِكُ ٱلسَّمَآءَ أَن تَقَعَ عَلَى ٱلْأَرْضِ إِلَّا بِإِذْنِهِۦٓ﴾ [سورة الحج:65].

(ترجمہ: وہی آسمان کو تھامے ہوئے ہے کہ زمین پر اس کی اجازت کے بغیر گر نہ پڑے۔)

یہ اللہ تعالیٰ کی حفاظت و نگہبانی ہی ہے جس کی وجہ سے آسمان نہ حرکت کرتا ہے، نہ ایک طرف جھکتا ہے اور نہ زمین پر گرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کسی مشقت و کلفت کے بغیر ان بھاری بھر کم مخلوقات کی حفاظت و نگہبانی کرتا ہے۔ اس کے لئے ادنی درجہ کی مشقت و تھکن اسے لاحق نہیں ہوتی جیسا کہ خود اس نے اس کی وضاحت فرمادی ہے: ﴿وَسِعَ كُرْسِيُّهُ ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضَ ۖ وَلَا يَـُٔودُهُۥ حِفْظُهُمَا ۚ وَهُوَ ٱلْعَلِىُّ ٱلْعَظِيمُ ﴿٢٥٥﴾﴾ [سورة البقرة:255].

(ترجمہ: اس کی کرسی کی وسعت نے زمین و آسمان کو گھیر رکھا ہے اور اللہ تعالیٰ ان کی حفاظت سے نہ تھکتا نہ اکتاتا ہے، وہ تو بہت بلند اور بہت بڑا ہے۔)

اللہ کے اس فرمان کے اندر اس کی حفاظت کی وسعت پر غور کریں ﴿إِن كُلُّ نَفْسٍ لَّمَّا عَلَيْهَا حَافِظٌ﴾
ترجمہ: (کوئی ایسا نہیں جس پر نگہبان فرشتہ نہ ہو)

ہر نفس پر ایک محافظ مکلف ہے جو حکم الٰہی سے اس کی حفاظت کرتا ہے، یہ محافظ اللہ کے معزز فرشتے ہیں۔ یہ فرشتے انسان کی بیداری کی حالت میں، نیند کی حالت میں، چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے، داخل ہوتے اور نکلتے وقت، اور سفر و حضر میں ہلاکت و خطرناکی اور برے انجام سے اس کی حفاظت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿لَهُۥ مُعَقِّبَٰتٌ مِّنۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِۦ يَحْفَظُونَهُۥ مِنْ أَمْرِ ٱللَّهِ﴾

ترجمہ: اس کے پہرے دار انسان کے آگے پیچھے مقرر ہیں، جو اللہ کے حکم سے اس کی نگہبانی کرتے ہیں۔

یہ محافظ فرشتے مخلوق کے اعمال کو محفوظ کرتے ہیں، ان کے اقوال افعال کو شمار کرتے ہیں۔ ان سے کوئی چیز اوجھل نہیں ہوتی اور نہ ہی کوئی شے ان سے پوشیدہ رہتی ہے۔ ﴿وَإِنَّ عَلَيْكُمْ لَحَٰفِظِينَ ﴿١٠﴾ كِرَامًا كَٰتِبِينَ ﴿١١﴾ يَعْلَمُونَ مَا تَفْعَلُونَ ﴿١٢﴾﴾

ترجمہ: یقیناً تم پر نگہبان عزت والے لکھنے والے مقرر ہیں، جو کچھ تم کرتے ہو وہ جانتے ہیں۔

ان تمام اقوال وافعال کا اللہ انہیں بروز قیامت بدلہ دے گا، اچھے عمل کا نتیجہ یقیناً اچھا ہو گا اور برے کا برا۔

خصوصی حفاظت: یہ حفاظت اللہ کے مومن بندوں کے ساتھ خاص ہے۔

جو شخص اس حفاظت کا خواہش مند ہو اور اس میں شامل ہونا چاہتا ہو، تو اس حفاظت کا ضابطہ رسول اللہ ﷺ کا یہ قول ہے: "اللہ کے (احکام) کی حفاظت کرو اللہ تمہاری حفاظت فرمائے گا" کیوں کہ اللہ اسی کی نگہبانی کرتا ہے جو اس کے (اوامر) کی حفاظت کرتے ہیں، آپ جس قدر اللہ (کے احکام) کی حفاظت کریں گے، اسی قدر اللہ بھی آپ کی حفاظت کرے گا، جب اس کے (حکم) کیآپ مکمل حفاظت کریں گے تو اللہ بھی آپ کی مکمل حفاظت کرے گا، اور جب آپ اس (کے احکام) کی حفاظت میں کمی کریں گے تو اللہ بھی آپ کے لیے اپنی نگہبانی میں کمی لے آئے گا۔ اس لیے کہ بدلہ عمل کے جنس سے ہے۔

بندہ اپنے رب کی حفاظت کیسے کر سکتا ہے؟

اہل علم نے اس مسئلے میں تفصیل بیان کی ہے، لیکن ہم تین نقاط میں گفتگو کریں گے:

۱-اللہ کے حدود کی حفاظت کرنا۔

۲-اعضاء وجوارح کی حفاظت کرنا۔

۳-دل کی حفاظت کرنا۔

یہ ایسی تین چیزیں ہیں کہ اگر آپ ان کو محفوظ رکھنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں تو آپ اس لائق ہو جاتے ہیں کہ آپ کو اللہ کی خصوصی حفاظت مل سکے۔

اللہ کے حدود: اللہ تعالی فرماتا ہے: ﴿وَالْحَافِظُونَ لِحُدُودِ اللَّهِ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ﴾

ترجمہ: اور اللہ کی حدوں کا خیال رکھنے والے اور مومنوں کو خوشخبری سنا دیجئے۔

اللہ کے حدود سے مراد اس کے اوامر ونواہی ہیں، یہ پورے دین کو شامل ہے، لیکن ان امور وواجبات میں سب سے اہم چیز جس کی حفاظت انسان پر لازم ہے وہ (نماز) ہے۔ نماز ہی ایسا پیمانہ ہے جس سے اللہ کے تمام اوامر کے تعلق سے آپ اپنی حفاظت کا اندازہ کر سکتے ہیں۔ اللہ تعالی فرماتا ہے: ﴿حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْوُسْطَىٰ وَقُومُوا لِلَّهِ قَانِتِينَ﴾

ترجمہ: نمازوں کی حفاظت کرو، بالخصوص درمیان والی نماز کی، اور اللہ تعالی کے لئے باادب کھڑے رہا کرو۔

نیز اللہ پاک فرماتا ہے: ﴿وَالَّذِينَ هُمْ عَلَىٰ صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُونَ﴾

ترجمہ: جو اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں۔

ارشاد نبوی ﷺ ہے: جو پنج وقتہ نماز، ان کے رکوع وسجود اور اوقات کی حفاظت کرے اور یہ یقین رکھے کہ یہ اللہ کی جانب سے حق ہیں تو وہ جنت میں داخل ہو گا" یا آپ ﷺ نے یہ فرمایا کہ: "اس کے لئے جنت واجب ہو گئی" یا یہ فرمایا کہ: "جہنم اس کے اوپر حرام کر دی گئی"[1]۔

---

[1] اسے امام احمد نے جید سند کے ساتھ روایت کیا ہے اور شیخ البانی نے اسے صحیح الترغیب: (۱/۲۷۶) میں حسن قرار دیا ہے۔

ایک دوسری حدیث میں ہے "جو ان نمازوں پر دوام برتتا ہے، اس کے لئے یہ نمازیں قیامت کے دن روشنی، حجت اور نجات کا ذریعہ بن جائیں گی"[1]۔

نماز آپ کا سرمایہ ہے، وہ تمام عباتوں کی بنیاد ہے، وہ آپ کی مدافعت کرنے والا پہلا ہتھیار ہے، جب میت کو اس کی قبر میں رکھا جاتا ہے تو نماز اس کے سر کی جانب سے آتی ہے تا کہ اس کا دفاع کر سکے اور یہ کہتی ہے کہ "میرے طرف سے (عذاب کا) کوئی راستہ نہیں"[2]۔

نماز ایسی عبادت ہے جس کے طفیل بندے کو اللہ کے چہرے کا دیدار نصیب ہو گا۔

"پس اگر تم ایسا کر سکتے ہو کہ سورج طلوع ہونے سے پہلے والی نماز (فجر) اور سورج غروب ہونے سے پہلے والی نماز (عصر) سے تمھیں کوئی چیز روک نہ سکے تو ایسا ضرور کرو"[3]۔

جب اللہ اہل جنت کے لیے اپنا چہرہ انور کھولے گا اور وہ اللہ جل شانہ کے چہرہ مبارک کا دیدار کریں گے تو پاکی وتعریف والے اللہ کے چہرہ انور کے دیدار سے حاصل ہونے والی عظیم چاشنی کی وجہ سے وہ جنت کی نعمت تک کو بھول جائیں گے۔ یہ وہ نعمت ہے جس سے بڑھ کر کوئی اور نعمت نہیں۔ ہم اللہ کے اس فضلکا سوال کرتے ہیں، اور یہ فضل نماز سے ہی حاصل ہو سکتا ہے۔

نماز ایسی عبادت ہے جو آپ کے گناہوں کو دھو دیتی ہے۔ "پانچوں نمازوں کی مثال گہری بہتی نہر کے مانند ہے جو کسی کے دروازہ پر ہو اور وہ ہر روز اس میں پانچ بار نہاتا ہو"[4]۔

یہ نماز ہی ہے کہ جب آپ اس میں کامیابی حاصل کر لیتے ہیں تو آپ اپنے تمام اعمال میں کامیاب ہو جائیں گے۔

---

[1] اسے امام احمد نے جید سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔

[2] اس حدیث کو امام طبرانی نے المعجم الاوسط اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے اور شیخ البانی نے صحیح الترغیب(۳/۴۰۴) میں حسن کہا ہے۔

[3] صحیح مسلم

[4] صحیح مسلم

جب آپ نماز کو ضائع کر دیں گے ،اس میں کمی کرنے لگیں گے ،اس کی ادائگی میں جلدی کرنے لگیں گے ،اس سے بے اعتنائی برتنے لگیں گے (تو اس طرح کی) نماز سے آپ فارغ بھی نہ ہوں گے کہ وہ یہ بد دعا کرے گی: اللہ تمہیں بھی ضائع کر دے جس طرح تو نے مجھے ضائع کر دیا!! آپ یہ یقین کر لیں کہ اس کی پامالی کی وجہ سے آپ اللہ کے دیگر اوامر اور حقوق کو اس سے زیادہ ضائع کرنے والے ٹھہریں گے۔

اس لئے میں دوبارہ آپ سے یہ بات کہہ رہی ہوں کہ: نماز ہی ایسا پیمانہ ہے جس سے اللہ کے تمام اوامر کے تعلق سے آپ اپنی حفاظت کا اندازہ کر سکتے ہیں۔

گویا کہ نماز بنیاد ہے، جب آپ بنیاد کو مضبوط (محفوظ) کر لیں گے تو شاخیں بھی ضرور مضبوط (محفوظ) رہیں گی۔

۱- نماز کی حفاظت اور اس کی پابندی کی ابتداء وضو سے ہوتی ہے، اچھے انداز میں اور مکمل طور پر وضو کریں اور یہ احساس رکھیں کہ یقیناً وضو عبادت ہے اور آپ کا گناہ اس وضو (کے پانی) کے ساتھ بہ جاتا اور گر جاتا ہے "جب کوئی مسلمان وضو کرتا ہے تو اسکی خطائیں اس کے کان، آنکھ، ہاتھ اور پاؤں سے نکل جاتی ہیں، اگر وہ بیٹھتا ہے تو بخشش کے ساتھ بیٹھتا ہے[1]"۔

۲- نماز کی حفاظت یہ بھی ہے کہ آپ اس بات کی معرفت رکھیں کہ نماز امتحان گاہ ہے جہاں اللہ لوگوں کا امتحان لیتا ہے، نماز کے اندر جس کا قیام بہتر ہو گا اللہ کے سامنے بھی اس کا وقوف بہتر ہو گا، جب آپ اپنی نماز میں داخل ہوں تو نفس کا مقابلہ ضرور کریں تاکہ نماز کے اندر شیطان آپ کو مغلوب نہ کر سکے۔ کیوں کہ (نماز) کے اندر شیطان کی طرف سے بار بار (وسوسے) اور حملے ہوتے ہیں، بالخصوص اس حال میں جب کہ آپ کو یہ معلوم ہے کہ شیطان ابن آدم کے دل پر اپنی لگام ڈالے رکھتا ہے، اگر بندہ اللہ کا ذکر کرتا ہے تو شیطان پیچھے ہٹ جاتا ہے لیکن اگر وہ اللہ کو بھول بیٹھتا ہے تو شیطان اس کے دل پر حاوی ہو جاتا ہے، اس لئے آپ بیدار رہیں، نماز کے محافظ رہیں، اس میں مشغول رہیں، وسوسوں

[1] (صحیح الترغیب والترہیب: ۱۹۳)

اور خیالات سے اپنے دل کو قابو میں رکھیں، اور دل کے بکھرے خیال کو سمیٹے رہیں یہاں تک کہ آپ نماز سے فارغ ہو جائیں اور آپ کے حق میں مکمل نماز لکھی جائے۔

عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے: ""آدمی (نماز پڑھ کر) لوٹتا ہے تو اسے اپنی نماز کے ثواب کا صرف دسواں، نواں، آٹھواں، ساتواں، چھٹا، پانچواں، چوتھا، تیسرا اور آدھا ہی حصہ ملتا ہے"[1]۔

۳- نماز کی حفاظت یہ بھی ہے کہ آپ اللہ سے بکثرت اور اصرار کے ساتھ یہ دعا کریں کہ اللہ نماز میں آپ کی آنکھوں کی ٹھنڈک رکھ دے اور اس میں آپ کو خشوع و خضوع سے نوازے، کیوں کہ خشوع و خضوع نماز کا مغز، اس کی روح اور لذت ہے، اللہ فرماتا ہے: ﴿قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ ۝١ الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ ۝٢﴾

ترجمہ: یقیناً ایمان والوں نے فلاح حاصل کر لی، جو اپنی نماز میں خشوع کرتے ہیں۔

اور رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: "کوئی ایسا مسلمان نہیں جو وضو کرتا ہے اور اچھے انداز میں مکمل طور پر وضو کرتا ہے پھر نماز کے لئے کھڑا ہوتا ہے، وہ جو کہتا ہے اسے وہ جان رہا ہوتا ہے، تو جب وہ نماز سے فارغ ہوتا ہے تو اس کی حالت ویسی ہی ہوتی ہے جیسی حالت اس دن تھی جس دن اس کی ماں نے اسے جنم دیا"[2]۔(اس حدیث کو امام حاکم نے روایت کیا ہے اور کہا کہ اس کے اسناد صحیح ہیں، صحیح الترغیب۔۱/۳۵۵)

اگر نماز آپ کو مشغول رکھتی ہو، وہ آپ کے لئے اہم ہو، آپ کا اہم مسئلہ ہو، آپ چاہتے ہوں کہ آپ نماز میں بہتری لائیں، اس میں حسن پیدا کریں، اور آپ ان لوگوں میں شمار کیے جائیں جو نماز میں داخل ہوتے ہیں تو انہیں احساس ہوتا ہے کہ اللہ انہیں دیکھ رہا ہے، ان کی تلاوت بغور سن رہا ہے، اسی وجہ

---

[1] (صحیح الترغیب والترہیب ۱/۳۵۵)

[2] (اس حدیث کو امام حاکم نے روایت کیا ہے اور کہا کہ اس کی سند صحیح ہے، صحیح الترغیب:۳۵۵)

سے ان کا دل اور ان کے اعضاء وجوارح (نماز) میں حاضر ہوتے ہیں، بلکہ آپ ان سے بھی زیادہ ترقی کرنا چاہتے ہیں، تاکہ آپ ان لوگوں میں شامل ہوجائیں جو نماز میں ہوتے ہیں تو اس طرح ہوتے ہیں گویا کہ وہ اپنی نگاہ کے سامنے (اللہ) کا دیدار کررہے ہوں، ان کے دل اللہ (کی یاد) میں منہمک ہوتے ہیں، چاہے (تلاوت اور نماز) کتنی ہی لمبی کیوں نہ ہو جائے، اور اس کے پاؤں کی حالت بدل ہی کیوں نہ جائے۔ وہ اپنی نماز سے محظوظ ہورہے ہوتے ہیں اور خواہش کرتے ہیں کہ نماز ختم ہی نہ ہو۔ (اگر آپ ایسا چاہتے ہیں) تو بکثرت یہ دعا کریں کہ اللہ نماز میں آپ کی آنکھوں کی ٹھنڈک رکھ دے اور نماز کے اندر خشوع، لمبے قیام اور اس کیلذت سے نوازے۔ کیوں کہ دعا اس غم کو دور کردیتا جس سے آپ کا دل بوجھل ہوتا ہے، اللہ کینظر میں دعا سے زیادہ کوئی بھی چیز معزز نہیں۔

اعضاء وجوارح کی حفاظت: ہم سابقہ نقطہ میں یہ ذکر کرچکے ہیں کہ اللہ کے حدود و اوامر میں سے سب سے اہم چیز جس کی حفاظت آپ پر واجب ہے وہ نماز ہے۔ اگر آپ اس کی حفاظت کرتے ہیں تو اس کے ماسوا جو اوامر ہیں، آپ ان کی زیادہ حفاظت کرسکیں گے، جب آپ اس کی حفاظت کریں گے تو اللہ اپنے بقیہ اوامر میں بھی آپ کی حفاظت کرے گا، اس باب میں ہم یہ کہیں گے کہ آپ کے اعضاء میں سے سب سے اہم چیز جس کی حفاظت آپ پر واجب ہے وہ زبان ہے۔

زبان کی حفاظت کریں اللہ آپ کے دیگر اعضاء وجوارح کی حفاظت کرے گا۔

جب ابن آدم صبح کرتا ہے تو تمام اعضاء زبان کو لعن وطعن کرتے ہیں اور کہتے ہیں: تو ہمارے سلسلے میں اللہ سے ڈر اس لیے کہ ہماری درستگی تم سے ہے، اگر تو سیدھی رہی تو ہم سب سیدھے رہیں گے اور اگر تو ٹیڑھی ہوگئی تو ہم سب بھی ٹیڑھے ہوجائیں گے "[1]۔

زبان کو لعن وطعن کرنے کا مطلب یہ ہے کہ: اعضاء وجوارح تواضع اور عاجزی کے ساتھ زبان کو مخاطب کرتے ہیں، زبان خطرناک اور مشکل دروازہ ہے، بہت کم لوگ اس سے نجات پاتے اور مامون

---

[1] (اس حدیث کو امام ترمذی اور ابن ابی الدینا نے روایت کیا ہے، علامہ البانی نے اسے صحیح الترغیب والترہیب ۳/۹۳ میں حسن قرار دیا ہے)

رہتے ہیں، زبان آزمائش کی جگہ ہے، نیک وصالحین لوگ سب سے زیادہ زبان سے ہی خوف کھاتے ہیں، کبھی ایک کلمہ کی وجہ سے انسان سربلند ہو جاتا ہے تو کبھی وہ محض ایک کلمہ کی بنیاد پر مشرق و مغرب کی مسافت سے زیادہ دور جا گرتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع سے اپنی زوجہ زینب رضی اللہ عنہا سے فرمایا: "تم نے ایسی بات کہی ہے کہ اگر وہ سمندر کے پانی میں گھول دی جائے تو وہ اس پر بھی غالب آجائے گی"[1]۔

"ام المؤمنین صفیہ رضی اللہ عنہا کا ایک اونٹ بیمار ہو گیا اور ام المؤمنین زینب رضی اللہ عنہا کے پاس ایک فاضل سواری تھی تو رسول اللہ ﷺ نے زینب سے فرمایا: "تم اسے ایک اونٹ دے دو" وہ بولیں: میں اس یہودیہ کو دے دوں؟ اس پر رسول اللہ ﷺ ناراض ہو گئے اور ذی الحجہ، محرم اور صفر کے چند دنوں تک ان سے بات چیت ترک رکھی"[2]۔ صرف ایک بات کی وجہ سے (آپ نے ایسا رویہ اپنایا)۔

جابر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے، اسی دوران بدبو دار ہوا اٹھی، اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تم جانتے ہو یہ کیسی بدبو ہے؟ یہ ان لوگوں کی بدبو ہے جو مومن بندوں کی غیبت کرتے ہیں"[3]۔

ہماری زبان کی وجہ سے ہی شیطان ہمیں گمراہ کرنے میں کامیاب ہوتا ہے!!

اگر زبان اور ان کلمات کی فہرست کھول کر بیٹھ جائیں جنہیں ہم دن و رات بولتے ہیں تو ہم اپنے آپ کو مصائب کے گھیرے میں پائیں گے، بالکل اس سیلاب کی طرح جو بہت تیزی سے آتا ہے اور ہمیں پوری طرح ڈبو دیتا ہے اور ہم میں سے کوئی اس سے بچ نہیں پاتا....!! ہم میں سے ہر کوئی تہمت کے زد میں

---

[1] (اس حدیث کو امام ابو داؤد، امام ترمذی اور امام بیہقی نے روایت کیا ہے اور امام ترمذی نے حسن صحیح کہا ہے۔ صحیح الترغیب: ۷۷/۳)

[2] (ابو داؤد نے اس کی روایت کی ہے: صحیح الترغیب: ۷۷/۳)

[3] (امام احمد اور ابن ابی الدنیا نے اس کی روایت کی ہے، صحیح الترغیب والترہیب، ۷۹/۳)

ہے، ہر کوئی بولتا اور باتیں بناتا ہے، ہر کوئی اپنی زبان چلاتا اور (لوگوں کو طعن و تشنیع کا) نشانہ بناتا ہے! یہ (ایسا معاملہ ہے) جس سے بچنے کی کوئی راہ نہیں...

ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے اس قول پر غور کریں: "قسم ہے اس ذات کی جس کے سوا کوئی معبود بر حق نہیں، روئے زمین پر کوئی ایسی چیز نہیں جسے محبوس رکھنے کی زیادہ ضرورت ہو بنسبت زبان کے "حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اپنے زبان کو کھینچ کر کہتے تھے: "اسی نے مجھے ان انجاموں تک پہنچایا"[1]۔ اللہ پاک فرماتا ہے: ﴿وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ﴾

ترجمہ: بڑی خرابی ہے ہر ایسے شخص کی جو عیب ٹٹولنے والا غیبت کرنے والا ہے۔

غیبت اور عیب جوئی میں زندگی کا کتنا حصہ صرف ہوتا ہے؟؟

چند ہی لمحے اور سکنڈ کی بات ہوتی ہے، محض زبان کو حرکت دی جاتی ہے، آنکھ یا منہ اور دوسرے اعضاء سے اشارہ کیا جاتا ہے، لیکن ایسا کرنے کا انجام کیا ہوتا ہے؟ (اس کا انجام) ویل ہے، (جو جہنم میں ایسی وادی کا نام ہے جس میں جہنمی کے خون اور پیپ بہیں گے) ہم اپنے نامہ اعمال کا اکثر حصہ اپنی زبانوں کی لغزشوں اور ان کی غلط بیانیوں سے سیاہ کرتے ہیں، اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جسم کا کوئی ایسا حصہ نہیں جو زبان کی تیزی و شدت سے (پیدا ہونے والی) خرابی و بدی کی شکایت نہ کرتا ہو"[2]۔

زبان کی خرابی کا مطلب ہے اس کا شر اور اس کی فحش گوئی۔

اسی بنیاد پر رسول اللہ ﷺ نے یہ نصیحت فرمائی کہ: "جس نے اپنی دونوں ڈاڑھوں اور اپنے دونوں ٹانگوں کے درمیانی حصے کی حفاظت کر لی وہ جنت میں داخل ہو گا"[3]۔

یہ ایک معلوم سی بات ہے کہ جسمانی حفاظت کا مطلب یہ ہے کہ آپ اسے محرمات سے بچائیں اور اطاعت الٰہی میں استعمال کریں، جو اپنے اعضاء و جوارح سے مستفید ہونا چاہتا ہو اور اس معنی کو محسوس

---

[1] (صحیح الترغیب والترہیب)

[2] (صحیح الترغیب والترہیب)

[3] (صحیح الترغیب والترہیب)

کرنا چاہتا ہو جو ہم اپنی دعاؤں میں بار بار دہراتے ہیں: "اے اللہ ہماری نگاہوں اور ہماری بصارت کی حفاظت فرما اور انہیں ہمارا وارث بنا" تو اسے چاہیے کہ اللہ کی اطاعت میں ان کا استعمال کرے، اللہ اس کے لئے انہیں محفوظ رکھے گا۔

ابو طیب طبری جن کی عمر سو سال سے تجاوز کر چکی تھی اور اس عمر میں بھی اپنی عقل و فراست اور قوت وطاقت سے لیس تھے، ایک دن انہوں نے کشتی سے زمین پر بہت زبردست انداز میں چھلانگ لگایا جس پر انہیں ملامت کی گئی، اس وقت انہوں نے کہا: "یہ وہ اعضاء ہیں جنہیں ہم نے بچپن میں معاصی سے بچائے رکھا، تو اللہ نے انہیں بڑھاپے میں ہمارے لئے محفوظ رکھا"[1]۔

دل کی حفاظت: آپ کا دل، اللہ کی جانب سے آپ کو دی گئی امانت ہے، اس لئے آپ اس کے تعلق سے کوتاہی کرنے، یا اس میں خیانت کرنے یا اسے بیکار چھوڑنے سے بچیں، وہ ایسی جگہ ہے جس پر اللہ کی نگاہ ہوتی ہے، وہ انسانی جسم کا سب سے نفیس، سب سے اشرف اور سب سے قیمتی عضو ہے، وہ اللہ تک لے جانے والا آپ کا راستہ ہے، اللہ کی طرف سفر ایک ایسا سفر ہے جو پاؤں، نفیس اونٹوں اور جانوروں کی سواریوں سے طے نہیں کیا جاتا بلکہ دلوں کا اللہ کی جانب (پھر جانا) ہی اللہ کی طرف سفر کرنا ہے: ﴿يَوْمَ لَا يَنفَعُ مَالٌ وَلَا بَنُونَ ﴿٨٨﴾﴾

ترجمہ: جس دن کہ مال اور اولاد کچھ کام نہ آئے گی، لیکن فائدہ والا وہی ہو گا جو اللہ تعالی کے سامنے بے عیب دل لے کر جائے۔

میں "نور علی الدرب" (جو "إذاعة القرآن الكريم" ریڈیو چینل پر نشر ہوتا ہے) نامی پروگرام کے سلسلہ کو سنا کرتی تھی، اس پروگرام سے ایک خاتون نے رابطہ کرتے ہوئے کہا: موسم سرما میں اسے عبادت کرنے میں سستی اور اکتاہٹ ہونے لگتی ہے خاص کر وتر اور قیام اللیل میں سخت ٹھنڈ کی وجہ سے اس کا سامنا ہوتا ہے۔

---

[1] (نور الاقتباس: ابن رجب)

شیخ نے اس عبارت کے ذریعے اس کا جواب دیا، یہی وہ نکتہ ہے جسے میں بیان کرنا چاہتی ہوں۔ وہ عبارت درست اور صحیح ہے جو آپ کے لئے (اے قاری) دل کی عظمتِ شان کو بیان کرتی ہے!!

شیخ نے اس سے کہا: "جب دل زندہ ہوتا ہے تو چاہے موسم گرما ہو یا موسم سرما جسم کے اندر حرکت باقی رہتی ہے"، اور یہ بات درست ہے۔

جب دل شاداب ہوتا ہے تو اعضاء وجوارح بھی شاداب رہتے ہیں، ہم جسم کو حرکت دیتے ہیں اور ہمیں عبادت میں نشاط محسوس ہوتا ہے، لیکن جب دل کمزور پڑ جاتا ہے تو اعضاء بھی کمزوری کے شکار ہو جاتے ہیں، جسم میں اکتاہٹ آجاتی ہے اور وہ عبادت میں سست پڑ جاتا ہے...

اگر ہم اپنے دلوں کا خیال نہیں رکھیں گے تو ہمارے اعضاء بیکار ہو جائیں گے، جیسا کہ حسن رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: "اپنے دل کا علاج کریں، کیوں کہ رب کا بندے سے یہی مطالبہ ہے کہ وہ اپنے دلوں کی اصلاح کریں"۔ (جامع العلوم والحکم)

ہم اپنے دلوں کی حفاظت کیسے کریں؟

۱- آپ اپنے دل کو شکوک وشبہات سے محفوظ رکھیں تاکہ آپ کا دل ضائع اور برباد نہ ہو۔

۲- آپ اپنے دل کی حفاظت کریں اس طور پر کہ فریب، خباثت، برے ارادے اور دلوں کی معصیت سے اسے پاک وصاف اور خالی رکھیں، کیوں کہ یہ تمام برے اوصاف دل کو برباد اور خراب کر دیتے ہیں۔

۳- آپ اپنے دل کی محافظت اس طرح کریں کہ آپ اپنے رب کے اسماء وصفات کا علم حاصل کریں، جو اللہ کے نزدیک اپنا مقام جاننا چاہتا ہو تو اس کو چاہیے کہ وہ اپنے اندر اللہ کی عظمت کو دیکھے، کیوں کہ اللہ اپنی جانب سے بندہ کو وہی منزلت عطا کرتا ہے جو مقام بندہ کے دل میں رب کا ہوتا ہے۔

۴- کلام الٰہی سے دل کو بکثرت سیراب کر کے اس کی حفاظت کریں تاکہ یہ دل خشک ہو کر بالکل سوکھ نہ جائے، سخت نہ ہو جائے اور اس چٹیل وبنجر زمین کے مانند نہ ہو جائے، جہاں کوئی پودا اور پانی نہیں ہوتا: ﴿فَوَيْلٌ لِّلْقَٰسِيَةِ قُلُوبُهُم مِّن ذِكْرِ ٱللَّهِ﴾

ترجمہ: ہلاکی ہے ان پر جن کے دل یاد الٰہی سے (اثر نہیں لیتے) بلکہ سخت ہو گئے ہیں۔

۵- کثرت سے قلبی اعمال انجام دے کر اپنے دل کی حفاظت کریں جیسے کہ (محبت کرنا، خوف کھانا، امید رکھنا، عاجزی و خشوع اختیار کرنا، توبہ وانابت کرنا، انکساری کرنا، بھروسہ کرنا، حضور دل سے اللہ کو یاد کرنا، متوجہ ہونا، خود سپردگی کرنا اور تعظیم بجالانا... اور ان جیسے دیگر قلبی اعمال انجام دینا)

آپ اپنے آپ کو اس کا خوگر بنائیں، یہ تمام کے تمام اعمال آپ کو آپ کے دل کی سلامتی، اس کی پاکی، رقت اور اس کی نرمی کی ضمانت دیتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "بلاشبہ اللہ تعالی کے برتن ہیں، جن کا تعلق اہل زمین سے ہے، تمہارے پروردگار کے برتن نیک لوگوں کے دل ہیں، ان میں سے اسے سب سے زیادہ پسندیدہ، زیادہ نرمی اور شفقت والے ہیں"[1]۔ اللہ رب العالمین کی جانب سے اس طرح کے دل رکھنے والوں کے لئے پہلے ہی سے بشارت ہے۔ اللہ فرماتا ہے: ﴿وَبَشِّرِ ٱلْمُخْبِتِينَ﴾

ترجمہ: عاجزی کرنے والوں کو خوشخبری سنادیجئے۔

آپ ہر اس شخص کو بشارت دے دیں جن کا دل نرم ہے، جن کا دل کانپتا ہے، اور جن کی آنکھیں نم ہو جاتی ہیں...

ہر اس شخص کو خوشخبری دے دیں، جو ڈرتے اور خوف کھاتے ہیں، جو عاجزی اختیار کرتے اور توبہ وانابت کرتے ہیں۔

ہر اس فرد کو مژدۂ جانفزا سنادیں جن کی آنکھوں کے آنسو گرم، لبالب اور بھرے ہوتے ہیں اور جو دن ورات اپنے آپ کو اپنے رب کی طرف کھنچتا ہوا محسوس کرتے ہیں۔ ﴿وَبَشِّرِ ٱلْمُخْبِتِينَ﴾

ترجمہ: عاجزی کرنے والوں کو خوشخبری سنادیجئے۔

حدیث میں آیا ہے: "جنت میں ایسی قومیں داخل ہوں گی جن کے دل پرندوں کے دلوں کی طرح ہوں گے"[2]۔

---

[1] (سلسلہ صحیحہ: ۱۶۹۱)

[2] صحیح مسلم: ۷۰۹

رقت ونرمی، خوف وہراس اور کمزوری وناتوانی میں ان کے دل پرندے کے دل کے مانند ہوں گے۔ وہ بکثرت اللہ کے سامنے گریہ وزاری کرنے والے ،(اس کی طرف) رجوع اور انابت کرنے والے ہیں، اگر ان میں سے کسی سے چھوٹا سے چھوٹا گناہ بھی سرزد ہو جائے تو وہ اسی طرح بے کل ومضطرب ہو جاتا ہے جس طرح گوریا بے کل ہو جاتی ہے، پھر وہ اپنے رب کی طرف رجوع کرتا اور لوٹ جاتا ہے۔

اپنے دل کی حفاظت کریں:

آپ کا دل آپ کے پاس امانت ہے، آپ جس قدر اپنے دل کا خیال رکھیں گے اسی قدر آپ کو اجر سے نوازا جائے گا، دل کی اصلاح کی کوشش سے بڑھ کر کسی اور چیز کی اصلاح کی کوشش نہیں ہو سکتی، حفاظت کے یہ تین محور ہیں، آپ اللہ کے حدود ،اپنے اعضاء وجوارح اور دل کی حفاظت کریں۔ اگر آپ نے ان تینوں کی حفاظت کرلی، تو اللہ آپ کی حفاظت فرمائے گا۔

حفاظت کے فائدے:

۱-اگر اللہ (حفیظ) آپ کی حفاظت کرے، تو آپ کے لئے خیر ہی خیر ہے، گویا آپ نے پورا خیر اپنے دامن میں سمیٹ لیا، اگر اللہ کی جانب سے آپ کو حفظ وامان مل گیا تو کسی کی یہ بساط نہیں کہ وہ آپ کو نقصان پہنچا سکے، آپ کو اذیت دے سکے، اور آپ پر تسلط جما سکے۔

۲-اگر اللہ آپ کی حفاظت کرے، تو آپ کے لئے اللہ کا دفاع بڑھ جائے گا، آپ کے حق میں اللہ کی مدد میں اضافہ ہو جائے گا، آپ کی خامیوں پر اس کی پردہ پوشی مزید دوبالا ہو جائے گی، تاکہ لوگ ان سے واقف نہ ہو سکیں۔ حفاظت کا نتیجہ اور اس کا فائدہ رسول اللہ ﷺ کے اس قول سے واضح ہو جاتا ہے: " اللہ کے (احکام) کی حفاظت کرو تم اسے اپنے سامنے پاؤ گے "۔ مطلب یہ ہے کہ آپ کو ہر حال میں اللہ کی معیت نصیب ہوگی اللہ آپ کی دیکھ بھال کرے گا، آپ کی مدد کرے گا، آپ کو راہ راست پر چلائے گا، اور اپنی راہ کی طرف رہنمائی کرے گا، آپ کے ایمان، دل، اہل خانہ، مال اور آپ کی اولاد کی حفاظت کرے گا۔

قتادہ کہتے ہیں: جو اللہ سے ڈرتا ہے، اللہ اس کے ساتھ ہو جاتا ہے، اور جسے اللہ کی معیت مل جائے، اس کے ساتھ ایسی جماعت ہوتی ہے، جو مغلوب نہیں ہوتی، ایسا نگہبان ہوتا ہے جو سوتا نہیں، اور ایسا رہنما ہوتا ہے جو گمراہ نہیں ہوتا، آپ قرآن پڑھ جائیں، آپ کے سامنے یکے بعد دیگرے ایسی آیات ہوں گی جو انبیائے کرام، نیک وصالح بندے، اور صحابہ کرام کے حق میں اللہ کی حفاظت کی تصویر پیش کریں گی۔ اللہ نے ان کے قلوب اور ایمان کی حفاظت کی، اس کا ذکر بہت سے مقامات پر آیا ہے، خاص کر ان سورتوں میں جن کے اندر غزوات پر گفتگو کی گئی ہے۔

لیکن بغیر تدبر کے ان آیتوں کا کیا فائدہ؟ ﴿قَدْ جَآءَكُم بَصَآئِرُ مِن رَّبِّكُمْ ۖ فَمَنْ أَبْصَرَ فَلِنَفْسِهِۦ ۖ وَمَنْ عَمِىَ فَعَلَيْهَا ۚ وَمَآ أَنَا۠ عَلَيْكُم بِحَفِيظٍ﴾

ترجمہ: اب بلاشبہ تمہارے پاس تمہارے رب کی جانب سے حق بینی کے ذرائع پہنچ چکے ہیں سو جو شخص دیکھ لے گا وہ اپنا فائدہ کرے گا اور جو شخص اندھا رہے گا وہ اپنا نقصان کرے گا اور میں تمہارا نگراں نہیں ہوں۔

۳-جب اللہ آپ کی حفاظت کرتا ہے تو وہ آپ کے اور اپنی معصیت کے درمیان حائل ہو جاتا ہے، ابن رجب نے اس شخص کے بارے میں ذکر کیا ہے جس نے کسی گناہ کا ارادہ کیا، (جب) وہ اس گناہ کے لئے نکلا تو راستے میں ایسے شخص کے پاس سے اس کا گزر ہوا جو اپنے درس میں وعظ کر رہا تھا، اس نے اسے یہ کہتے ہوئے سنا: اے برائی کا ارادہ کرنے والے نافرمان! کیا تمہیں یہ علم نہیں کہ ارادے کا خالق تمہارے (برے) ارادے سے باخبر ہے؟ (یہ سننا تھا) کہ وہ بے ہوش ہو کر گر پڑا اور ہوش آتے ہی اس نے توبہ کر لی[1]۔

کتنی باتیں ایسی ہیں جو اللہ آپ کو سناتا ہے، (جب کہ آپ بے کسی، کمزوری اور حیرت واستعجاب کی حالت میں ہوتے ہیں اور آپ کی جو حالت ہوتی ہے اس سے آپ اچھی طرح باخبر ہوتے ہیں) اس

[1] (نور الاقتباس: ابن رجب، تصرف کے ساتھ، میں قاری کو یہ مفید رسالہ پڑھنے کی نصیحت کرتی ہوں)۔

وقت اللہ آپ کو کسی خطیب یا کسی شیخ کی زبانی یا ریڈیو اور کسی دوسرے ذریعہ سے ان باتوں کو سناتا ہے۔ تاکہ آپ کے دین اور ایمان کی حفاظت کر سکے، آپ کو ثابت قدمی عطا کرے، آپ کو بیدا کر دے، آپ کو آپ کی حیرت سے باہر نکال دے، یا آپ کو اس گناہ سے واپس لوٹا دے جس کی طرف آپ بڑھے چلے جا رہے ہیں!!

اللہ آپ کو دل کی سماعت کے ذریعہ ان باتوں کو سناتا ہے۔ جس کے نتیجے میں اللہ آپ کو (گناہ سے) محفوظ رکھتا ہے اور آپکے اور اپنی معصیت کے مابین حائل ہو جاتا ہے۔ یہ آپ کے حق میں اللہ جل شانہ کی حفاظت کی ایک صورت ہے۔

۴-جب اللہ آپکی حفاظت کرتا ہے تو وہ آپ کے اور اس دنیاوی سبب کے درمیان حائل ہو جاتا ہے جو آپ کی اذیت اور نقصان کا باعث ہو سکتا تھا، ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: (جب بندہ تجارت اور امارت جیسے معاملے کا ارادہ کرتا ہے تو اللہ فرشتوں کی طرف دیکھ کر کہتا ہے، اسے اس سے پھیر دو کیوں کہ اگر میں نے اسے اس کے لیے آسان کر دیا تو میں اسے جہنم میں داخل کر دوں گا، چنانچہ اسے اس سے پھیر دیا جاتا ہے)[1]۔

[1] (نور الاقتباس: ابن رجب، تصرف کے ساتھ)

اللہ تعالی کا نام (الوھّاب) جل جلالہ

ابن القیم اپنے قصیدہ نونیہ میں فرماتے ہیں:

وكذلك الوهاب من أسمائه — فانظر مواهبه مدى الأزمان
أهل السماوات العلى والأرض — تلك المواهب ليس ينفكان

ترجمہ: اسی طرح اللہ کے ناموں میں سے ایک وہاب (بہت زیادہ نوازنے والا) بھی ہے۔
آپ ہر زمانے میں ہونے والی اللہ کی نوازشوں پر غور کریں۔ بلند آسمان اور زمین کے مکیں ان نوازشوں سے الگ نہیں ہیں۔

قرآن کریم کے اندر تین مقامات پر (اللہ کا اسم گرامی) الوہاب وارد ہوا ہے:

* اللہ فرماتا ہے: ﴿رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِن لَّدُنكَ رَحْمَةً ۚ إِنَّكَ أَنتَ ٱلْوَهَّابُ﴾

ترجمہ: اے ہمارے رب! ہمیں ہدایت دینے کے بعد ہمارے دل ٹیڑھے نہ کر دے اور ہمیں اپنے پاس سے رحمت عطا فرما، یقیناً تو ہی بڑی عطا دینے والا ہے۔

* نیز اللہ کا ارشاد ہے: ﴿أَمْ عِندَهُمْ خَزَآئِنُ رَحْمَةِ رَبِّكَ ٱلْعَزِيزِ ٱلْوَهَّابِ﴾

ترجمہ: کیا ان کے پاس تیرے زبردست فیاض رب کی رحمت کے خزانے ہیں۔

* اللہ تعالی سلیمان علیہ السلام کی زبانی فرماتا ہے: ﴿قَالَ رَبِّ ٱغْفِرْ لِى وَهَبْ لِى مُلْكًا لَّا يَنۢبَغِى لِأَحَدٍ مِّنۢ بَعْدِىٓ ۖ إِنَّكَ أَنتَ ٱلْوَهَّابُ﴾

ترجمہ: کہا اے میرے رب! مجھے بخش دے، اور مجھے ایسا ملک (بادشاہت) عطا فرما جو میرے سوا کسی (شخص) کے لائق نہ ہو تو بڑا ہی دینے والا ہے۔

ہبہ کی تعریف کیا ہے:

یہ ایسی نوازش کا نام ہے جو ہر طرح کے اغراض و مقاصد، بدلے، اذیت اور نقصان سے خالی ہوتی ہے۔

عطیہ کو ہبہ سے کب موسوم کیا جاتا ہے؟

جب عطیہ بدلے سے خالی ہو۔: آپ کو نوازے لیکن اس نوازش کی طفیل آپ سے کسی بدلے کی امید نہ رکھے، اس طور پر کہ آپ نوازنے والے کو اسی کے ہم مثل یا اس سے بہتر تحفہ سے نوازیں۔

جب یہ عطیہ ہر طرح کے اغراض و مقاصد سے خالی ہو۔ کوئی آپ کو عطا کرے لیکن آپ سے کسی طرح کی تعریف و مدح سرائی اور کسی طرح کے حصے کا منتظر نہ ہو اور نہ ہی وہ اس بات کا انتظار کرے کہ آپ اس کی کوئی مذمت کو دور کریں، چناں چہ وہ آپ کو بغیر کسی بدلے اور مقصد کے نوازے۔

جب یہ عطیہ ناپسندیدگی اور ضرر سے خالی اور پاک ہو: تو وہ پاک وصاف نوازش ہوتی ہے، جس میں کسی طرح کا نقصان، مکر و فریب، مہلت اور بدی شامل نہ ہو۔

کسی کو یہ حق حاصل نہیں کہ اسے وہّاب کے نام موسوم سے کیا جائے سوائے ان صورتوں کے:

جب اس کی نوازشیں مختلف، متعدد اور کثیر تعداد میں ہوں، یہ ایک ناحیے سے، اور دوسرے ناحیے سے اس کی نوازش مسلسل جاری رہے، اس میں دوام اور ہمیشگی ہو، اس بنیاد پر حقیقی معنوں میں نوازنے والا صرف اللہ عزیز و برتر ہی ہے، وہی پاک ذات ہے جس کی نوازشیں متنوع قسم کی ہیں، وہ جو بھی جس کے لئے چاہتا، نوازتا ہے، وہ مال و منال، حسن و جمال، علم و معرفت، آل واولاد، دنیا، بادشاہت، ساز و سامان، اطاعت، رحمت و مغفرت اور ہدایت عطا کرتا ہے... وہ تمام چیزیں عطا کرتا ہے... دنیا و آخرت سے تعلق رکھنے والی تمام چیزیں اللہ کی جانب سے عطا کردہ

ہیں،اور یہ (تمام نوازشیں)اللہ کے نام"وہاب"سے تعلق رکھتی ہیں۔اللہ کے تحفے اور نوازشیں اس کے بندوں پر بے حدو بے شمار برستی رہتی ہیں۔

﴿وَوَهَبْنَا لَهُم مِّن رَّحْمَتِنَا وَجَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا﴾

ترجمہ: اور ان سب کو ہم نے اپنی بہت سی رحمتیں عطا فرمائیں اور ہم نے ان کے ذکرِ جمیل کو بلند درجے کا کر دیا۔

﴿وَوَهَبْنَا لَهُ مِن رَّحْمَتِنَا أَخَاهُ هَارُونَ نَبِيًّا﴾

ترجمہ: اور اپنی خاص مہربانی سے اس کے بھائی کو نبی بنا کر عطا فرمایا۔

﴿وَوَهَبْنَا لَهُ إِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ نَافِلَةً ۖ وَكُلًّا جَعَلْنَا صَالِحِينَ﴾

ترجمہ: اور ہم نے اسے اسحاق عطا فرمایا اور یعقوب اس پر مزید اور ہر ایک کو ہم نے صالح بنایا۔

﴿وَوَهَبْنَا لَهُ يَحْيَىٰ وَأَصْلَحْنَا لَهُ زَوْجَهُ ۚ﴾

ترجمہ: اسے یحییٰ(علیہ السلام)عطا فرمایا اور ان کی بیوی کو ان کے لئے درست کر دیا۔

مختلف قسم کی نوازشیں آپ کو(وہاب)نوازنے والے کے مقام اور نوازش کی قدر و قیمت سے آگاہ کرتی ہیں،اگر کوئی حساس،زندہ اور روشن دل کے ساتھ کلمہ "وھبنا" کو پڑھے گا تو اسے یہ معرفت اور فہم حاصل ہو جائے گی کہ اس کلمے کا معنی ہے ہم نے بغیر سوال اور طلب کے عطا کیا... اور ہم نے نوازا اور اس میں وسعت سے کام لیا... ہم نے ایسی چیزیں عطا کر دی جس کے بارے میں کوئی یہ خیال بھی نہیں کر سکتا کہ ان چیزوں سے کوئی اور اسے نواز سکتا ہے... ہم ایسی چیزیں بھی عطا کرتے ہیں کہ کسی کے اندر یہ استطاعت نہیں کہ وہ کسی کو بھی ان چیزوں سے نواز دے۔

ایوب علیہ السلام کے تعلق سے اللہ فرماتا ہے: ﴿وَوَهَبْنَا لَهُ أَهْلَهُ وَمِثْلَهُم مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنَّا﴾

ترجمہ: اور ہم نے اسے اس کو پورا کنبہ عطا فرمایابلکہ اتنا ہی اور بھی اس کے ساتھ اپنی (خاص) رحمت سے۔

مفسرین کی ایک جماعت کا کہنا ہے کہ: حضرت ایوب علیہ السلام تیرہ سالوں تک اپنے مصائب سے جوجھتے رہے، یہاں تک قریب اور دور کے رشتے دار آپ سے کنارہ کش ہوگئے، ہم نشیں آپ کے ساتھ بیٹھنے سے کترانے لگے، مانوس لوگ آپ سے خوف کھانے لگے، دیگر لوگ بھی آپ سے الگ ہوگئے، آپ کے تمام مال اور اہل وعیال ختم ہوگئے.. ایک نیک وفادار بیوی ہی آپکے ساتھ باقی رہ گئی جو آپکی خدمت کرتی اور آپکی ضرورتوں کو پورا کیا کرتی تھیں، حتی کہ وہ آپ کے خورد ونوش کا انتظام کرنے کی خاطر لوگوں کی خدمت بھی کیا کرتی تھیں، اس مصیبت سے آپ کے صبر میں مزید اضافہ ہوا، امیدیں اور بڑھ گئیں، اور آپ (رب) کی تعریف زیادہ کرنے لگے۔

اس صبر کے بعد ان پر نوازشیں ہوئیں... اللہ نے انہیں ان کا پورا کنبہ اور اس کے مثل انہیں اور بھی عطا فرمایا، ان کے لئے ان کی مری ہوئی اولاد کو زندہ کر دیا، ان میں سے جو مریض تھے، ان کو شفا عطا کیا، جو بکھر گئے تھے ان کو ان کے پاس جمع کر دیا، اللہ نے انہیں وہ چیزیں عطا کی جو ان سے لے چکا تھا، بلکہ اس سے بھی بڑھ کر عطا کیا۔

صرف یہی نہیں بلکہ اللہ نے آسمان سے ان پر سونے کی ٹڈی نازل فرمایا، جیسا کہ صحیح بخاری میں میں آیا ہے، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

"ایوب علیہ السلام کپڑے اتار کر نہا رہے تھے کہ سونے کی ٹڈیوں کا ایک دل ان پر آکر گرا اور آپ انہیں کپڑے میں سمیٹنے لگے۔ ان کے رب نے انہیں پکارا کہ اے ایوب! کیا میں نے تجھے مالدار بنا کر ان ٹڈیوں سے بے پروا نہیں کر دیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ: کیوں نہیں۔ بے

شک تو نے مجھ کو بے پرواا ور مالدار کیا ہے مگر تیرے فضل و کرم اور رحمت سے بھی میں کہیں بے پرواہو سکتا ہوں"[1]۔

یہ نوازش اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ بندے کے لئے اللہ کی نعمت ونوازش کس قدر کشادہ ہوتی ہے، جب تک بندہ اپنے رب کی خاطر اس طرح سے صبر کرتا رہتا ہے، سکون واطمینان کا مظاہرہ کرتا، تواضع اختیار کرتا اور گریہ وزاری کرتا ہے تو اللہ اسے بے شمار، بغیر کسی عوض اور غرض کے (بیش بہا) نعمتوں سے نوازتا ہے، کیوں کہ نوازش نوازنے والی ذات کے مطابق ملتی ہے، نہ کہ نوازے جانے والے کے مطابق۔

جب آپ کو کوئی ناپسندیدہ اور غیر محبوب چیز لاحق ہو، اور آپ اس پر صبر کریں، واویلا نہ مچائیں، افسوس اور شکوہ نہ کریں تو یقین رکھیں کہ اللہ کی نوازشیں آپ کو مل کر رہیں گی، اور آپ جس قدر اللہ سے لو لگائیں گے اسی قدر آپ کو اللہ کی نوازشیں بھی حاصل ہوں گی۔

آپ زکریا علیہ السلام کی حالت پر غور کریں جب وہ نوے سال کی عمر کو پہنچ گئے تو ان کے بال میں سفیدی چھاگئی، ان کی ہڈیاں اور جسم کمزور پڑ گئے، عمر کی آخری منزل کو پہنچ گئے، یہ ایسی عمر ہے جس میں جسم کے سارے جوڑ اور ہڈیاں خشک ہو جاتی ہیں، ان سب پر مستزاد یہ کہ ان کی بیوی بھی بانجھ تھی، جو بچے نہیں جن سکتی تھی، وہ اسباب کے اعتبار سے حد درجہ عاجز تھے، وہ عاجزی ودرماندگی کے اس اتھاہ سمندر میں جب کہ عاجزی ہر چہار جانب سے انہیں اپنے گھیرے میں لے چکی تھی، وہ عبودیت وبندگی کو بروئے عمل لاتے ہوئے اللہ کے سامنے فقر ومسکنت، ذلت وانکساری اور محتاجی ودرماندگی کا اظہار کرتے ہیں، اور اپنے پروردگار کے حضور سپر ڈال دیتے ہیں۔

---

[1] اس حدیث کو امام بخاری نے روایت کیا ہے: ۶/ ۴۲۰

ابن رجب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:(جو شخص تمام پالنہاروں کے پالنہار کے در پر خود کو ڈال دیتا ہے ، اسے عرصہ دراز تک دیگر دروازوں کو کھولنے کی ضرورت پیش نہیں آتی)[1]۔

وہ اللہ کے سامنے اپنی کمزوری کا اظہار کرتا ہے... اے میرے رب! میں ہوا میں لہرانے والے ریشہ وپر سے بھی زیادہ کمزور ہوں... کشتی کے اس سوار سے بھی کمزور تر ہوں جو موجوں کی زد میں ہوتا ہے، موجیں اسے اوپر نیچے کرتی رہتی ہیں... اور وہ لامحالہ غرق ہو کر رہتا ہے... اے میرے پروردگار میں اِس سے بھی اور اُس سے بھی کمزور ہوں۔

جب بندہ اس ضعف وانکساری کے ساتھ اپنے رب کے در پر خود سپردگی کرنے کا ہنر سیکھ لیتا ہے تو بے شک سارے دروازے اس کے لئے کھل جاتے ہیں اور نوازشیں اس پر برسنے لگتی ہیں۔

زکریا علیہ السلام نے خود سپردگی کی اور اللہ سے یہ نوازش طلب کی کہ:﴿رَبِّ هَبْ لِي مِن لَّدُنكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۖ إِنَّكَ سَمِيعُ ٱلدُّعَآءِ﴾

ترجمہ: اے میرے پروردگار! مجھے اپنے پاس سے پاکیزہ اولاد عطا فرما۔ بے شک تو دعا کا سننے والا ہے۔

بعض مفسرین کا کہنا ہے کہ: جب آپ کسی انسان کو یہ کہتے ہوئے سنیں کہ: اے میرے پروردگار! مجھے نواز دے۔ تو یقین جانئے کہ اسباب سے قطع نظر اس کی ساری امیدیں اللہ سے وابستہ ہیں، کیوں کہ نوازش اللہ کی طرف سے بغیر کسی بدلہ کے ملتی ہے، اس لئے کہ اللہ بغیر اسباب کے بھی نوازتا ہے، اور اگر اسباب ناپید ہو جائیں تب بھی وہ نوازتا رہتا ہے، اپنے پروردگار پر جس کو یقین کامل ہو اسے اللہ نہ تو اس کی ذات کے سپرد کرتا ہے اور نہ اسباب کے حوالے، بلکہ اللہ جلّ جلالہ اسے صرف اپنی خاص عنایت کے سایہ میں رکھتا ہے، اور اللہ جب آپ کو خود

[1] نزھۃ الخاطر العاطر لابن رجب

اپنے سپرد رکھے تو وہ آپ کے تمام معاملات کی تدبیر کرتا ہے ، آپ کی ضرورتیں پوری کرتا ہے اور آپ کی حفاظت فرماتا ہے اور آپ بے نظیر سعادت سے بہرہ مند ہوتے ہیں۔

اے اللہ! ہم تجھ سے تیرے اوپر سچا توکل کرنے اور تجھ سے حسن ظن قائم رکھنے کی دعا کرتے ہیں۔

ہمیں اللہ نے قرآن کریم میں یہ تعلیم دی ہے کہ ہم اسی سے نوازشیں طلب کریں: ﴿رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِن لَّدُنكَ رَحْمَةً ۚ إِنَّكَ أَنتَ ٱلْوَهَّابُ﴾

ترجمہ: اے ہمارے رب ہمیں ہدایت دینے کے بعد ہمارے دل ٹیڑھے نہ کردے اور ہمیں اپنے پاس سے رحمت عطا فرما۔یقیناتو ہی بہت بڑا عطا کرنے والا ہے۔

یہ ایسی رحمت کی دعا ہے جس میں چھ قسم کی رحمتیں شامل ہیں:

دل میں توحید اور ایمان کا نور اور اعضاء وجوارح پر خدمت اور اطاعت کا نور ہو، دنیا کے اندر ذریعہ معاش آسان ہو جائے اور حالات بہتر ہو جائیں، جاں کنی کے وقت موت کی شدت آسان ہو جائے، قبر میں سوالوں کا جواب دینا آسان ہو، اور قیامت کے دن گناہوں کی مغفرت ہو جائے[1]۔

اللہ نے موسی علیہ السلام کی دعا قبول فرمائی اور ان کے بھائی ہارون کو نبوت سے سرفراز کیا، نبوت وہ سب سے بلند وبالا انعام ہے جس سے اللہ بندے کو دنیا میں نوازتا ہے، کیوں کہ وہ عقل مندی وذہانت اور ذاتی کدوکاوش کی بناپر نہیں ملتی بلکہ وہ محض اللہ کی نوازش ہوتی ہے۔

اللہ نے ابراہیم علیہ السلام کی دعا بھی قبول فرمائی، چناں چہ انہیں اسحاق اور اس پر مزید یعقوب سے نوازا۔

---

[1] ڈاکٹر محمد الدبیسی کے درس سے ماخوذ جس میں انہوں نے اللہ تعالی کے نام الوھاب کی تشریح کی ہے۔

اللہ نے سلیمان علیہ السلام کی دعا قبول فرمائی اور انہیں ایسی عجیب وغریب بادشاہت سے سرفراز کیا جس کی تفصیلات پر غور کرنے سے عقل حیران رہ جاتی ہے۔

ہمارے لئے اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں رہ گیا کہ ہم اپنے پروردگار کو ایک جانیں، اور اس عظیم اسم گرامی (الوھاب / خوب نوازنے والا) کے ذریعہ اس کی وحدانیت کا اظہار کریں۔ اپنے پروردگار سے ہی ہر ایک چیز طلب کریں، اس کے حق میں کسی چیز کو بڑا اور زیادہ نہ سمجھیں، کیوں کہ اللہ سب سے بڑا اور عظیم ہے، اللہ عزیز وبرتر کو یہ پسند نہیں کہ اس کا بندہ شک اور تردد کا شکار رہے اور یہ کہے کہ: کیسے؟ کہاں سے؟ یہ ممکن نہیں اور یہ محال ہے... گویا کہ اللہ کے خزانے ختم ہوگئے ہوں، اس کی نوازش کے سوتے خشک پڑگئے ہوں، اور اس کے پاس وہ نوازشیں نہ ہوں جن کے ذریعہ وہ بندے کو بے نیاز کرسکے۔

اللہ کو یہ محبوب ہے کہ اس کا بندہ اسے ایک جانے، اس کی قدرت سے آگاہ ہو، اس کی نوازش وبادشاہت کی وسعت اور انعامات کی کثرت سے واقف ہو، اور یہ یقین رکھے کہ وہی پاک اور تعریف کے لائق (پالنہار) الوھّاب / بہت زیادہ نوازنے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا نام (الشکور) جل جلالہ

اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنی میں سے ایک (الشکور) کے معنی ہیں: جو نیکی و بھلائی پر اس سے زیادہ بدلہ دے، کم عمل پر زیادہ اجر سے نوازے، اور اجر و ثواب میں بے حساب بڑھوتری فرمائے۔

اللہ کا اپنے بندوں کی شکر گزاری کرنے کے چند مظاہر:

جب آپ کا دل اللہ جل جلالہ کی راہ پر چلنے کا خوگر ہو جاتا ہے تو جب آپ اس کی طرف ایک بالشت بڑھتے ہیں تو وہ ایک ہاتھ آپ کی طرف بڑھتا ہے، اگر آپ اس کی طرف ایک ہاتھ بڑھتے ہیں تو وہ دو ہاتھ آپ کے قریب ہوتا ہے، حدیث قدسی میں آیا ہے: "میرے بندے! میری طرف (آنے کے لئے) کھڑے ہو جاؤ میں تمہاری طرف چل کر آؤں گا، تم میری طرف چل کر آؤ میں تمہاری طرف دوڑ کر آؤں گا"[1]۔

اس کے شکریے کا ایک مظہر یہ بھی ہے کہ وہ بندے کے حسن عمل کی خوشبو کو پھیلاتا ہے، چنانچہ فرشتوں کے درمیان اور ملائے اعلی میں اس کی تعریف کرتا ہے، اور لوگوں کے درمیان اس کی مقبولیت عام کر دیتا ہے۔

اس کی شکر گزاری کا ایک مظہر یہ بھی ہے کہ وہ بندے کے ہر عمل حتی کہ اس کے دل کی دھڑکن کو بھی اجر و ثواب کا ذریعہ بنا دیتا ہے، چنانچہ اسے ان حرکتوں پر اس کے تصور سے کئی گنا بڑھا کر اجر دیتا ہے۔

فرعون کے جادوگروں نے توبہ کی اور جادو کی ناپسندیدگی میں اللہ کے ساتھ صداقت اور سچائی سے کام لیا، اور اللہ ان کے دلوں کی حالت سے آگاہ اور ان کی نیتوں سے واقف تھا، چنانچہ ان کی

---

[1] السلسلۃ الصحیحۃ: ۲۲۸۷

صداقت وراستی کا بہتر بدلہ عطا فرمایا، انہیں ثابت قدمی عطا کی، ان کے دلوں کو مضبوط کر دیا، ان پر صبر نازل فرمایا، ان کے ذکر کو بلند کر دیا اور ان کے سلسلے میں قرآن (کی آیتیں) نازل فرمائی۔

بندے کے تئیں اس کی شکر گزاری کا ایک مظہر یہ بھی ہے کہ جو اللہ کی خاطر کوئی چیز ترک کرتا ہے، اللہ اسے اس سے بہتر بدلہ عطا فرماتا ہے، اور جو اس کے لئے کوئی چیز خرچ کرتا ہے، اس کے بدلے اسے کئی گنا بڑھ کر نوازتا ہے۔

بندے کے تئیں اس کی شکر گزاری کا ایک مظہر یہ بھی ہے کہ اس نے ایک فاحشہ عورت کو مغفرت کا پروانہ عطا کر دیا (جو پیشہ ور زانیہ تھی، زناکاری وبدکاری میں اس نے اپنی زندگی کے کئی سال گزارے تھے)، صرف ایک کتے کی پیاس بجھانے پر اس کی مغفرت فرمادیا، کیا کسی کتے کو پانی پلانے سے اتنا بڑا اور گھناؤنا جرم بھی معاف ہو سکتا ہے؟

یقیناوہ بہت زیادہ بخشنے والا اور عمل سے بڑھ کر اجر عطا کرنے والا ہے، جس سے کیوں، کیسے اور کس لئے کے سوالات نہیں کیے جاسکتے۔

یقیناً پاکی وتعریف والا پالنہار بہت زیادہ نوازنے والا ہے، وہ اپنے بندے کو بھی شکر گزار دیکھنا پسند کرتا ہے، نبی ﷺ کی حدیث ہے "جس نے لوگوں کا شکریہ ادا نہیں کیا، اس نے اللہ کا بھی شکریہ ادا نہیں کیا"۔ یعنی جس کی فطرت یہ ہو کہ وہ لوگوں کی نوازش کی ناشکری کرتا ہو، ان کے احسان وبھلائی کا اعتراف نہ کرتا ہو، اگر لوگوں کے ساتھ اس کی یہی عادت ہو تو اللہ کے ساتھ بھی اس کی عادت یہی ہوگی۔

یہی وجہ ہے کہ حجاز کی سرزمین میں جب ابراہیم علیہ السلام اپنے بیٹے اسماعیل کی زیارت کو تشریف لائے، وہ اپنے گھر میں نہیں تھے، ان کی اہلیہ باہر آئی اور آپ نے ان سے دریافت کیا کہ تم لوگ کس حالت میں ہو؟ تو وہ فقر وفاقہ اور تنگ دستی کا شکوہ کرنے لگی... آپ نے اسماعیل کی اہلیہ سے عرض کیا: جب وہ لوٹیں تو انہیں کہنا کہ دروازے کی چوکھٹ تبدیل کر لیں یعنی اپنی

بیوی کو طلاق دے دیں.. کیوں؟ اس لئے کہ اس نے ناشکری کی، اللہ کی نعمت کو فراموش کر دی، اس کے پاس وفاداری کی خوبی کم تھی، جب کہ اللہ اپنے وفادار اور شکر گزار بندوں کو محبوب رکھتا ہے، جو اللہ کے فضل واحسان کے ساتھ ہر محسن کے احسان کا اعتراف کرتے ہیں، اللہ ہمیں اور آپ کو اپنے شکر گزار بندوں میں شامل فرمائے۔

ومن الرزية شكري صامت عما فعلت وأن برك ناطق
أأرى الصنيعة منك ثم أسرها إني إذا لندى الكريم لسارق

ترجمہ: یہ ایک بڑی مصیبت ہے کہ آپ کے کام پر میری شکر گزاری خاموش رہے، جب کہ آپ کا احسان بول رہا ہو۔ کیا میں آپ کے احسان و بھلائی کو دیکھ کر بھی اس پر پردہ ڈال دوں، اگر میں ایسا کروں تو میں سخی کی سخاوت کو چرانے والا ٹھہروں گا۔

آخری بات: شکر گزاری کے لئے خشوع و خضوع اور گریہ وزاری کی ضرورت پڑتی ہے:

اللہ کے چنیدہ وبرگزیدہ بندے یہ دعا کیا کرتے تھے کہ اللہ انہیں رزق سے نوازے اور شکر پر ان کی مدد فرمائے: ﴿رَبِّ أَوْزِعْنِيٓ أَنْ أَشْكُرَ نِعْمَتَكَ ٱلَّتِيٓ أَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلَىٰ وَٰلِدَيَّ وَأَنْ أَعْمَلَ صَٰلِحًا تَرْضَىٰهُ وَأَدْخِلْنِي بِرَحْمَتِكَ فِي عِبَادِكَ ٱلصَّٰلِحِينَ﴾

ترجمہ: مجھے توفیق دے کہ میں تیری ان نعمتوں کا شکر بجالاؤں جو تو نے مجھ پر انعام کی ہیں اور میرے ماں باپ پر اور میں ایسے نیک اعمال کرتا رہوں جن سے تو خوش رہے۔ مجھے اپنی رحمت سے نیک بندوں میں شامل کر لے۔

ہمارے نبی ﷺ کی دعا بھی ملاحظہ فرمائیے جو آپ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو سکھائی تھی: "اے اللہ! تو اپنے ذکر و شکر بجالانے اور بہتر طریقے سے اپنی عبادت کرنے پر میری مدد فرما"۔ ہمیں آپ ﷺ نے خبر دی ہے کہ: "جو شخص صبح کے وقت یہ دعا پڑھتا ہے وہ رات بھر کا شکر ادا کر لیتا ہے: "اللهم ما أصبح بي من نعمة أو بأحد من خلقك فمنك وحدك لا شريك لك،

فلك الحمد ولك الشكر" [1](یعنی: اے اللہ! صبح کو جو نعمتیں میرے پاس یا تیرے کسی بھی بندے کے پاس ہیں وہ تیری ہی دی ہوئی ہیں، تو اکیلا ہے، تیرا کوئی شریک نہیں ہے، تو ہی ہر طرح کی تعریف کا مستحق ہے اور میں تیرا ہی شکر گزار ہوں)۔

نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: "اللہ تعالی اس بات پر اپنے بندے سے خوش ہوتا ہے کہ وہ ایک کھانا کھائے اور اس پر اللہ کی حمد کرے یا پینے کی کوئی چیز (پانی اور دودھ وغیرہ) پیے اور اس پر اللہ کی حمد کرے"[2]۔

آپ ﷺ فرماتے ہیں: "جس کے ساتھ کوئی احسان اور بھلائی کی جائے اور وہ محسن کو یہ دعا دے کہ: اللہ آپ کو جزائے خیر سے نوازے، تو نے اس تعریف میں کوئی کمی نہیں کی"[3]۔

ابو بکر رضی اللہ عنہ اپنی دعا میں یہ کہا کرتے تھے: "میں تجھ سے تمام چیزوں میں کمالِ نعمت کا خواستگار ہوں، ان نعمتوں پر تیری رضا تک اور رضا کے بعد بھی تیری شکر گزاری کا طلب گار ہوں، ہر اس چیز میں خیر و بھلائی کی دعا کرتا ہوں جس میں بھلائی ہے، تمام معاملات میں آسانی کی دعا کرتا ہوں، دشواری کی نہیں، اے داتا و کرم فرما!"[3]۔

---

[1] امام ابو داود اور امام نسائی نے اسے روایت کیا ہے۔

[2] اسے امام ابو داود اور امام نسائی نے روایت کیا ہے۔

[3] امام مسلم نے روایت کیا ہے (۲۷۳۴)۔

[3] اسے امام ترمذی نے روایت کیا ہے اور کہا کہ یہ حسن جید ہے۔

ہماری دیگر مطبوعات